PAGES MISSING WITHIN THE BOOK ONLY

TEXT CUT WITHIN THE BOOK ONLY

بیادگار جوبلی چہل سالہ اعلیحضرت یمین السلطنت حضور نظام بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

صحیفہ

نمبر ۱	آذر ۱۳۲۲ فصلی	جلد ۶

انجمن معارف حیدرآباد دکن کا ماہوار رسالہ

جو

علمی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی، ادبی

مذاق و معلومات کو پھیلانے اور ابنائے ملک کو تہذیب کی ترغیب دینے کیلئے شائع ہوتا ہے

مرتبہ

محمد اکبر علی

فہرست مضامین

صحیفہ پریس واقع بیرون دروازہ چادرگھاٹ، حیدرآباد دکن میں چھپا اور شائع ہوا۔



ہارڈی اینڈ کمپنی

به تقرر شاہی ہز ہائینس حضور نظام جی سی ۔ بی ۔ جی سی ایس آئی

ماہران فن بصارت و عینک ساز پاس شدہ لندن بہ تقرر شاہی ہز ہائینس حضور نظام ۔ جی سی بی
جی ایس آئی ایل یم دانڈ حکیم چشم پاس شدہ لندن و آنریری ابیضا الملک سرجن مول ہاسپٹل سکندرآباد
اوقات تشخیص صبح کے آٹھ بجے سے گیارہ تک اور شام کے چار بجے سے پانچ تک کل امراض چشم مثلاً کرد کین
موتیا ۔ سوزشدہ ۔ درد قرحہ ۔ پانی بہنا ۔ چکاچوندی وغیرہ کی تشخیص اور علاج کیا جاتا ہے ہم حیدرآباد
کے لاعلم اور ناواقف لوگوں کو امریکہ اور دیگر یورپین ممالک کے مسودہ پارلیامنٹ جو آزمایش نظر کے
متعلق ہے آگاہ کرنا چاہتے ہیں ۔ جو عینک فروش بازاروں عینک سازوں و مصنوعی حکیموں کیلئے
ضابطہ قانون ہوا ہے جو نارستی و بیقاعدگی سے خود کو سنٹیفک عینک ساز مشہور کر رکھے ہیں حالانکہ
اُن کا علم فن بصارت کے متعلق افضل گنج کے جھٹکہ ہانکنے والے سے زیادہ نہیں ہے ۔

(۱) اگر تم بازاری عینک خریدوگے اور وہ تمہاری آنکھوں کا امتحان نہیں کرتا ہے تو تم کو ضرور ہوگا کہ ایک
عینک خود دیکھکر جن امصرات میں اگر اتفاقاً تمھاری بصارت جاتی رہی تو بازاری کو ازروئے
قانون فوجداری و دیوانی ملزم ٹھہر سکتا ہے کیونکہ خود تم نے بازاری کے مثل چاول دیکر کے عینک
خرید کیا ہے ع خود کردہ را علاجے نیست ۔

(۲) اگر تم کسی ایسے مصنوعی عینک ساز سے جو اپنے کو سنٹیفک عینک ساز کہتا ہے حالانکہ اُس کا علم فن
بصارت کے متعلق تمہارے باورچی سے زیادہ نہیں ہے عینک خریدوگے اور اسی طرح جن کے
متروک چہارم درجہ کے پبل جن کے مرکزوں کے استعمال کرنے سے تمھاری بصارت کو نقصان
پہونچے مذکور مصنوعی عینک ساز جو حیدرآباد میں بھرے پڑے ہیں) بصارت کو خرا
جرم بھاری تادان سزا کے لائق ہے اور از روئے قانون فوجداری امریکہ و دیگر مہذب جماہم
بھی ہے کیونکہ مسودہ قانون آزمایش نظر کی رو سے اُس جرمانہ و قید کی سزا مقرر کر کے لوگوں کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر۱ صحیفہ جلد۶

صحیفہ کی چھٹی سالگرہ

صحیفہ کے اسپشل معاون مضمون نگار جناب مولوی محمد مرتضٰی صاحب (مولوی فاضل) نے صحیفہ کی گزشتہ زندگی پر جس عنوان سے نظر ڈالی ہے وہ ناظرین ومعاونین صحیفہ کے غور و توجہ کی مستحق ہے۔ ہم مولوی صاحب موصوف کے خاص طور پر شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہمارے سالانہ فرض کو نہ صرف خوش اسلوبی سے پورا کیا۔ بلکہ ایسی ضروری اور اہم باتیں بھی بیان کی ہیں۔ کہ اگر ابنائے ملک اُن کو کان دھر کے سنیں گے تو صحیفہ اپنے مقاصد میں ایک قدم اور آگے بڑھ جائیگا۔ اور جس ترقی کے لئے ہم اپنے آپ کو فنا کر رہے ہیں۔ اُس کا مٹا ہوا نقش صاف دکھائی دینے لگیگا۔

مولوی صاحب موصوف کے مضمون میں جو کمی رہ گئی تھی۔ اُس کو ہم نے پورا کر دیا ہے فقط اڈیٹر

صحیفہ کی سالگرہ کے موقع پر جبکہ حسب معمول اس کی سالانہ رپورٹ سنائی جاتی ہے۔ تو یا چھٹی کی مناسبت سے ہماری نظر پارسال پیشتر اس موقع پر جاتی ہے جبکہ صحیفہ کے نشاۃ ثانیہ پر ہم نے اس کا نہایت خوش آیند خیر مقدم ادا کیا تھا۔ جو دلربا امیدیں

اس خیر مقدم میں ظاہر کی گئی تھیں وہ کہاں تک پوری ہوئیں ؟ یہی سوال ہے جس پر قلم اُٹھانا اس وقت ہمیں ضروری سمجھا ہے ۔

پیارے حیدرآباد سے سچی محبت اور رفتار زمانہ سے پوری وقفیت رکھنے والے ۔ دردمند دل ۔ حیدرآباد جیسے پرشان وشوکت مرکز تمدن میں علمی تازگی پیدا کرنے کے لئے کم از کم ایک علمی مخزن کی اشاعت کی (حسرت اور بے تابی سے معمور جذبات قلبی کے ساتھ) آرزو کر رہے تھے ۔ جو صحیفہ کی نئی زندگی سے متاثر ہو کر مسرت و انبساط کے لہجہ میں اس طرح صلاء عام دینے لگے "اُے پیارے حیدرآباد! اب بفضل خدا امید ہے کہ اس نئے رسالے سے تیری بابرکت اور قدرت کی فیاضیوں سے مالامال سرزمین میں ۔ ایسے ہی عظیم الشان تاریخی نتائج پیدا ہوں گے جیسے کہ فرنگستانی ممالک میں ان کی دائمی شہرت حاصل کئے ہوئے طویل العمر رسالوں سے ظہور میں آئے ہیں حیدرآباد اور فرنگستانی نامور شہروں کا یہ موجز فرق بیان کرکے کہ جو حیدرآباد میں بستے ہیں اُس سے غافل ہیں ۔ اور جو اُن میں بستے ہیں اُن سے کبھی غافل نہیں ہوتے یہ بتایا گیا تھا کہ "صحیفہ تیرے بسنے والوں کو اس خواب غفلت سے جگائیگا وہ بتائیگا کہ ان کے کیا فرائض ہیں ؟ اور اگر وہ اپنی زندگی چاہتے ہیں تو ان کو کیا کرنا ضرور ہے ؟"

صحیفہ کی ذاتی ترقی

ابھی ان خوشنما امیدوں کو صحیفہ کے دامن میں پھیلتے ہوئے ایک مہینے کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ اُس زبردست مشیت ایزدی نے جو اس تماشاگاہ عالم میں انسان کی امید اور اس کے نتیجہ میں فرق ڈال دینے کا باعث ہے ۔ صحیفہ کی زندگی کے ساتھ ہی اس فدائے قوم و ملک مسیحا نفس ملا کا چراغ حیات ہی گل کر دیا جس کے خوشنما زرین کارناموں میں صحیفہ کی نئی زندگی سب سے اخیر نقش تھا اور نئے صحیفہ کے پہلے پرچہ میں ہی ملا مرحوم کا آخری نقش تحریر "ابنیائے ہنود" یادگار رہ گیا جس نے پبلک کی نگاہ

(موافق یا مخالف) خود بخود اپنی طرف کھینچ لی تھی۔ اس فدائے قوم و ملک کا سایہ صحیفہ پر سے اُٹھ جانے کے بعد۔ جس کے زیر سایۂ عاطفت اس کے پھلنے پھولنے کی امیدیں تھیں۔ اگرچہ بظاہر اس کا چلنا محال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن وہی مشیت ایزدی جو ظاہرا اسباب اور نتیجہ میں بین فرق پیدا کر دیتی ہے اس کے برقرار رکھنے کے لئے حکم دے چکی تھی۔ اور اس کے اسباب بھی پیدا کر دیئے تھے۔

وہ نوجوان دل جنھوں نے عمیق مطالعہ کے بعد استقلال کا نہ مٹنے والا سبق۔ مدرسۂ فطرت سے حاصل کیا ہے کام کرنے سے ذرا نہ جھجکے۔ بے کسی۔ بے سر و سامانی۔ پریشانی روزگاری۔ ان کے ہمت کے قدم اور آگے بڑھا رہی تھی جس کی بدولت بفضل خدا آج ہم اس کی چھٹی سالگرہ کی خوشی منا رہے ہیں۔ اس چار سال کے ممتد عرصہ میں مشکلوں اور دقتوں کے جو جو خارستان اس کے راستہ میں حائل ہوتے گئے اور خدائے قادر قدیر جل جلالہ و عم نوالہ کے فضل و کرم کی بدولت جس جس طریقہ سے صحیفہ کو اُن سے اپنا دامن بچانے کی توفیق عطا ہوئی اس کی داستان ہر سالگرہ کے موقع پر مختصراً سنائی جاتی رہی ہے۔ کسی سرپرست و مربی کا نہ ہونا۔ مالی مشکلات کا پیش آنا۔ اور پھر اُن میں نقصانات اور خساروں کا واقع ہونا۔ رقم چندہ کا چوری جانا۔ تاریخی طغیانی رود موسی کے ساتھ صحیفہ پریس کا تباہ و برباد ہونا۔ انتظام طبع و نشر میں دقتیں پڑنا۔ ایثار نفس کا معدوم ہو جانا۔ ان سب حملہ آوروں سے جس جس طریقہ پر اس نے مقابلہ کیا۔ وہ بلاشک و شبہہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ اس کے چلانے والے اگر سب نہیں تو کم از کم مولوی اکبر علی صاحب[۱] اور ان کے ہمدم و ہم نوا شمس مولوی عبدالباسط صاحب) ایسے اشخاص ہیں جو آب و ہوائے حیدرآباد کی ضرب المثل مردگی میں غیر معمولی طبیعت کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں۔

[۱] اس خصوص میں میرا ذکر مناسب نہیں۔ کیونکہ میں نے کام ہی کیا کیا۔ صحیفہ کو انجمن معارف چلاتی رہی۔ اگر میں نے کوئی کام کیا بھی تو وہ ذاتی غرض اور مالی نفع سے خالی کب تھا؟ البتہ مولوی عبدالباسط صاحب کا نام اور ان کی کوششیں یادگار رہیں گی ۱۲ اڈیٹر

غرض صحیفہ کے چلانے والوں کے غیر معمولی ہمت و استقلال نے نہ صرف اس کو مرجھانے سے بچا دیا بلکہ اس کو اس حد تک ترقی دی جو بلحاظ ان مشکلات اور دقتوں کے کچھ کم قابل تحسین نہیں ہے۔

اگرچہ اب اس کا وہ کاغذ اور وہ تقطیع نہ رہی جو دوسرے سال تھی مگر اس کا معاوضہ اس کے کثیر حجم نے کر دیا جو اب تک موجود ہے۔ مستقل کتاب کا علحدہ جز شریک کیا گیا جس کے ذریعہ سے "معجزہ محبت" اور "قلمرو آصفی کی دولت" لٹریری دنیا میں پیش کی جا سکیں۔ صحیفہ پریس قائم کیا گیا۔ اور اس طرح ہندوستان کے مشہور علمی رسایل و مخازن سے اس کی حیثیت من حیث الکل کم نہیں کہی جا سکتی

تاریخی و جغرافی اثر

صحیفہ کے ساتھ بندھی ہوئی امیدوں کا پہلا جز یہ تھا کہ :- "دکن! تیری سنگستانی زمین میں کیسے کیسے انمول جواہر ہیں اور تیری صاف فضا میں کیسے کیسے نایاب پھول کھلتے ہیں؟ صحیفہ انہی انمول جواہر کا ہار اور انہی نایاب پھولوں کا گلدستہ بنانے والا ہوگا۔" اس امید میں صحیفہ نے معتد بہ کامیابی حاصل کی ہے قلمرو آصفیہ بلکہ کل دکن کی جغرافی اور تاریخی تحقیقات بہت کچھ صحیفہ کے اوراق کے ذریعہ سے لٹریری دنیا میں۔ روشناس ہو چکی ہے جو اس سے پہلے کبھی کسی زبان میں قلم بند نہیں ہوئی تھی بلالحاظ خود ستائی "سواحل ہندوستان پر مسلمانوں کے توطن" کا سلسلہ لٹریری دنیا میں جدید اور مہتم بالشان اضافہ ہے۔ مولوی محمد مظہر صاحب کا مضمون "اورنگ آباد" اس سلسلہ کا سب سے پہلا دلاویز نقش تھا جس نے خاطر خواہ کامیابی اپنے اصل منشا کے لحاظ سے حاصل کی اور عموماً یہ خیال مضمون نگاروں کو پیدا ہو گیا کہ قلمرو آصفیہ کے ہر قسم کے تاریخی اسرار نہانی پبلک کے روبرو لائے جائیں جو صحیفہ کا منشاء اولیں تھا۔ مولوی سید جلال صاحب کا مضمون "صنایع دکن"

جو صحیفہ کی زندگی کے پیشتر لکھا جا چکا تھا صحیفہ کے ہی ذریعہ سے شائع کیا گیا۔ ورنگل کی ہزار کھم کی دیول وغیرہ کے متعلق باز غ صاحب کا مضمون و آثار قدیمہ کی نسبت سید ظفر حسن صاحب تبہرت کی تحریرات کچھ کم قابل تعریف نہیں ہیں۔ اگرچہ اس کا افسوس ہے کہ ان بزرگوں نے مسلسل توجہ اس بارہ میں مبذول نہیں رکھی جس کا صحیفہ ان سے درد کے ساتھ شکوہ کرتا ہے۔

بیدر کے متعلق اولاً مولوی محمد مصطفے صاحب نے مختصر مضمون قلمبند کیا۔ اب اسکے بعد عندلیب صاحب کا بسیط مضمون چھپ رہا ہے۔ جو امید ہے کہ اسی طرح قابل تعریف ثابت ہوگا۔ امرا باد کے متعلق مولوی موید الدین صاحب تحصیلدار کا مضمون گویا نزہت گاہوں میں ایک خوشنما نزہت گاہ کو روشن کر رہا ہے۔ مولوی محمد مظہر صاحب کی کتاب قلمرو آصفیہ کی دولت اس سلسلہ میں اب عام طور سے ایک بہت بڑی کمی پوری کر رہی ہے "دکنی ہیروز" کا سلسلہ بھی سال گزشتہ سے شروع کیا گیا ہے۔ غرض اس موضوع تاریخ و آثار دکن کو جس میں بے انتہا وسعت ہے صحیفہ نے ہی سب سے پہلے عام طور سے کھولا ہے اور اس چار سال کے عرصہ میں اس قدر کام کچھ کم نہیں کہا جا سکتا لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا جس کا صحیفہ کے خیر مقدم میں اس طرح مذکور ہے "ان ہی عہدوں کی تباب تیرے بسنے والوں کے مردہ دلوں میں تازگی کی وہ روح پھونک دیگی جو ترکستانی شہروں میں پائی جاتی ہے" جس کے لئے ضرور ہے کہ ہمارے مضمون نگار اسی طرح اپنی کوشش کا سلسلہ جاری رکھیں۔

علمی اثر

یہ صحیفہ کے خیر مقدم مضمون کا دوسرا جز تھا کہ "تیرے علمی حلقوں میں جو سنسان پڑی ہوئی ہیں وہ ایک ہل چل ڈال دیگا۔ وہ تیری خوبیوں کی عام شہرت دیگا" لیکن اصولاً زیادہ زور صحیفہ میں اسی جز پر دیا گیا اور عموماً

ہر سال کی رپورٹ میں اس کے متعلق بیان کیا جاتا رہا ہے کہ کس طرح اصول ارتقائے تدریجی کے مطابق اس مقصد میں صحیفہ نے کامیابی حاصل کی ہے۔ چنانچہ تیسری سالگرہ کے موقع پر ظاہر کیا گیا کہ "صحیفہ کی اشاعت سے جو جو اغراض وابستہ ہیں ان میں سب سے مہتم بالشان غرض یہ ہے کہ اہل دکن میں تصنیف و تالیف کا شوق پیدا کرایا جائے۔ اسکی نسبت بوثوق تمام کہا جا سکتا ہے کہ صحیفہ کو نمایاں طور پر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ صحیفہ کے اکثر ناظرین کو مضمون نگاری کا خیال پیدا ہوا۔ بعض نے اس سے استفادہ کیا۔ غرض یہ ہے کہ اس کے ناظرین میں ایک قسم کی ہل چل اور نامعلوم سی تحریک پیدا ہو گئی۔ یہی وہ چیز ہے جس کے پیدا کرنے کے لئے جاں بار کوششیں کی جا رہی ہیں یہی ہماری اصلی کامیابی ہے اور اس کامیابی پر صحیفہ قابل مبارکباد ہوگا۔"

چوتھی سالگرہ کے موقع پر کسی قدر قدم آگے بڑھا کر یہ کہنے کا موقع پیدا ہو گیا کہ "بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ صحیفہ اپنے مقاصد یعنے علمی و اخلاقی مذاق کے پھیلانے، تصنیف و تالیف کا مادہ پیدا کرنے اور ابنائے ملک میں ہل چل ڈالنے میں ایک خاص حد تک ضرور کامیاب ہوا۔ بعض آنکھیں اس کی منتظر رہنے لگیں بعض کانوں کو اس کی صدائیں بھلی معلوم ہونے لگیں۔ بعض دلوں کو اس کا انداز دلکش معلوم ہونے لگا۔"

پانچویں سالگرہ کے موقع پر آگے بڑھکر یہ کہا گیا کہ "مشتاق نگاہیں پہلے سے زیادہ اس کی منتظر رہنے لگیں۔ بے تاب دل اول سے بڑھکر اسکی دلکشی پر شیدا ہونے لگے۔ خریداروں کا شمار کم و بیش پانسو تک پہونچ گیا مضامین عموماً پسند کئے گئے اور رسالہ خاص رفتار سے چلتا رہا۔"

اب چھٹی سالگرہ کے موقع پر میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ جو امید خیر مقدم کے وقت اس سے وابستہ کی گئی تھی اس میں اس نے کامیابی کے لئے ضروری نمبر حاصل کر لئے ہیں۔ بے شبہ اس نے حیدر آباد کے سنسان علمی حلقوں میں

ہل چل ڈالدی۔ اس نے حیدرآباد کی خوبیوں کی عام شہرت دے دی۔ اس نے ملک کے اندر ہی دلوں کو اپنا مشتاق نہیں بنایا بلکہ ملک کے باہر بھی ثابت کردیا کہ حیدرآباد رجال العلم سے خالی نہیں ہے۔ اس لائن میں جناب صاحبزادہ میر تلاوت علی خاں صاحب بی۔اے۔ مولوی عبدالباسط صاحب۔ مولوی محمد مظہر صاحب محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب بدر کے نام خاص طور پر تشکریہ کے مستحق ہیں۔ اسلام و نصرانیت'۔ پین اسلام ازم۔ عربی شاعری اور فلسفۂ کرسمس' اور یوم المیلاد'۔ اسلامی دنیا میں خونریز ہل چل'۔ پارسیوں کے متعلق اسلامی تحقیقات۔ تاریخ التاریخ۔ ایسے مضامین ہیں جو دکن میں اس ذوق کے ساتھ نہیں پڑھے گئے جس قدر کہ ہندوستان میں ان پر تیجی دلچسپی کے ساتھ نظر ڈالی گئی۔ افسوس ہے کہ صحیفہ کی اشاعت بیرون قلمرو آصفیہ نہایت قلیل ہے گویا کچھ بھی نہیں۔ اگر اس کی اشاعت کچھ اور بڑھی ہوئی ہوتی تو اس کے نتائج اور بھی کچھ ہوتے۔

صحیفہ کی نظم کا حصہ بھی کیفی و بازغ صاحب کی نظموں کی بدولت ایک خاص شان رکھتا ہے۔ افسوس ہے کہ کلام کے لحاظ سے ان دونوں صاحبوں کی شہرت گویا کچھ بھی نہیں ہے جس سے ہمارے ملک کی مردگی زیادہ روشن ہوجاتی ہے۔

ابھی کیا ہونا چاہئے

خیر یہاں تک تو صحیفہ کی روش کامیاب اور امید افزا ثابت ہوتی ہے لیکن جب صحیفہ کے خیر مقدم ذرا اور نظر بڑھاتے ہیں تو ہم اس اظہار پر مجبور ہوتے ہیں کہ ابھی گویا کچھ بھی نہیں ہوا۔

ہماری علمی تازگی کا عام طور سے کوئی پایدار نشان نہیں ملتا۔ معاشرت اور تمدن کی جیسی کچھ ابتر اور روبہ تنزل حالت ہے وہ محبان وطن سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ لٹریچر کے لحاظ سے یہ امید ابھی پوری نہیں ہوئی کہ حیدرآباد دارد کیلئے

بلحاظ شاہی زبان کا دارالسلطنۃ ہونے کے بہمہ وجوہ مستند بن جائے اسلامی علوم کی شادابی کی کچھ بھی کوشش نہیں ہو رہی ہے بلکہ یہ چمن اور سوکھتے ہی چلے جارہے ہیں مختصر یہ کہ صحیفہ نے ملک میں ابھی زندگی کی کوئی قومی روح نہیں پھونکی ہے۔ پس ایسی حالت میں ہم کو ان ظاہری حالات پر کہ صحیفہ کی تعداد اشاعت کسی قدر بڑھ گئی ہے اور چند افراد کے پاس اس کی شہرت ہوگئی ہے مطلق خوشی کا موقع نہیں ہے اور نہ کچھ دم لینے کا۔ صحیفہ کی مالی حالت ہر وقت مخدوش رہتی ہے اور اس کی اشاعت اندرون و بیرون قلمرو آصفیہ سچ پوچھئے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس نے ابھی ایسی شہرت حاصل نہیں کی ہے جو اس کی شان کے لائق سمجھی جاسکے ایسی حالت میں تمام ہمدردان صحیفہ کو پہلے سے زیادہ مستقل اور تیز قدم اُٹھانے کی شدید ضرورت ہے۔ مضمون نگاروں کو مضامین کا اور عام خریداروں کو اس کا چندہ بیباق کرنے اور اشاعت کے بڑھانے کا خیال گویا ایک لازمۂ زندگی ہو جانا چاہئے جس کے بغیر ہمدردان وطن کی دلی آرزو پوری ہونے کی کوئی راہ نہیں معلوم ہوتی۔

اگرچہ امرداد ۱۳۱۹ف میں جو مضمون "صحیفہ کی تیسری زندگی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اس نے بعض معارف پسندوں کو کشیدہ خاطر کر دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عملاً یہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے۔ اب بھی اسی طرح صحیفہ قومی جذبات کو اُبھارنے کیلئے جاری ہے جس طرح پہلے تھا۔ نہایت خوشی اور قومی زندگی کی علامت ہوگی اگر کوئی علمی انسٹیٹیوشن کافی سرمایہ بہم پہونچا کر علمی مخزن جاری کرے بلکہ ہماری دلی تمنا ہے کہ کئی رسالے ہمارے پیارے حیدرآباد کے سرمایۂ ناز بن کر جاری ہوں۔ لیکن سرزمین حیدرآباد کے گزشتہ علمی مخازن کی موت اور خود صحیفہ کے گزشتہ تجربہ کے بعد سردست بجز اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ جو علمی رسالہ صحیفہ بغرض اصلاح ملک شائع ہو رہا ہے تمام محبان وطن اسی کو اپنا آرگن بنائیں۔ چند درد مند دلوں میں اصلاح و ترقی کے جو خیالات پیدا ہوئے ہیں بہ نسبت اسکے کہ

وہ ظاہری نہ ہوں اور دل ہی دل کے اندر کے گھٹ گھٹ کر رہ جائیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے علمی رسالہ کے ذریعہ سے شائع ہوں جس کا ماٹو "اصلاح و ترقی ملک" ہے۔ غرض کہ انجمن معارف کو زندہ رکھ کر صحیفہ کا ہاتھ بٹانا چاہیئے اس کے لئے ترقی کا نہ صرف ایک وسیع اور کافی میدان موجود ہے بلکہ سخت ضرورت ہے کہ وہ اس میدان میں دوڑے۔

ہم تمام دردمندان وطن اور بہوا خواہان معارف سے نہایت سوز و گداز کے ساتھ التجا کرتے ہیں کہ اصل مقصد اصلاح و ترقی ملک جس کے لئے انجمن معارف قائم ہوئی اور صحیفہ جاری کیا گیا اس عرصہ میں اُس کی کیا رفتار رہی ہے؟

میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ اگر کسی لائن میں کوئی ترقی ہوئی بھی ہے تو وہ اس قدر آہستگی کے ساتھ ہے کہ اس سے اس خوفناک رفتار تنزل کا کسی طرح مقابلہ نہیں ہو سکتا جو بدقسمتی سے درحقیقت جاری ہے۔ تمدن کی کون سی شاخ ایسی ہے جس سے ہم اپنے دل کو تسلی دے سکیں اور یہ کہیں کہ ہاں حیدرآباد اس میں ترقی کر رہا ہے۔ علمی حلقے جن کی تازگی پر ملک کی تازگی منحصر ہے۔ اسی طرح سنسان ہیں جس طرح پہلے تھے۔ بلکہ درحقیقت اور زیادہ۔

جن انفاس نفیسہ کی برکتوں سے کچھ علمی چہل پہل ہو جاتی تھی اب وہ بھی نظر نہیں آتے کوئی ایسا دماغ دکھائی نہیں دیتا جو فیضان مغرب سے منور ہو اور جو ملک کی اس بے حس و حرکت علمی حالت میں ذری بھی جنبش دلانے کی کوشش کرتا ہوا پایا جائے۔

دارالعلوم کی وہ ترقی جسکی بدولت صحیفہ نے زندگی پائی (اور جسکو پایۂ مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا صحیفہ کا ایک اہم مقصد تھا) مٹ گئی ہے یا اگر بالکل مٹ نہیں گئی ہے تو کم از کم مٹتی چلی جا رہی ہے اور اس کے روکنے کی کوئی کوشش نظر نہیں آتی اور بظاہر حالات اس کا انجام اسی حالت پر عود کرتا دکھائی دے رہا ہے جو پنجاب یونیورسٹی سے انفیلیٹ ہونے کے پہلے تھا۔ گزشتہ دو

اس تعلیم سے جو چند دردمند دل پیدا ہو گئے ہیں ان کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نئی نسل ان کی مدد دینے کے لئے پیدا نہیں ہو رہی ہے تو ان کی دردمندی اور بڑھ جاتی ہے۔

ایسے رہبران طریقت کا جلوہ نہیں نظر آتا جو ابنا ملک کے صدیوں کے مستحکم عیوب بہتی۔ کاہلی۔ خمول کو دور کر یں اور ان کو زمانہ کی رفتار سے آگاہ کرنے کے ساتھ ہی نئی نسل کو (جو یا تو بالکل جاہل ہے یا اگر اس نے مغرب کی روشنی سے اقتباس بھی کیا ہے تو اپنی اچھی باتیں کھو کے اس کی برائیاں ہی سیکھی ہیں) اس سیدھی راہ پر لگائیں جس کی بدولت جاپان سرمایہ ناز یورپ کا حریف و سہیم بن گیا ہے۔ قحط الرجال کا خوفناک اثر ہم میں علےٰ حالہ جاری ہے جس کسی طبقہ سے کوئی نامور فرد اٹھ جاتا ہے تو اس کا جانشین نہیں ملتا اور نہ اس کی کوشش کی جاتی ہے۔ نئی نسل کو کوئی نمونہ بن کر دکھانے والا نہیں نظر آتا کہ پرانی فطرت اور نئی ضرورتوں کو کسی عمدہ سانچہ میں ڈھالکر ہماری معاشرت و تمدن کی بنیاد قائم کر سکے

مالی حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ سرمایہ ملک دن بدن گھٹا چلا جا رہا ہے۔ ذرائع کسب دولت۔ جو باعث رفاہ قوم و ملک ہوں مشترکہ سرمایہ سے کام لینا۔ ملک کے پیداوار و صنائع وغیرہ کو ترقی دینی۔ ان سب باتوں سے ہم اسی طرح کورے ہیں جیسے پہلے تھے۔ غرضکہ تعلیمی قوت جو تمدن کی تمام شاخوں کو زندہ کرنے والی اکسیر ہے ویسی ہی پژمردہ ہے جیسی پہلے تھی بلکہ اور زیادہ۔ ایسی حالت میں دردمند دلوں کو اس کے سوا گزیر نہیں کہ اس اکیلے دکنی علمی مخزن کی جو حوادث زمانہ کا مقابلہ کر کے بفضلہ چھٹے سال میں قدم رکھ چکا ہے حوصلہ افزائی کر کے کوشش کریں کہ اس کے افادہ کا حلقہ اثر وسیع ہو۔ کوشش ہونی چاہئے کہ ہر خریدار تمام حلقہ اثر میں۔ اس کے خریدار بہم پہونچائیں۔ ان دردمند دلوں کو اپنے درد کے اظہار سے محض اس فرضی وہم سے باز نہ رہنا چاہئے کہ سال

خالص انجمنی نہیں ہے۔[ف] بلاشبہ وہ ویسا ہی انجمن کا آرگن ہے۔ ہم کو آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہئے کہ ابناء وطن کی کیا حالت ہو رہی ہے؟ اور کیا ہم اس حالت کو دیکھ کر مطمئن ہو سکتے ہیں۔ کوشش کرنی چاہئے کہ صحیفہ اعلے درجہ کے علم اور تاریخ کی اشاعت کے ساتھ ہی ادب آموز اخلاق و معاشرت بھی ہو۔ اس کے دل خراش آرٹکلز ایسے ہوں جو مدہوش دماغوں میں حقیقت کا افسوں پھونک دیں۔ وہ بلا خوف لومۃ لائم ان متوالوں کو جگائے کہ تم کس خواب غفلت میں مبتلا ہو؟ اس کو دنیا کی جادو بیانی اور سرسید کی راست گفتاری کے طور پر ایک ایسا نشتر لگانا چاہئے جو ان تمام فاسد مادوں کو جو جسم کے اندر ہی اندر کام کر رہے ہیں اور بالآخر خدانخواستہ اس کی ہلاکت کا باعث ہونگے باہر نکالنے کا موقع دے۔ اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو وہ دن دور نہیں ہوگا جب کہ ہم معارف معارف پکارتے ہی رہینگے لیکن ہمیشہ کے لئے معارف پسندی کا مادہ مفقود اور قابلیت ہی سلب ہو جائیگی صحیفہ کی طرف سے صلاء عام ہونی چاہئے کہ تمام ہمدردان وطن اپنی توجہ اس سوال کی طرف مبذول کریں کہ حیدرآباد ترقی کر رہا ہے یا تنزل؟ اور اس کے ہر ہر پہلو پر نہایت صفائی کے ساتھ بحث کی جائے یہی طریقہ ایسا ہو سکتا ہے جس سے صحیفہ کا اصل مقصد پورا ہونے کی امید بندھ سکتی ہے۔ ورنہ اس کی موجودہ روش (میری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ) ہمارے درد کی دوا نہیں۔ اور نہ وہ ہمارے دل کی آگ بجھا سکتی ہے؟ سوختم سوختم این راز نہفتن تا کے

اڈیٹر۔ کوئی شک نہیں کہ اب تک صحیفہ کی جو رفتار رہی ہے وہ ہماری موجودہ درد کی دوا نہیں ہے۔ اور صحیفہ کے خیر مقدمی مضمون میں جن ارمانوں کی پوری ہونیکی آرزو ظاہر کی گئی تھی۔ وہ اس وقت تک پوری طرح پر پوری نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن انکا پورا ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ (اگر قوم کے زیادہ افراد نہ سہی تو کم از کم) وہ ارکان جو ملک کی

ف اگر رسالہ خالص انجمنی نہیں رہا ہے تو بھی خرابی کیا ہوئی جب اسکی اشاعت محض ابنائے ملک کی ترقی کے لئے مخصوص ہے تو یہ ضرور ابنائے ملک کی قدر و توجہ کا مستحق ہے۔
اڈیٹر

ترقی و بہروزی کے اسباب کا کچھ کچھ علم رکھتے ہیں۔ جن کے دماغ قدیم یا جدید روشنی سے منور ہو چکے ہیں جنکے دل قوم کی موجودہ پستی و تنزل کو دیکھکے دردمند ہوتے ہیں۔ وہ اس کارنیک میں ہمارے سہیم و شریک ہو کے عملیت پر اتر آئیں۔ پہلے روپیہ سے مدد دیں۔ پھر اپنے دائرہ احباب میں اسکی بوجہ دلخواہ اشاعت کریں۔ اور ممکن ہو تو اپنے خیالات سے بھی ہمیں اور دوسروں کو فائدہ اُٹھانیکا موقع دیں۔

ہمارا پنجسالہ تجربہ بتا رہا ہے کہ عوام ایک طرف خود وہ اشخاص جو قوم کی حالت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور اس کو اوج ترقی پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی اب تک عملیت کے عنصر سے خالی ہیں۔ اور زرطلبی کے میدان سے ایسے نکل بھاگتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ سال بھر کے عرصہ میں صحیفہ کو تین روپئے دینا اُنکو پہاڑ ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اپنی آمدنی کا بدترین مصرف خیال کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ اُنکی یہ تباہ کن کفایت شعاری علمی دلچسپی کو مرجھا دیگی اور علم کے پھولوں کو مار ڈالیگی۔ کاش اُنکا یہ ناموزوں بخل اُن کے ذاتی شوقوں کی قطع و برید کرسکتا۔ اور بیفائدہ رسم و رواجات کو ٹھکانے لگاتا۔

اکثر تعلیم یافتہ حضرات نے صحیفہ کی صورت دیکھکر ابتدا میں تو اپنی شیفتگی کا اظہار کیا۔ لیکن جب چندہ کی رسید روانہ کی گئی تو ابرو میں بل پڑ گئے۔ مہینوں آدمی کو دوڑاتے رہے اور بعد از اں ایک سال کا چندہ دیکے کہدیا کہ آیندہ کے لئے موقوف کر دیا جائے ایسی سقیم حالت میں صحیفہ کیونکر اصلی درد کی دوا ہو سکتا ہے ؟

اس سال اگر خدا نے چاہا تو ہمارا ارادہ ایسے مضامین بھی شائع کرنے کا ہے جو ملک کی موجودہ حالت کو بیان کریں اور معاشرتی خرابیوں کو ٹیج پر لائیں ۔

سال گزشتہ جن معاونین صحیفہ نے توسیع اشاعت پر بذل ہمت فرمایا اُن کے اسمائے گرامی مع تعداد خریداران نہایت تشکریہ کے ساتھ بدیں آرزو درج کئے جاتے ہیں کہ غالباً وہ اس سال پہلے سے زیادہ التفات مبذول فرماکے پہلے سے زیادہ تشکریہ کے مستحق ہوں گے :-

جناب محمد عبدالمجید خانصاحب صیغہ وار دیوانی و فینانس	۹
جناب منشی محمد عبدالسلام صاحب	۸
" " سید حسین صاحب صیغہ دار نظامت طبابت و منشی لاکلاس	۶
جناب شاہ محمد جنید احسینی صاحب کوہ سوار مدرس مدرسہ رشدیہ شاہ پور۔	۵
جناب مولوی سید بہاء الدین صاحب سٹاری منصف پڑتور	۵
جناب مولوی عبدالباسط صاحب مولوی فاضل	۴
جناب منشی محمد ابوالقاسم صاحب کوہ سوار صدر مدرس مدرسۂ گنگاوتی	۳
جناب مولوی عبدالوہاب صاحب عندلیب ناظر شیہ خانہ جات سنگاریڈی	۳
جناب محمد نجم الدین صاحب مہتمم تعمیرات ضلع پربھنی	۲
جناب محمد سعید صاحب ساکن کھڑکہ	۲
جناب مولوی سید نجم الدین صاحب المعی	۲
جناب مولوی سید غلام مصطفٰے صاحب ذہین	۲

ہم اپنے نوٹ کا خاتمہ منشی محمد عبدالسلام صاحب کی اُس جانفشانی کے اعتراف پر کرتے ہیں۔ جو انھوں نے سال کے بڑے حصہ میں صحیفہ کی اجرائی اور متفرق امور کے انصرام میں صرف کی۔ دعا ہے کہ خدا اُن کو قومی کاموں کی اس سے زیادہ توفیق دے اور امور معاش سے مطمئن کردے فقط

اڈیٹر

نظم غیر مقفیٰ

آج کل زبان اُردو میں نظم غیر مقفیٰ (بلینک ورس) کو رواج دینے کی زیادہ تر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ مگر اب تک اس کے جتنے نمونے پیش ہوئے ہیں اُن میں جہاں موزونیت کا خیال رکھا گیا ہے عبارت کے تسلسل اور الفاظ کی ترتیب کی

جانب بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ نظم غیر مقفیٰ ایسی ہونی چاہئیے کہ اگر وہ بطور نثر پڑھی جائے تو اس میں کسی قسم کا تکلف نہ پایا جائے۔ میں ایک چھوٹے سے ناول "رومی نازنین" کا ابتدائی حصہ پیش کرتا ہوں جو کلام منظوم بھی ہے اور نثر سلیس بھی۔

امید ہے کہ اگر اس قسم کی نظم۔ نظر استحسان سے دیکھی جائیگی تو اس کی خصوصیت قابل تقلید سمجھی جائیگی۔

محمد عبدالوہاب عندلیب حیدرآبادی

ایک سو اسی سن ہجری میں جب
موسم سرما بہت ہی زور پر
تھا۔ ہوا ہر سمت سردی کو لئے
پھر رہی تھی۔ اور اُن لوگوں کو بھی
گدگدا دیتی تھی۔ جو آٹھوں پہر
اپنے گھر کے گرم کمروں میں پڑے
رہتے ہیں۔ باہر نکلتے تک نہیں۔
باغ میں گلہائے رنگا رنگ کی
ہر طرف افراط تھی۔ اور چہچہے
بلبلوں کے۔ دل کو بیخود کرتے تھے
کوہ و صحرا کا نرالا سین تو
دیدنی تھا۔ چار سو وہ سبزہ زار،
جا بجا پانی کے چشمے، خوشنما
بیل بوٹے، گھاس کی باریک ہر
ایک پتی پر وہ شبنم کی چمک
جو نظر کو موتیوں کی جھالروں
ہی کا دھوکہ دے رہی تھی

ایک فوج
جس کی وضع پوشش و سامان جنگ
رعب صورت، شان و شوکت، بانکپن
ہی سے ظاہر ہو رہا تھا۔ غازیوں
کا گروہ پاک ہے۔ جو دین کے
واسطے جاں کو ہتھیلی پر لئے زہ
کا فردوں کی سرزنش کو جا رہا
ہے۔ ہر اک انیں کا اپنے ساتھیوں
پر تو جاں قربان کرتا ہے۔ مگر
کافروں کے واسطے ایسی بلا
ہے۔ کہ ہرگز ٹل نہیں سکتی۔
یہ فوج
اس سڑک پر ہے۔ جو ملک روم کو
جاتی ہے اور افسر فوج عرب
نوجوان عبدالملک صالح[۱] ہیں جو
رومیوں کے معرکوں میں چند بار

[۱] "صالح" خاندانی لقب ہے۔

فتح بھی پائے ہوئے ہیں ۔ آپ کو
رومیوں کی سرزنش کے واسطے
حاکم ملک عرب ہارون رشید
نے مقرر کرکے بھیجا تھا قریب
سرحد سیوا اس کے ۔ اس فوج نے
پہلی منزل اپنی کی ۔

بارہ بجے
رات کے اک بیطرح ۔ ہلچل مچی
بجلیاں تلوار کی چاروں طرف
کوندتی پھرتی نظر آنے لگیں
دشمنوں کے تیر برسے اور تفنگ
لشکر اسلام پر پڑنے لگے
اور اس کو ایک نئی تشویش میں
مبتلا کر ڈالا تھوڑی دیر میں
یہ خبر پھیلی کہ رومی فوج جو
موضع سیوا اس میں پہلے ہی سے
جا گزیں تھی ۔ وقت پاکر یک بیک
لشکر اسلام پر جو ۔ بے خبر
سو رہا تھا ۔ حملہ آور ہو گئی
اور اس کو چو طرف سے گھیرا ہے
شور و غوغا سنتے ہی عبد الملک
خیمہ سے باہر نکل آیا ۔ تمام
فوج اس کو دیکھتے ہی ایک جا
ہو گئی

ایک شخص یہ مخبروں کی وجہ ہے
جو ہمیں اتنی پریشانی ہوئی
نو مسلمانان رومی نے بہت
دھوکہ بازی کی ۔ کہ ہمکو بدمعاش
رومیوں کی چالبازی کی خبر
مطلقاً ہونے نہ دی ۔ ان سے کبھی
کار جاسوسی نہ لینا چاہئے
تھا

دوسرا شخص مگر اب ۔ دیکھنا چاہئے
ہے ۔ عرب کی فوج اپنا نام اور
اپنی عزت کس طریقہ سے بچا
لی ہے ۔

تیسرا شخص خاموش ! آپ نے یہ کیا کہا
نام لیوا دین برحق کے کہیں
ان لٹیروں کافروں سے ڈرتے ہیں

چوتھا شخص یہ تو سب سچ ہے مگر اب فوج پر
بدحواسی چھا گئی ہے اور حریف
کام اپنا کر رہے ہیں ۔

عبد الملک خوف کیوں
کر رہے ہو ۔ دم کے دم میں ہم ابھی
ان کو ملیا میٹ کر دیتے ہیں
(فوج کی طرف مخاطب ہو کے)

اے

دین پر جاں دینے والو۔ قوم اور
ملک پر مرمٹنے والو۔ اے جری
اور بہادر بھائیو۔ اب وقت ہے
تمکو اپنی۔ قوم کی اور ملک کی نز
لاج کچھ رکھنی اگر منظور ہے
آؤ اپنی یکدلی کی کوششوں
سے حریفوں کو شکست فاش دیں
نام جیسا رکھتے ہیں۔ ہم کام بھی
کر دکھائیں۔ اور جوانمردی کی داد
لیں۔ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں
جب قضا انسان کی آجاتی ہے۔
اک منٹ کے واسطے بھی ٹل نہیں
سکتی۔ گو وہ کیسے ہی حصن حصیں
میں اماں لے۔ پس قضا ہم سب کی گر
آگئی ہے تو کسی صورت سے ہم
بچ نہیں سکتے۔ وگرنہ ہم کو کچھ
ڈر نہیں ہے۔ پھر بھلا مردوں کی طرح
ہم شہیدوں کا سا درجہ کیوں نہ لیں
یا بہادر غازی بنکر۔ باقی عمر
یاد حق میں کیوں نہ کاٹیں"

اس قدر
خطبہ پڑھکر اس بہادر شخص نے
نعرہ اللہ اکبر سے تمام
لشکر اسلام میں اک جوش کی
روح پھونکی۔ اور رومی فوج پر
بے تحاشا حکم حملہ آوری
دیدیا۔ ہر سمت سے لبیک کا
شور اٹھا اور دونوں فوجوں میں
طبل جنگی بجگیا۔

تھوڑی ہی دیر
میں زمین سرحد سیلوارس پر
چو طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے
اور خوں کی ندیاں بہنے لگیں
رات کی ظلمت نے مخلوقات سے
نور بینائی سی نعمت چھین لی
ہے۔ ابھی جو چند تارے جھلملا
جھلملاکے اپنی پرتو سے جہاں
کو منور کر رہے تھے۔ ابر کے
اک بڑے دامن میں پوشیدہ ہوئے
ہیں۔ وہ بجلی سی چمک تلواروں میں
بھی نہیں باقی رہی۔ جو نبردلوں
کو تو سہما دیتی تھی۔ اور غازیوں
کے دلوں میں جوش پیدا کرتی تھی
ایسے نازک وقت میں جب امتیاز
اپنوں اور بیگانوں کا ممکن نہ تھا

افسر فوج عرب نے جلدی سے
اپنی ساری فوج کو یکجا کیا
اور پھر اک مختصر تقریر میں
قوم و ملک و دین کی ہمدردیوں
اور شہادت کی فضیلت کے سوا
کچھ ضروری اور اہم باتیں کہیں
اور چھوٹے چھوٹے دستے فوج کے
چو طرف پھیلا دیے تھوڑی ہی دیر
میں سحاب رحمت حق نے رخ
لیلیٰ شب سے سیاہی کے تمام
دھبے دھو ڈالے خدا کے نور سے
سارا عالم جگمگا اٹھا طیور
اپنی اپنی زمزمہ پردازی سے
فرض یاد حق ادا کرنے لگے۔

لشکر اسلام جو میدان کے
گوشہ گوشہ میں نہایت باخبر
اور بہت ہشیار و بیجس جاگزیں
تھا۔ حریفوں سے وہ میدان خالی پا
کر نہایت انکساری اور خشوع
سے خدا کی حمد میں شاغل ہوا
اور فرائض سے ادا ہونیکے بعد
اپنے اپنے خیموں کو راہی ہوا۔
لشکر اسلام کو اس جنگ میں
ہر طرح کے فائدے حاصل ہوئے
رومیوں پر لشکر اسلام کا
رعب طاری ہو گیا اسکے سوا
کچھ نہ کچھ مال غنیمت بھی ملا۔

عندلیب حیدرآبادی

رباعیات

چھپ چھپ کے تری ملنے سے ای غیرت ماہ
ہوتی ہے بس جنگ ہی آپس میں صلح
بڑھتی ہے مرے دل میں تری اور بھی چاہ
دل ملتے ہیں تھکتی ہے جو لڑ لڑ کے نگاہ

قابو میں طبیعت ہے نہ بس میں دل ہے
مانا کہ کٹھن عشق کی ہر منزل ہے
وہ لوٹ ہے بیساختہ یہ سہل ہے
بے عشق کٹے عمر بڑی مشکل ہے

وہ جمع عشاق میں گرنا تیرا
اور شوخ نظر خرمن دل پر میرے
شوخی سے ادھر ادھر وہ پھرنا تیرا
بجلی کی طرح چمک کے گرنا تیرا

سلسلۂ ناموران دکن

حضرت سید عبد القادر ولی ناگور

اگرچہ باشندگان حیدرآباد میں ان بزرگ کا نام اس قدر مشہور نہیں ہے جس قدر جنوبی ہندوستان میں۔ لیکن یہاں بھی ناگور کی زیارت کو جانیوالے کچھ کم نہ ملینگے۔ اور جنوبی ہند میں تو ناگور اسی طرح زیارت گاہ خلائق ہے جس طرح اجمیر شمالی ہند میں۔ ایسے نامور ولی کے حالات مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ میں لکھے جائیں جو آج کل تاریخی رنگ قرار پایا ہے۔

سواحل ہند کی تاریخ قلمبند کرتے ہوئے میں نے امرداد ۱۳۴۱ ف کے پرچہ میں اس قدر مختصر حاشیہ لکھا تھا "بلاشبہ ان کو بھی داعیان اسلام کی فہرست میں ممتاز مرتبہ حاصل ہے حضرت موصوف کا تذکرہ طبع ہو گیا ہے لیکن مجھے اس کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا" اس حاشیہ کے لکھنے کے بعد مجھے اس تذکرہ کے دیکھنے کا موقع ملا جس کا نام کرامات قادریہ ہے اور جس کو محمد نجیب نامی ایک خوش عقیدہ شاعر نے فارسی نظم میں لکھا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۶۰ھ میں مدراس میں طبع ہوئی ہے اگرچہ مولف نے اپنی کتاب کا ماخذ مطلق بیان نہیں کیا لیکن چونکہ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ اس نے عام مشہور روایتوں پر ہی اپنی نظم کی بنیاد رکھی ہوگی اس لئے اس کتاب کے واقعات غیر معتبر نہیں قرار پا سکتے میں نے سنا ہے کہ حضرت موصوف کے تذکرہ کی اور بھی بسیط کتابیں عربی میں ہی طبع ہوئی ہیں لیکن افسوس ہے کہ مجھے ان کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے بالفعل ہم "کرامات قادریہ" کو ہی اپنا ماخذ قرار دیکر ضروری اور دلچسپ واقعات اُردو میں قلمبند کرینگے۔

حضرت موصوف کی پیدایش کا خاک ہند کو ہی فخر حاصل ہے۔ آپ کا

وطن مانک پور تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے سید عبد القادر بن سید حسن قدوس بن سید موسیٰ بن علی۔ بن سید محمد بغدادی بن سید حسن بغدادی بن سید محمد ظہور بن سید احمد بن سید ابی نصر محی الدین بن سید شاہ عماد الدین۔ سید صالح نصر بن سید عبد الرزاق بن حضرت سید شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس اسرارہم۔ والدہ کا نام فاطمہ تھا اور ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے فاطمہ بنت سید حمید مانکپوری بن سید فخر الدین بن سید عبد الرزاق بن سید فیض اللہ۔ بن سید عبد اللہ بن سید نعمت اللہ بن سید جمال الدین بن سید محمد بغدادی اس کے بعد کا سلسلہ نسب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ غرضکہ دونوں طرف سے آپ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں آپ کے والدین خود ایک خدا پرست اور صوفی مشرب تھے۔ آپ کی والدہ نہایت پاک باطن اور بہت ہی بلند مرتبہ تھیں۔ اور اس خاندانی اور گھریلو خدا پرستی اور پاک باطنی کا اثر تھا جس نے حضرت عبد القادر ولی ناگور کو اپنی زندگی کی طرح اس میدان طریقت میں بسر کرنے کی راہ بتائی۔ بچپن کے حالات زیادہ معلوم نہیں ہوتے لیکن ظاہر ہے کہ ماں باپ کی مبارک ترتیب نے ابتدا سے ہی صحیح راستہ پر ڈال دیا ہوگا۔ ۱۷ برس کی عمر میں حق شناسی کے جوش نے وطن (مانک پور) سے قدم باہر نکالنے کی راہ بتائی۔ اور کشش شوق نے حضرت سید محمد غوث گوالیاری کی خدمت میں گوالیار پہونچایا۔ جن کے تصرفات باطنی نے ہندوستان کے صوفیۂ کرام کی تاریخ کا ایک نیا ورق الٹ دیا ہے اور جن کے متعلق تاریخ ایک غیر معمولی شان پر روشنی ڈالتی ہے۔ کمسن مرید نے وہ تمام ریاضتیں ادا کرنی شروع کیں جو اس امتحان کے کورس میں مقرر تھیں دس برس اس مدرسۂ طریقت کی تعلیم میں بسر ہوئی جس کے بعد گویا آپ فارغ التحصیل اور امتحان میں کامیاب ہوگئے۔ اور دوسرے الفاظ میں آپ کو اپنے مرشد کی خلافت عطا ہوئی اور حج کو جانے کا حکم ہوا۔ حج کو جانے سے پہلے گوالیار سے آپ اپنے وطن مانک پور میں اپنی والدہ کے پاس حاضر ہوئے

اور وداعی ملاقات کے بعد چار سو آدمی کے قافلہ کے ساتھ بارادہ حج روانہ ہوکر پہلے لاہور آئے۔ لاہور سے آگے بڑھنے پر آپ کی زندگی بحیثیت داعی اسلام نظر آتی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ راستہ میں ایک پہاڑی آبادی میں جس پر ہندو جوگی اپنے جوگ میں مصروف تھے۔ جوگ اور طریقت باطنی کا مقابلہ ہوا جس میں آخر اسلام کی طریقت باطنی نے فتح پائی اور جوگیوں نے اسلام میں داخل ہوکر نومسلمانوں کی تعداد میں افزائش کی۔ شاعر کے الفاظ یہ ہیں

زفرمان خسرو ز پیچیدہ سر کشودند از بت پرستی کمر

پس آنگاہ سلطان والا جناب رہانید شاں را ز بند عذاب

ہمہ رسم دیں شاہ آموخت شاں بنور یقیں جاں بر افروخت شاں

حج کے پہلے اس مرد میدان طریقت نے جو جو مرحلے طے کئے افسوس ہے کہ اس کا سچا سچا روزنامچہ معلوم نہیں ہوتا لیکن اس قدر ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ راستہ بھر اشاعت اسلام کی کوشش جاری رہی۔ مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ایک پہاڑ میں انھوں نے چلہ پورا کیا اور پھر وہاں سے دوسرے پہاڑ کی طرف گئے۔ ایک عرصہ تک دشت نوردی رہی اور اسلام کا اثر پھیلانے کی کوشش غرض رفتہ رفتہ ساحل ہند کے اس مقام پر پہونچے جہاں سے اس زمانہ میں جہاز عرب کو جایا کرتے تھے حج و زیارت سے مشرف ہونے کے بعد عراق و خراسان کی راہ لی۔ اور وہاں سے بیت المقدس ہوتے ہوئے پھر مکہ معظمہ میں آئے۔

حج ثانی کے بعد ہندوستان کا قصد کیا۔ اور مالدیپ میں آئے وہاں اشاعت اسلام میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ بعد ازاں سراندیپ کا رخ کیا۔ وہاں سے جنوبی ہند کی جانب روانہ ہوئے۔

ترچناپلی میں جو جنوبی ہند میں ہندوؤں کا بڑا نامور شہر تھا۔ نتھراولیا (طبل عالم لقب) کی قبر کی زیارت کی (یہ سید عبدالقادر دلی سے بیشتر کے

بہت بڑے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات بالکل تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا صحیح نام بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کیا ہے یہاں سے تنجاور پہونچے جو ہندؤں کا دار الحکومت تھا۔ تنجاور کا راجہ جو بیمار رہتا تھا حضرت موصوف کی دعا کی برکت سے اچھا ہوا اور ان کا معتقد ہو گیا (یہ واقعہ خلاف قیاس نہیں ہے ہندو راجہ عموماً مسلمانوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرتے اور ان کو قابل عزت سمجھتے تھے جیسا کہ ہم نے مختلف تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے) اس کے بعد حضرت موصوف نے کل اضلاع تنجاور کا دورہ کیا۔ ترونلور سے ترام پہونچے۔ اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ ترام سے ترکلاپیری میں مقام ہوا۔ اس قدر طویل سیاحت کے بعد اب وہ ناگور پہونچے جو ساحل سمندر پر آباد اور تجارتی حیثیت سے نہایت بارونق تھا۔

ساحلی شہروں پر اسلامی نوآبادیاں (جیسا کہ ہم نے صحیفہ میں لکھا ہے) قدیم سے قائم تھیں اس لئے یہ صحیح طور پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اپنی آیندہ زندگی کے لئے اسی اسلامی تجارتی مرکز کو انھوں نے باغراض اشاعت اسلام ہیڈکوارٹر بنانا موزوں خیال کیا۔ راجہ تنجاور نے بھی اس کی اجازت دیدی۔ اور اس طرح اپنے اسلامی فرائض دعوت کو ادا کرنا اپنا لازمۂ زندگی قرار دے دیا یا خاص زبان میں یوں کہو کہ وہ درجۂ قطبیت پر پہونچ گئے۔ ناگور کا اسلامی تجارت گاہ ہونا اس واقعہ سے بھی ثابت ہے کہ حضرت موصوف نے اپنے رفیق یوسف کی وہیں کر ایک تاجر عرب کی لڑکی سے شادی کی۔

بگفتند ایں خانہ تاجرست — خداوند اسباب وسیم و زرست
زبہر تجارت جہازش بسے ست — ہم از مال او سود مند ہر کسے ست
وطن گاہ او بود اول یمن — ولے ساخت اکنون در ینجا وطن

بود سید پاک مخدوم نام	دو دختر بدو ہست خورشید فام

ناگور سے ایک دفعہ **دھنا سری** گئے اور یہاں بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ خود حاکم شہر مسلمان ہوگیا اور باشندگان شہر نے بھی اسلام قبول کیا۔

شتابی سپہدار مومن شدہ	مطیع خدائے مہیمن شدہ

وزان باز سکان کشور تمام	مسلماں شدہ جملہ از خاص عام

ہمہ سرور ملک سرمد شدند	پذیرائے دین محمد شدند

بہر مسجدے وعظ می کرد شاہ	بداں گمرہان می نمائید رہ

غرض اس طرح اسلام کی بنیاد یں جنوبی ہند کی سرزمین میں مضبوط و مستحکم کرتے ہوئے ۱۰ جمادی الاخری ۹۰۹ ہجری کو ۸۹ سال کی عمر میں ناگور ہی میں انتقال کیا اور وہیں پیوند زمین ہوئے۔ جہاں اب تک ان کی قبر زیارت گاہ عام وخاص ہے۔

کرامات قادریہ کے ۲۰۳ صفحوں میں سے یہ تین چار صفحے ہم کو خالص تاریخی ہدست ہوسکے جو اگرچہ اب بھی ناقص ہیں اور پورے طور پر کافی نہیں کہے جاسکتے لیکن تاریخ پسندوں کے پاس یہ چند صفحے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔

حضرت سید عبدالقادر ولی ناگور کے تذکرہ میں جو امر قابل ذکر ہے وہ یہی ہے کہ دیگر اولیاء کرام کی طرح انھوں نے بھی اپنی زندگی محض خدمت اسلام کے لئے نذر کردی تھی۔ درحقیقت اس سے زیادہ کیا مذہبی خدمت بے ریاً وخلصاً تصور میں آسکتی ہے کہ ایک سترہ سالہ لڑکا اپنے وطن سے تلاش طریقت میں نکلتا ہے۔ دس سال ریاضت میں بسر کرتا ہے اور اس کے بعد اپنی تمام جوانی کی اُمنگیں اس مقدس جذبہ محبت مذہب پر قربان کردیتا ہے جس سے زیادہ بظاہر کوئی خشک و بے مزہ زندگی نہیں ہوسکتی اس کے دل میں حب دنیا کا خیال لحظہ بھر کے لئے بھی راہ نہیں پاتا اور آخر کار اس کی زندگی اسلام اور خدائے ذوالجلال کی محبت دونوں گویا مرادف

چیزیں بن جاتی ہیں۔ اس خالص جذبہ تاثیر سے وہ سیکڑوں اور ہزاروں دلوں میں اپنی سچائی اور پاک باطنی کا اثر ڈال کر خدا پرستی کی روح پھونکتا ہے۔ اور اس طرح جب وہ عجیب وغریب بوقلمون پر از جذبات انسان دنیا کو چھوڑتا ہے تو اپنے کاموں کا اثر اپنی زندگی سے زیادہ مستحکم چھوڑ جاتا ہے۔ اور اس طرح اس کی نسبت یہ کہنا درست ہوتا ہے **ھم جبال فی الارض فی الحیوۃ وبعد الممات** مگر یہ بھی قدرت کا عجیب قاعدہ ہے کہ جوں جوں دن زیادہ گزرتے جاتے ہیں لوگ ان کے اس اصلی کارنامہ اور باعث عزت طرز زندگی کو بھولکر ان کو محض ایک برتر از عادت ہستی سمجھنے لگتے اور اسی پر اپنی کوششوں کا دارومدار رکھتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ در اصل کس چیز نے ان کی زندگی کو برتر از عادت ہستی بنا دیا ؟ وہ نہیں سمجھتے کہ جس محنت، نفس کشی۔ ایثار علی النفس کے سخت ترین مصائب انھوں نے محض سچائی۔ حق شناسی۔ خدا پرستی کی خاطر برداشت کیں ان کی قدردانی ان کی مابعد نسلیں اگر کر سکتی ہیں تو محض اسی طریقہ سے کہ ان کے نمونہ پر اپنی زندگی بھی اس سچائی۔ حق شناسی۔ خدا پرستی سے بسر کرنے کی کوشش کریں۔

ان کی روحیں کبھی اس امر سے خوش نہیں ہوسکتیں کہ انکی قبر کو مسجد بنا لیا جائے ہر قوم کی سیکڑوں زیارت گاہوں کے ہزاروں زایرین میں سے اگر چند افراد بھی اس حقیقت کو سمجھنے لگیں تو دنیا کی یہ رفتار رہی نہ رہے

حضرت شیخ خواجہ علاء الدین چشتی



حضرت خواجہ علاء الدین بن خواجہ شمس الدین بن خواجہ تحفہ شاہ الحسینی الچشتی البلخی مرید سید بہاء الدین شمس العشاق یہ بھی جنوبی ہند کے ایک مشہور ولی

گزرے ہیں مکلم کوٹا میں مدفون ہیں۔ ان کا سنہ وفات ۹۶۳ھ ہجری ہے۔ ان کے حالات بھی ایک عربی قلمی رسالہ میں لکھے ہوئے میری نظر سے گزری ہیں جو امر ان کے حالات میں قابل تذکرہ ہے اور جس کے لئے میں نے یہ مختصر نوٹ لکھا ہے یہ ہے کہ راجہ تنجاور ان کا بھی معتقد تھا اس نے ان کا گنبد اور گنبد کے پاس مسجد تعمیر کرائی۔ اور ان کے مرید سید اسمعیل کو قریہ مکلم کوٹا بطور جاگیر عطا کیا اس سے شہادت ملتی ہے کہ راجہ تنجاور حضرت عبدالقادر ولی ناگور کے ساتھ ضرور اعتقاد رکھتا تھا۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ عموماً داعیان اسلام کی روش کیسی پسندیدہ اور با امن طریقہ اور سلامت روی کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ اور اسی کا اثر ہے کہ اب بھی مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کی کافی تعداد بھی جنوبی ہند کے مسلمان ولیوں کے زایرین و معتقدین کے زمرہ میں شامل نظر آتی ہے۔

محمد مرتضیٰ

رباعی و غزل

سرتاج حسینان دو عالم ہے تو — زخم دل مضطرب کا مرہم ہے تو
ہم مر گئے دیکھکر نگاہیں تیری — زندہ کرلے مسیح مریم ہے تو

ہوئی ہے وضعداری ختم اپنی شام فرقت پر — علی الرغم زمانہ ہے طبیعت ایک حالت پر
شب فرقت کی بزم آرائیاں کس بات میں کم ہیں — اگر ملنا ترا موقوف ہے روز قیامت پر
ترا تعظیم کو اُٹھنا ترا تسلیم کو جھکنا — ز ہے لاف دلجوئی قیامت ہے قیامت پر
ہوئی ہے تنگدستی وجہ توبہ ورنہ اے ساقی — کف افسوس ملنا دل میں ہے تجدید بیعت پر
عدم ہوکر بھی آثار وجود اچھوں کے اچھے ہیں — ہنسی آجاتی ہے اب بھی گزشتہ عیش و عشرت پر
خلاف وضعداری چھیڑ کر بات اس بت سے کی — مری ذلت نے جھاڑ دی پھیر دی گرد کدورت پر
رہین منت ساقی رہونگا عمر بھر کیفی — اگر ملجائے کوئی جام دستار فضیلت پر

حسن	لے کے رخصت حسن کوئی دم کی تو	سیر کو یہاں کی ہم بھی آئے تھے
غالب	تیری فرصت کے مقابل ای عمر	برق کو پابہ حنا باندھتے ہیں
〃	رفتار عمر قطع رہ اضطراب ہے	اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے
ذوق	عمر رواں کا توسن چالاک اس لئے	تجکو دیا کہ جلد کر یہاں سے ایڑ تو
〃	گزرتی عمر ہے یوں دور آسمانی میں	کہ جیسے جائے کوئی کشتی دخانی میں
ظفر	نفس کی ہے یہ جو آمد و شد تو غور کر اسکی غافل	یہ دیکھ طے ہو رہی ہے کیونکر رہ وجود و عدم چھپا کے
〃	یہ جو دم کی آمد و شد ہے اسی میں ای ظفر	دم بدم اک سیر ہستی و عدم کرتے ہیں ہم
〃	عمر جاتی ہے گزرا اور نہیں ہوتی معلوم	اس مسافر کا کچھ انداز سفر اور ہی ہے
〃	ہر دم نفس رواں ہے سوئے ہستی و عدم	یہی سفر ہے اور سفر کس کا نام ہے
〃	عمر رواں کی کشتی اکدم نہیں ٹھہرتی	ہیں یہاں مقیم جتنے یہ ہیں سفر میں بیٹھے
〃	نہیں اے ہمدمو چلتا یہ دم آہستہ آہستہ	رواں ہے کارواں سوئے عدم آہستہ آہستہ
شہید	کیا گرم و تند رو ہے تو اے ناقۂ حیات	رفتار ہے تیری شتر بے مہار تیز تر
〃	دم ہے کہ ہوا کا ایک جھونکا	ہے توسن عمر میرا چالاک
〃	نہ سمجھے عمر کا ہم کچھ مبادی و مقصود	کہ یہ چلی ہے کہاں اور کہاں سے آئی ہے

ریاکاری

میر	کیا کیا دعائیں مانگے ہے خلوت میں شیخ لیک	ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا
〃	شیخ کا اب کمال ہے کچھ اور	حال کچھ اور قال ہے کچھ اور
سوز	بہلا ہے شیخ کو کچھ کچھ تو بھلا ہے مباح	سماع خانۂ ہمسایہ حسن رہ گزری
مومن	دل میں ہوئے اب بتکدہ ظاہر میں کیا حصول	رہنا حرم میں مومن مکار کی طرح
ذوق	جا ان لباسیوں کے نہ ظاہر لباس پر	عاری عبای ہوش و قبای خرد سے ہیں
شہید	شیخ صاحب کی ریا کا نہیں اک میں شاکی	سینہ سوراخ ہے تسبیح کے ہر دانے کا

روشن ضمیر

ذوق	کب لباس دنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر	خانۂ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

راز و نیاز

میر	صبح تک شمع سر کو دھنتی تھی	کیا پتنگے نے التماس کیا

باب الزاء

زوال نعمت

سودا	ایھر ہے کیا حباب نمط ای حریر پوش	یہاں جس کو دیکھئے سو ہی آخر کفن بدوش
"	عجب نادان ہیں جنکو ہی عجب تاج سلطانی	فلک بال ہما کو پل میں بخشے ہی مگس رانی
ذوق	جتنے ہیں یہاں فزی روش نشۂ شراب	ہو جاتے بے مزہ ہیں جو بڑھ جاتے سے ہیں
شہید	نقصان کے سبب ہی ترقی ہلال کو	جوں بدر ہے زوال ہر اہل کمال کو

زبان خلق

	بجا کہے جسے عالم اُسے بجا سمجھو	زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

زندۂ جاوید

نصیر	لباس کہنۂ ہستی اوتار کر عاشق	کفن نہ سمجھو یہ پوشاک اب بدلتے ہیں

باب السین

سخن چینی و بدگوئی

سودا	پہلے تو اس نے ایک مجھی کہہ کے بس کیا	نقطہ لگا کے پھر اُسے یاروں نے دس کیا
درد	ای درد بتا کس سے کہوں راز محبت	عالم میں سخن چینی ہے یا طعنہ زنی ہے
جرات	کسی کا نہ اک حرف خاطر میں گزرا	اُسے گرچہ لوگوں نے کیا کیا پڑھایا
مصحفی	اِس سے گلہ کیا کبھی اُس سے گلہ کیا	اوقات یوں ہی شکوہ گزاری میں کٹ گئی
حسن	کہیے بیٹھے نہ منہ سے کسی کو برا بھلا	دل ہی میں رکھیے اور نظر ہی میں تاڑئیے

غالب	غالب برا نہ مان جو کوئی برا کہے	ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے
ذوق	کیا زباں چلتی ہے اُس بزم میں بدگو تو نکلی	منہ میں اسکے یہ زباں ہے کہ الٰہی مقراض
ظفر	ہے تو گویائی کے خاطر منہ میں انسانکے زباں	پھر زباں کس کام کی ہے وہ جو بدگوئی کرے
شہید	تیرا منہ اے شہید اور اُس کا گلہ	اُف رے اور بد زبان الحفیظ الحفیظ

سرکشی

نصیر	لگے گی دم میں سر چنگ زمانہ سر اُٹھانے پر	نہ اتنا منعمو فوارہ ساں اوچھلو خزانے پر
״	جہاں میں سرکشی فوارہ ساں کرتا ہے جو کوئی	دلا آخر وہی پھر سر کے بل گرتا زمیں پر ہے
ذوق	نفس بیقدر کو قدرت ہو گر تھوڑی سی بھی	دیکھ پھر سامان اس فرعون بے سامان کا
״	موت نے کر دیا ناچار وگرنہ انساں	وہ ہے ہیں کہ خدائی کا نہ قائل ہوتا
״	دکھا نہ جوش و خروش اپنا زور پر چڑھکر	گئے جہان میں دریا بہت اُتر چڑھکر
״	اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے	کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے
ظفر	گر پڑے فوارہ سرکش نہ کیونکر سر کے بل	ہے بلندی کے سر پر وساتھ پستی لگ گئی
״	سرکشی کر کے گرا فوارہ آخر سر کے بل	جو کہ ہیں سر کھینچے وہ ہیں خجالت کھینچتے
״	زیر دستوں سے پیش آ تو زبردستی سے دیکھ	ہو گئے کتنے زبر یہاں زیر آنکھوں کے تلے
״	نہیں ہے فرصت اک دم یہ سرکشی زیبا	کہو حباب کو سر مت نکال پانی میں
شہید	سنگ سر ہے باد نخوت اے احباب آبجو	نامناسب ہے اُٹھانا یہاں سر نخوت ہمیں

سخت کلامی

میر	گلہ نہیں ہے ہمیں اپنی جاں گدازی کا	جگر پہ زخم ہے اُس کی زباں درازی کا
״	اُس کی زباں کے عہد سے کیونکر نکل سکوں	کہتا ہوں ایک میں تو سناتا ہے مجھکو دس
سوز	شمشیر سے زیادہ ہے کہنا کسی کو سخت	مرہم پذیر زخم نہیں ہے زبان کا
جرأت	مرہم پذیر کونسا ہے گھاؤ جو نہیں	پر ایک زخم تیغ زباں کا نہیں علاج
شہید	سو باتیں نہ کہنے کی وہ کہتا ہے پھر اے شہید	کہتا ہوں تو کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

جراحات السنان لها التیام | ولا یلتام ما جرح اللسان

سنگدلی

میر	مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا	موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا
سوز	گو آہ شرر بار ہو یا نالہ جانکاہ	ان سنگدلوں کو نہیں تاثیر کسی کی
درد	جو جفا جو ہیں انھیں سنگدلی ہے لازم	کام تلوار کو رہتا ہے سدا سان کے ساتھ
شہید	جذب عشق اسکے دل سخت میں گھر کیا کرتا	نالہ میرا کہو پتھر میں اثر کیا کرتا
〃	سینہ میں ترے کاش ہو پتھر بجائے دل	قالب میں کاش ہو مری شعلہ بجائے روح
〃	تبو تمہاری یہ اللہ ری قساوت قلب	جگر ہے سنگ تمہارا رگ جگر رگ سنگ
〃	تری وہ تمکنت آئینہ نزاکت سے	تو ایک سنگ ہے اے بت تری کمر رگ سنگ

باب الشین

شعر و سخن

میر	شعر کی فکر بن آتی ہے اسی سے جس کو	میر کی طرح نہ ہو فکر کبھی روزی کا
مصحفی	اے مصحفی سخن کا ہر اک کو غرور ہے	طرز سخن سے پر کوئی آگاہ ہی نہیں
〃	نہیں دل بستگی ہرگز کسی سے	مگر ہے مصحفی اک شعر کا عشق
〃	نزع کے وقت بھی ہم شعر کہتے لیکن	کام کرتی نہیں کچھ اب تو زباں کیا کیجئے
مصحفی	مصحفی فکر سخن ایسی کچھ آسان نہیں	جو غزل ہے سو وہ دقت سے کہی جاتی ہے
شہید	ہے خاص کو تو قدر شہید اپنے سخن کی	گو عام نہ سمجھے ہوں نہ میں عام سے واقف
〃	گرد کنارہ شہید اب تلاش معنی سے	ہیں سارے اہل جہاں بول چال سے واقف

شکایت فلک

میر	جن بلاؤں کو میر سنتے تھے	ان کو اس روزگار میں دیکھا
درد	اور تو چھوٹ گئے مر کے بھی اے کنج قفس	ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز
سودا	گردوں سے کار بستہ کھلے کیونکہ ہے محال	قطعہ ہرگز نہیں ہے عقدہ کشا ناخن ہلال
〃	پارے کو دے ہے رتبہ اکسیر بعد مرگ	دولت کبھی کسی کو نہ دی اس نے بے زوال

اصلاح اُردو



پیوستہ مہینہ میں ہم نے اعلان کیا تھا کہ اُردو اور اُس کے رسم الخط کی اصلاح کے واسطے یہ تجویز مفید معلوم ہوتی ہے۔ کہ اردو کے جو رسالے زبان کی اصلاح کے لئے شائع کئے جاتے ہیں اور زبان کے پہلوؤں پر بحث کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک خاص کالم میں اُن غلطیوں کا اظہار کیا کریں جو انھیں ناظرین و دیگر اشخاص کے خطوط وغیرہ میں نظر آیا کرتی ہیں۔ اس تجویز پر کہیں اور عمل ہو یا نہ ہو۔ لیکن ہم تو اس کو عمل میں لاتے ہیں اور آج سے اصلاح اُردو کا باب کھول دیتے ہیں۔

ہماری دیرینہ آرزو تھی کہ ہم اُس نظری ذوقِ زبان کے افادات کو جو عرصہ تک اُردو کا گہرا مطالعہ کرنے نیز عربی فارسی کی گرامر اور فصاحت و بلاغت پر قابو پانے کے بعد زبان کے معاملہ میں بہت بڑی حد تک قابل اعتنا ہو گیا ہے۔ پبلک پر ظاہر کریں۔ اور طالبان زبان کے لئے ایک نئی سہولت بہم پہونچائیں۔ لیکن رسالے کے کاروبار ہمیں اتنی مہلت نہیں دیتے تھے کہ ہم اس کے لئے علیٰحدہ وقت نکالیں اور ایک جداگانہ تصنیف میں مصروف ہوں۔ اس باب میں ہم اُسی آرزو کو پورا کرینگے۔ اور چونکہ رسالہ تیار کرتے وقت اس باب کو بھی مکمل کرنا لازمی ہوگا اس لئے کوئی علیحدہ وقت اور خاص فرصت بھی درکار نہ ہوگی۔

مقصد کو شروع کرنے سے پہلے ناظرین کو یہ جان لینا چاہئے۔ کہ ہماری اصلاحیں کسی خاص فرقہ کی پابندیوں سے بالکل آزاد رہینگی۔ اُن کا دار و مدار عام مسلمہ قواعد، مانے ہوئے اصول اور صحیح ذوقِ زبان پر منحصر ہوگا۔ دلی یا لکھنؤ والوں کے نقش قدم سے بال برابر نہ ہٹنا ہمارے خیال میں نہ صرف فضول ہے بلکہ زبان کی وسعت کو گھٹاتا ہے۔

ہماری کوشش ہوگی کہ جو بولی ہمارے ملک میں رائج ہے اُس کو حتی الامکان

کسی ایک غیر معین فصیح خطہ کی بولی سے مطابق کیا جائے۔ اور جو اختلافات ایسے ہیں کہ وہ کسی جگہ کی فصیح بولی سے بالکل ہی میل نہیں کھاتے انھیں دور کر دیا جائے تاکہ ہندوستان کے مختلف خطوں میں ایک دوسرے کی بولی کے متمائز ہونے سے اُردو کی علمی ترقی کو جو نقصان پہونچ رہا ہے وہ رفع ہوتا جائے۔ اور اردو ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک تقریباً ایک رنگ میں اپنا جلوہ دکھائے۔

اگرچہ بعض ناظرین کو جو زبان کی بحثوں میں حسن عقیدت کے لحاظ سے دلی یا لکھنؤ والوں کے سوا کسی اور کو وقعت سے نہیں دیکھتے۔ ضرور خیال ہوگا کہ ہم جو کچھ لکھیں گے وہ اس وجہ سے غیر معتبر سمجھا جائیگا۔ کہ ایک غیر اہل زبان کا لکھا ہوا ہے۔ اُن کی آگاہی کے لئے ہم صرف اس قدر کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ اب خود اہل دہلی و لکھنؤ بھی یہ کہنے لگے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کی مادری زبان اردو ہے اہل زبان ہے۔ اب وہ دعوائے انانیت سے باز آنے اور یہ ماننے لگے ہیں کہ زبان کی نسبت اہل زبان سے زباندان کا قول زیادہ مستند ہے۔ خیالات کی ترقی نے اُن کو کوس لمن الملکی بجانے سے روک دیا ہے اور صاف صاف کہوا دیا ہے کہ زبان کسی کے گھر کی لونڈی نہیں ہے۔ جو محنت اُٹھائے وہ اُسے جیت لیجائے۔ ایسی حالت میں زبان کو دلی یا لکھنؤ کی فصیل میں مقید رکھنا۔ اور باہر والوں کو غیر اہل زبان کہکے حقیر سمجھنا ناسمجھی کے سوا اور کچھ نہیں۔

ہم اپنے اس قدیم خیال کی صحت پر لکھنؤ کے مشہور ناول نویس جناب مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر اڈیٹر دلگداز کی زبان سے شہادت دلواتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ:۔

"یہ سچ ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کے بعض شعرا اور مدعیان زبان دانی نے دوسرے شہروں کے شعرا اور انشاپردازوں کے ساتھ اکثر بے رحمی کا سلوک کیا ہے۔ اور ان لوگوں کے اس قسم کے دعوے ہم بارہا سن چکے ہیں کہ ہمارے سوا کسی کو زبان آتی ہی نہیں۔ اور غیر شہر والوں کے کلام کو محض اس بنا پر الگ ڈال دیتے دیکھا

ہے کہ یہ اہل زباں کا کلام نہیں۔ اب اردو ترقی کر رہی ہے اور دہلی و لکھنؤ سے زیادہ شاعر اور ادیب دیگر بلاد ممالک ہند میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو بڑی محنتوں اور کوششوں سے تیار ہوتے ہیں۔ ایسے قابل لوگوں کی محض بے پروائی سے یہ کہہ کے تحقیر اور سُبکی کر دینا کہ وہ اہل زباں نہیں ہیں انتہا درجہ کی بے انصافی ہے۔

دنیا کی ہر ترقی یافتہ زباں میں جب وہ دور دور تک پھیلتی ہے تو اُس میں مختلف لغات (ڈایالکٹ) پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر کسی زبان کے شعرا اور ادیبوں نے اُن مختلف لغات کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جیسا کہ اردو کے شعرائے اہل زباں کر رہے ہیں قرآن پاک کی تدوین کے وقت اگرچہ لغت قریش کو ترجیح دی گئی مگر یہ کبھی کسی کی زباں سے نہیں نکلا کہ یمنی۔ عراقی۔ شامی۔ مصری۔ یا تونسی و مراکشی شاعروں کی زباں قابل لحاظ نہیں ہے۔

انگریزی میں بھی اگرچہ بہت سی لغات اور "ڈایالکٹ" پیدا ہو گئے ہیں۔ اور جزائر برطانیہ والوں کو اُس کے اہل زباں ہونے پر بہت کچھ فخر و ناز بھی ہے مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ لندن کے سخت تنقید کرنے والے اخبارات۔ یا وہاں کے جادو بیاں مضمون نگاروں۔ اعلیٰ ادیبوں۔ اور نازک خیال شاعروں نے امریکہ اور دیگر مقامات کے مصنفوں اور شاعروں کی محض اس بنیاد پر تحقیر کی ہو کہ وہ اہل زباں نہیں ہیں۔

اس نزاع کے دور کرنے کے پہلے اس بات کا تصفیہ کرنا چاہیے کہ "اہل زباں" کون لوگ ہیں اور "زباں داں" کا لفظ کن لوگوں کی نسبت استعمال کیا جانا چاہیے۔ لوگوں کی جو مادری زباں ہو اُس کے وہ اہل زباں ہیں۔ مقامات اور ڈایالکٹ کے بدل جانے سے اُن کے اہل زباں ہونے میں فرق نہیں آ سکتا۔

ہندوستان کے جن حصوں یا لوگوں میں عورتوں کی زباں اُردو ہو عام اس سے کہ وہ چاہے کیسی ہی بگڑی ہوئی ہو اُردو کے اہل زباں ہیں۔ لہٰذا اردو کے اہل زباں لکھنؤ کے حدودِ میونسپلٹی اور دہلی کی چار دیواری میں بند نہیں بلکہ تمام اقطاع ہند میں پھیلے ہیں اور ہمیں ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ انھیں اُن کے اس حق سے محروم کریں۔

اہل زباں کا لفظ بالکل اس سے متغایر ہے۔ کیونکہ بعض حیثیتوں سے وہ خاص ہے

اور بعض حیثیتوں سے عام۔ "زباں داں" ہر اُس شخص کو کہیں گے جس نے کسی زبان کے لٹریچر اور شعر و سخن کی طرف توجہ کر کے اُس میں بصیرت حاصل کی ہو۔ اور اُس زبان میں علمی حیثیت سے ترقی کی ہو عام اس سے کہ وہ اہل زبان ہو یا نہ ہو۔ لہذا بہت سے اہل زبان خاص دہلی اور لکھنؤ کے رہنے والے جہلا گو کہ بہت فصیح زبان بولتے ہوں "زباں داں" نہیں اور بہت سے وہ لوگ جنکی مادری زبان اُردو نہیں ہو مگر اُنھوں نے اردو زبان میں ترقی کی ہو وہ صحیح معنوں میں "زباں داں" کہے جانے کے مستحق ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اہل زبان اور "زبان داں" کے اس مفہوم کے طے ہو جانے کے بعد ہماری نوعمر جھگڑنے والوں کا جھگڑا بہت کچھ طے ہو جائیگا۔

لیکن اس کے مقابل ایک اور بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہو۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ زبان محض ایک نقلی فن ہے۔ اُس کا استناد صرف سماع پر ہوتا ہو عقلی احتجاج سے اُسے مطلقاً علاقہ نہیں۔ اور فلسفہ و منطق کے چون وچرا کو عالم لسان میں مطلقاً دخل نہیں۔ کسی لفظ یا محاورہ کی صحت کے لئے سوا اس کے کہ اہل زبان یوں ہی بولتے ہیں۔ اور ان معنوں میں استعمال کرتے ہیں کوئی عقلی اور منطقی دلیل ہرگز نہیں قایم کی جاسکتی۔

لہذا ہر نقلی فن کے لئے لازمی ہو کہ کوئی خاص چیز محل استناد قرار دے لی جائے جیسے علوم نقلیہ دینیہ میں قرآن و حدیث ہیں۔ ورنہ قلمرو سخن میں طوائف الملوکی پیدا ہو جانے سے زبان کے غارت ہونے کا اندیشہ ہے۔ الفاظ و محاورات کی صحت کے لئے کسی معیار کی تقرری کی لازمی ضرورت ہے اور وہ حیثیت ہماری خیال میں دہلی و لکھنؤ کی زبان نے حاصل کرلی ہے جس سے انکار کرنا لٹریری بغاوت ہے۔

بہر تقدیر ہمارے نزدیک یہ فیصل شدہ امر ہے کہ اگر دہلی و لکھنؤ والے کسی اُردو بولنے والے گروہ کو اہل زبان ہونے کے حق سے محروم کریں تو ظلم ہے اور اگر کوئی گروہ ان شہروں کے معیار صحت ہونے سے انکار کرے تو باغی اور زبان کی قلمرو میں امن وامان کا دشمن ہے۔ (دلگداز بابت اکتوبر ۱۹۱۲ء) باقی آئندہ

جاننے والے خاص بیدر مین دو گھر باقی رہے تھے اور وہ بھی اپنا پیشہ کسی کو سکھاتے نہ تھے اور ان حالات کی وجہ سے خوف تھا کہ کہین یہ صنعت بالکل معدوم نہ ہو جائے نواب نعمت یار جنگ بہادر نے خاص کوششون سے قیام مدرسہ کی منظوری کار سے حاصل کی اور بڑی مشکل سے ایک کاریگر کو مدرسہ مین ملازم ہوکر کام سکھانے پر راضی کیا - دو چار دوسرے مدرس و کاریگر بھی ڈرائینگ وغیرہ کی تعلیم اور بدری برتنون کے موجودہ طریقہ ساخت مین زمانہ حال کے مذاق کے مطابق تبدیلیان کرنے کے لئے ملازم رکھے گئے - اس مدرسہ کی ابھی کوئی رپورٹ شایع نہین ہوئی تھی مگر مقامی اخبار کے معاینہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد طلبہ اس مین شریک ہوکر تعلیم حاصل کر رہے ہین - اس مدرسہ کی بدولت بدری برتنون کی صنعت آیندہ فروغ پانے نہ پانے کے متعلق بعض مبصرین تعلیمات مین اختلاف ہے کہا جاتا ہے کہ ریلوے لائن سے فاصلہ کی وجہ بیدر والون کے لئے یہہ دشوار ہے کہ وہ تجارتی منڈیون مین اپنا مال ارزان نرخ پر فروخت کر سکین - مگر یہہ کوئی ایسی مشکل نہین ہے کہ آسان نہ ہو سکے - ریلوے لائن کے قیام کی تجویز خود زیر غور ہے علاوہ برین یہ کوئی ضروری نہین ہے کہ بیدر ہی مین سامان تیار کیا جائے مدرسہ سے شاگرد تعلیم پا کر حیدرآباد وغیرہ مین آکر اپنا پیشہ چلا سکتے ہین -

مدرسہ نارائن پیٹ کے قائم کرنے کا یہ منشا تھا کہ جولاہون کے لڑکون کو جو وہان کثرت سے موجود ہین کتابی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ پارچہ بافی کی تعلیم دیجاے اور انکو جدید ایجاد شدہ کرگھون سے کام لینا سکھایا جائے اور رنگ کے نئے ایجادون سے آگاہ کیا جائے - مگر ابھی تک وہان جدید قسم کے کرگھے خریدے نہین گئے ہین نہ کوئی قابل استاد مل سکا ہے -

مدارس حرفت قائم کرنے سے سرکار عالی کا یہ منشا تھا کہ اہل حرفہ کی اولاد وہان تعلیم کے ساتھ فنون کی تعلیم بھی حاصل کرے اور ایسی تعلیم دی جائے کہ اپنے پیشون مین زمانہ حال کی ترقیات اور سائنس سے مدد لینے کی کوشش کر سکے - یہ مقصد بھی پورا

نہو سکا ہے کیونکہ ان مدرسون کی تعلیم باستثنا و چند خاص امور ایسی نہین ہے کہ وہ اہل حرفہ کے کارگاہون سے زیادہ کام سکھا سکے - اور یہ مقصد پورا ہی نہین ہو سکتا تاوقتیکہ قابل تربیت استاد معقول ماہوارون پر ملازم نہ رکھے جائین اور مدرسونکا انتظام و اہتمام ایسے شخص کے ذمہ نہ ہو جس نے ساینس مین کامل دستگاہ نہ حاصل کی ہو اور جسکو مصنوعات ہند کا وسیع تجربہ نہ ہو - خود برٹش انڈیا مین ایسے چھوٹے مدرسے ناکامیاب رہے ہین اور یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ٹکنکل تعلیم کے مدرسون مین آرٹ کی تعلیم کے مدرسون سے زیادہ روپیہ صرف کرنا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے -

مذکورہ بالا چار مدارس حرفت کے ماسوا ایک اور نیم سرکاری مدرسہ وکٹوریا مموریل آرفنیج کے ساتھہ یتیم لڑکون کی تعلیم و تربیت کے لئے سرورنگر مین گران تر مصارف اور شاندار طمطراق کے ساتھہ کھولا گیا ہے -

ابتدا مین نواب وقار الملک بہادر نے بزمانہ صوبہ داری ورنگل لاوارث اطفال کی تعلیم و تربیت نیز پرورش کے لئے بمصارف سرکاری ورنگل مین یتیم خانہ قایم کیا - جب ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کی یادگار قایم کرنے کے لئے بزیر صدارت سرڈیوڈ بار رزیڈنٹ وقت معتد بہ چندہ جمع کیا گیا تو بہ تحریک نواب اکبر الملک یہ قرار پایا کہ ایک یتیم خانہ کی شکل مین قایم کی جائے جہان ہر مذہب و ملت کے طفل لاوارث کی پرورش و تعلیم بلا تبدیل مذہب کی جاے - سرکاری یتیم خانہ ورنگل اسی مین منتقل کردیا جائے - سرکاری محل سرورنگر قیام یتیم خانہ کے لئے انتخاب کیا گیا ۱۴ فبروری ۱۹۰۵ء کو اسکا افتتاح ہوا اور اوسوقت سرڈیوڈ بار نے جو تقریر اغراض یتیم خانہ وغیرہ کے متعلق کی تھی اوس مین اونہون نے یہ بھی کہا تھا کہ ہماری اصلی غرض یہ ہے کہ جس روز سے یتامیٰ داخل یتیم خانہ ہون اُنکی رخصت کے دن تک عمدہ طور پر کسی ہنر یا فن کی تعلیم دین تاکہ وہ سن شعور کو پہونچکر اکتساب معاش کے قابل ہو جائین - اس غرض کے حصول کے لئے مشاق معلم مفید اور کارآمد فنون سکھانے

کے لئے مقرر کئے جائینگے ۔۔۔ اور جب کام سیکھکر مشاق ہوجائینگے تو قصبات میں بطور کار آموزوں کے متعین کئے جائینگے ۔ پٹیلوں یا دوسرے با اختیار لوگوں سے اس امر کی طمانیت لی جائیگی کہ جو یتامی اونکے قصبوں میں بھیجے گئے ہیں اونکی حفاظت کریں اور ان لوگوں پر فرض ہوگا کہ ہر یتیم کی خوشحالی کی ششماہی رپورٹ کمیٹی میں بھیجتے رہیں تاوقتیکہ وہ بہ خوبی اپنے کاروبار کے لائق ہوجائیں اور کسب معیشت کرسکیں ۔ ان ذرایع کا صرف نتیجہ یہی نہ ہوگا کہ یتامی خوشحال رہینگے بلکہ فنون کی تعلیم اور ممالک محروسہ کے قصبات میں مقامی صنایع ہی ترقی کرینگے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہوشیار اور مشاق دستکار جن قصبات میں بھیجے جائینگے وہاں سرسبزی اور کسب معیشت میں بہت ترقی کا باعث ہونگے تھوڑے عرصہ میں ہی یتیم خانہ مدرسہ حیدرآباد دکنوڑ یا مورپل کے سیکھے ہوے لڑکے خود دوسروں کو فنون سکھائینگے اور یہ امید بیجا نہ ہوگی کہ وہ بہت بڑی حد تک ملک کی فلاح و بہبودی کا ذریعہ ہوں گے ۔ اور جن قصبات میں وہ بھیجے جائیں گے وہاں کی جماعتوں کے کار آمد رکن بن جائینگے ۔

اس یتیم خانہ کی سالانہ آمدنی ساٹھ ہزار روپیہ سے زاید ہے تین چار سو یتیم اس میں پرورش پاتے ہیں ۔ ایک زبردست کمیٹی جس میں برٹش رزیڈنٹ وزرا و اعلی افسران سلطنت شامل ہیں اسکی سرپرستی ہے ۔ اگرچہ اس کے قیام پانچ سال گزر چکے ہیں لیکن اسکی کوئی رپورٹ پبلک میں ابھی تک شایع نہیں ہوئی ہے جس سے اوسکے کام کا اندازہ ہوسکتا ۔ تاہم یہ لکھنا حقیقت سے خالی نہ ہوگا کہ اون نتایج کا ابھی تک ظہور نہیں ہوا ہے جنکی پیشین گوئی سر ڈیوڈ بار نے کی تھی بظاہر اسکی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ مدرسہ کے لئے عمدہ تعلیمی اسٹاف فراہم نہیں ہوا ہے ۔ نیز پبلک اونیس سے استفادہ نہیں حاصل کیا جاتا ہے

صنائعی محصول مصنوعات وغیرہ ۔ ابتدا میں نانڈیڑ ۔ نارائن پیٹ ۔ اورنگ آباد کے مقامی مصنوعات پر سے محصول کروڑگیری جو بیجا دی ہوا ہے

سر وقار الامرا مرحوم نے معاف فرمایا تھا اوسکی مدت مین توسیع کی گئی - ستمبر ۱۹۰۵ء
مین تاحکم ثانی بلا تعین مدت کل ممالک محروسہ کے مصنوعات پر سے محصول برآمد
معاف کردیا گیا - اس محصول کی سالانہ مقدار کم وبیش ایک لاکھہ روپیہ ہوتی ہے
اور اسکی معافی اسی طرح عظیم فیاضی ہے جیسی کہ سر سالار جنگ اعظم نے محصول
محترفہ کے معاف کرنے سے ظاہر کی تھی - اس محصول سے جو اثر اہل حرفہ پر پڑتا ہے
اوسکو مین پیشتر لکھہ چکا ہون - معافی کے نتایج کے بارہ مین کوئی رپورٹ شائع
نہین ہوئی ہے - مگر بعض اہالی سررشتہ کروڑگیری کا بیان ہے کہ اس سے ابھی
زیادہ تر اون تاجرون نے ہی نفع حاصل کیا ہے جو پیشگی رقم اہل حرفہ کو دیکر مال
تیار کراتے ہین - اور اسی بنا پر اس معافی کے اوٹھا دینے کی تجویز ہو چکی ہے - مگر
میرے خیال مین ابھی اس چھوٹی سی رعایت سے رعایا کو محروم کرنیکا وقت نہین
آیا ہے ابھی کم از کم دس برس تک اس معافی کے جاری رہنے کی ضرورت ہے -
ہندوستان کے دوسرے شہر تیاری مصنوعات کے متعلق ممالک محروسہ سے بہت ساتھ
سخت مقابلہ کر رہے ہین اور بمقابل ممالک محروسہ اون شہرون کے مصنوعات
اسانی اور ارزانی سے تاجرون کو ملنے لگے ہین اور حیدرآباد تک مین بکثرت فروخت
ہوتے ہین ایسی حالت مین اگر تاجرون کو ممالک محروسہ کے مصنوعات خریدنے
مین فائدہ نہ ہوگا تو وہ پیشگی رقم دیکر مال کی فرمایش ہی سے باز آجائینگے - سرکار
عالی کو یہہ خیال نہ فرمانا چاہیئے کہ اصلی کاریگرون کو اس رعایت سے فائدہ نہین
ہورہا ہے - اصول اقتصاد کے لحاظ سے ابتدا مین کسی محصول کی رعایت سے
وہ تاجر فائدہ حاصل کرتے ہین جو تیاری مصنوعات کے لئے پیشتر ہی سے اہل
حرفہ سے معاہدہ کئے ہوے رہتے ہین - کچھہ عرصہ بعد جب مدت معاہدہ ختم
ہوجاتی ہے اور تاجرون کو اپنے ہمعصرون کے مقابلہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے
تو وہ خود زیادہ قیمت دیکر سستا مال خریدتے ہین بہرحال سرکار کو اس معافی کے اوٹھانے
کے لئے یہ لحاظ رعایا پروری ہرگز خیال نہ فرمانا چاہیئے -

معافی محصول کے علاوہ ایک یورپین اکسپرٹ کا تقرر مدارس حرفت وکار
خانجات مجالس ہین اصلاح ومشورہ دینے کے لئے کیا گیا - اب یہ تجویز ہے کہ
اس کے خدمات بالکلیہ سررشتہ تعلیمات کے ہی تفویض رہین - اس اکسپرٹ کے
کارگزاریون کی کوئی رپورٹ اب تک شایع نہین ہوئی ہے مگر خارجاً یہ سنا جاتا
ہے کہ کارخانجات مجالس مین اوس نے کچھہ اصلاحین کی ہین - مدارس حرفت
کے متعلق کچھہ تجاویز وغیرہ پیش کئے ہین -

کارخانجات مجالس مین کثیر رقم صرف کی گئی -

یہ ہے تفصیل سرکار عالی کی اُن کوششون کی جو وقتاً فوقتاً ترقی مصنوعات
کے لئے کی جاچکی ہین - انکے کافی ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ کرنے کے لئے
یہ دیکھنا چاہئے کہ برٹش انڈیا اور دوسرے ممالک مین کیا ہو رہا ہے -

برٹش انڈیا کی سپریم گورنمنٹ کے ڈپارٹمنٹون مین سے ایک ڈپارٹمنٹ
کامرس وانڈسٹری کے امور کا ہے جس پر ایک ممبر اور ایک سکرٹری مامور
ہے اور انکا کام ہے کہ تمام اون امور کا جو مصنوعات وتجارت سے تعلق رکھتے
ہون تصفیہ کرین ملک کی صنعت وتجارت کے ذرایع سوچین -

اس دفتر کے ماتحت متعدد مشورہ دینے یا تجارتی وحرفتی اطلاع دینے
والے دفاتر اپنے فرایض منصبی مین سرگرم رہتے ہین اس کے علاوہ ہر ایک
لوکل گورنمنٹ کے ماتحت ایک جداگانہ محکمہ حرفت وزراعت وتجارت کو
ترقی دینے کے لئے قایم ہے - مختلف کانفرنس اور کمیشنس وقتاً فوقتاً
قایم کی جاتی ہین - خاص خاص افسر خاص خاص امور کی تحقیقات کے لئے متعین
کئے جاتے ہین -

سیکڑون رپورٹین اور اطلاعین ہر مہینہ شایع ہوتی رہتی ہین -
مصنوعات ملک ہند خریدے جانے کے لئے رزولیوشن جاری کئے جاتے
ہین - کارخانہ دارون کو نئی حرفتون کے رائج کرنے یا اونکو ترقی دینے کیلئے

امداد دیجاتی ہے - سیکڑون مقامی میلون مین نمایش مصنوعات کے لئے گرانٹ دیجاتی ہے - بڑی بڑی عظیم الشان نمایشگاہین کھولی جاتی ہین - ہر صوبہ مین سرکاری صنعتی کالج اور مدارس قایم ہین اور ایسے قومی مدارس کو بھی گرانٹ دیجاتی ہے -

انگلستان اور یورپ کو طلبہ سرکاری مصارف سے صنعت و حرفت سیکھنے روانہ کیے جاتے ہین خاص خاص صنعتون کے لئے سرکاری مصارف سے کارخانے جاری کئے جاتے ہین - باوجود اس قدر گورنمنٹ کی کوششون کے یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ اوس نے ابتک اپنے فرایض پورے ادا نہین کئے ہین

برٹش گورنمنٹ کے فیاض پرنسن جنمیں افراد صنعتی مدارس ملک چندہ سے قائم کر رہے ہین لائق طلبہ کو یورپ امریکہ جاپان مین انکا لرشپ دیکر صنعتی تعلیم دلا رہے ہین - کارخانجات مشترکہ یا ذاتی سرمایہ سے قایم کر رہے ہین -

جو کام برٹش گورنمنٹ ہندوستان مین مصنوعات ترقی کے لیے کر رہی ہے اوس سے بدرجہا زیادہ کام یورپ امریکہ کی گورنمنٹین باوجودیکہ اونکی رعایا تعلیم یافتہ اور اپنے فرائض سے واقف ہے اور وہان کے کارخانے خود ایسے ہین کہ اونکے موجود ہوتے ہوئے کسی کوشش کی چندان ضرورت نہین ہے اس قدر کام اپنے اپنے ملک کی صنعت کو ترقی دینے کے لئے کرتے ہین کہ اونکی کوئی حد نہین - ایک ادنی بات یہہ ہے کہ تمام سفرا جو مختلف فرمانروا اون کے درباروں مین متعین ہین اپنے ملک کی صنعتون کے فروخت ہونے نہ ہونے پر نظر رکھتے اور اپنی گورنمنٹون کو فوراً اوسکی اطلاع دیتے رہتے ہیں - اور کوشش کرتے رہتے ہین کہ اپنے ملک کے صنایع کے لئے دوسرے ممالک مین خاص رعایات حاصل

کرین - جب کبھی کوئی یوروپین گورنمنٹ کسی مشرقی سلطنت کو اپنے ملک سے قرضہ دلاتی ہے تو ساتھہ ہی یہہ شرط بھی لگا دیتی ہے کہ اوس رقم مین سے ایک خاص حصہ اوس کے ملک کے مصنوعات مثل جنگی جہازات - آلات حرب وغیرہ کے خریدنے مین صرف کیا جائے - بعض وقت یوروپین گورنمنٹین اپنے ملک کے اشیا کو دوسرے ممالک مین رواج حاصل ہونے اور وہان کی تجارت اپنے قبضہ مین لانے کے لئے خاص طور پر کارخانہ دارون کو گرانٹ دیا کرتے ہین -

اس مختصر تفصیل سے صریحاً یہہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ سرکار عالی کے ذمہ احیاے مصنوعات کے واسطے بہت کچھہ کام کرنا باقی ہے -

اس امر کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ سرکار عالی کے بعض روشن خیال اعلی ترین مشیران سلطنت کے ذہن مین یہہ خیال راسخ ہوچکا ہے کہ گورنمنٹ نے احیاے مصنوعات کے لئے اپنے فرایض انجام دیدیے ہین اور اب خود رعایا کے ذمہ ہے کہ باقی امور کی تکمیل کرے ان قابل ادب بزرگون کو چاہئے کہ وہ اپنے مبلغ علم سے کام لین نظر کو وسیع کرین اور یہہ دیکھین کہ یوروپ و امریکہ کی گورنمنٹیں و نیز برٹش گورنمنٹ ہندوستان مین کیا کر رہی ہے اور پھر اوس سے ریاست سرکار عالی کی کوششون کا مقابلہ کرین اور اسکے بعد یہہ فیصلہ کرین کہ کیا سرکار عالی اپنے فرایض اور ذمہ داریون سے فارغ ہوچکی ہے ؟

اس فصل کو پورا کرنے سے پیشتر یہہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرت بندگانعالی اور نواب عماد السلطنت مرحوم کے دو ارشادات کے اقتباس درج کئے جائین جو گلبرگہ اسپننگ مل کے سنگ بنیاد اور افتتاح کے وقت فرماے گئے تھے اور جس سے یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرمانرواے دکن اور اونکی گورنمنٹ نے آج سے ۲۸ سال پیشتر کیا پالیسی ترقی مصنوعات

کے لیئے قائم فرمائی تھی –

اعلیحضرت اقدس و اعلی نے یہہ فرمایا تھا مین آپ لوگون یقین دلاتا ہون کہ اس مل کے سنگ بنیاد قایم کرنیکے لیے جو چند روز پیشتر آپ لوگون نے مجھو دعوت دی تھی اسکے قبول کرنے مین مجھکو نہایت مسرت حاصل ہوئی جب یہ مل بنکے تیار ہو جائیگی تو اس ریاست مین دوسری مل ہوگی – دو برس پیشتر مین نے ہز اکسلنسی سر سالار جنگ مرحوم کے ہمراہ حیدر آباد کاٹن مل کا ملاحظہ کیا تھا اور اوسکے متعلق نہایت دلچسپی ظاہر کی تھی – مجھکو یہہ کہنے کی چندان ضرورت نہین کہ نواب سالار جنگ مرحوم کو میری ریاست مین اس قسم کے کارخانے قایم کرنیکی نسبت کیسے خیالات تھے کیونکہ ابھی اسکا بیان اس اڈرس مین ہو چکا ہے – اس بارہ مین میرا اون سے پورا پورا اتفاق ہے مین بھی اس ملک کے مال و دولت کو زیادہ کرنے کی نسبت عنقریب متوجہ ہونگا – کیونکہ مین خوب جانتا ہون کہ میری رعایا کی رفاہ و بہبودی کے بڑہنے کا اگر ذریعہ ہے تو صرف یہی ہے – اس لیئے اس کام مین مین پوری دلچسپی لونگا – اور ہمیشہ اسکے جانب متوجہ رہونگا –

آپ لوگون نے جو اس مل کو میرے نام سے بنام گلبرگہ محبوب شاہی مل کمپنی لمٹڈ موسوم کرنیکی درخواست کی ہے اسکو مین نہایت خوشی سے منظور کرتا ہون اور صدق دل سے امید رکھتا ہون کہ اس مل سے مالی فوائد حاصل ہون گے – اب مین اس خوش آیند خدمت کو جو اس خوشنما مل کو استعمال کرنے کے متعلق ہے ادا کرنے کے لئے آگے بڑہتا ہون اور گلبرگہ محبوب شاہی کمپنی لمٹڈ کا سنگ بنیاد نصب کرتا ہون –

نواب عماد السلطنت مرحوم نے بوقت افتتاح یہہ تقریر ارشاد فرمائی تھی –

آپ سب کو معلوم ہوگا کہ اعلیحضرت بندگانعالی کی مرضی مبارک اوس رسم مین حصہ لینے کی تہی جس مین آج صبح ہم سب جمع ہوئے ہین اور جسکو مین اپنے خداوندنعمت اور مالک اعلیحضرت بندگانعالی کی جانب سے انجام دیرہا ہون۔

اعلیحضرت کا منشاء مبارک تھا کہ اپنی تشریف آوری سے اس گہری دلچسپی کا اظہار فرمائین جو آپ ہمیشہ اپنی مملکت کی ترقی مصنوعات مین لیاکرتے ہین مگر بدقسمتی سے بوجہہ علالت تشریف نہ لاسکے اور مجھکو حکم فرمایا ہے کہ اس مل کا افتتاح کرون ہم سب کو اعلیحضرت کی عدم رونق افروزی پر بہت ہی رنج ہے اور مین باشندگان گلبرگہ کی اس مایوسی پر جو انہین اپنے آقا کی غیرمتوقع عدم تشریف آوری سے ہوئی ہے اظہار ہمدردی کرتا ہون۔ مگر ہم کو امید ہے کہ کچھہ زیادہ عرصہ نہ گزرنے پائے گا کہ اعلیحضرت گلبرگہ تشریف لائینگے اور اس گرنی کا معاینہ فرمائینگے۔ جس مقام پر حضرت نے سنگ بنیاد نصب فرمایا تھا وہان اب ایک خوبصورت اور مضبوط عمارت تیار ہوگئی ہے۔ یہ میدان جو منتشر ویران پڑا ہوا تھا اب ایک بڑی صنعت کا مرکز ہوگیا ہے اور جسکی وجہہ سے قدیم شہر گلبرگہ کی اہمیت مین اضافہ ہو جائیگا۔

آپ سب کو معلوم ہوگا کہ شہر گلبرگہ دکن کا قدیم اور قابل دید شہر ہے اور ایک زمانہ تک بہمنی فرمانرواون کا دارالسلطنت تہا۔ صنعت وحرفت رونق پر تھی۔ تجارت کا بازار گرم تھا۔ باشندے دولتمند اور مرفہ الحال تھے۔ مضبوط اور بلند گنبدین قدیم قلعہ جو بہت سی لڑائیون اور محاصرون کو دیکھہ چکا ہے۔ قدیم عمارات جو اس مقام پر موجود ہین سب کے سب ایک اپنے زمانہ کی یادگار ہین جو اب تقریباً فراموش ہوگیا ہے اور اس شہر کے گزشتہ دولت وعظمت کی شہادت دے رہے ہین۔ مگر حالات بدل گئے اور زمانہ کی گردش نے بہت سے تغیرات پیدا کئے جسکا نتیجہ اس شہر کی بربادی اور تباہی ہوا۔ یہ شہر قریب قریب ویرانہ بن گیا تھا۔ تجارت بالکلیہ برباد ہوچکی تھی اور گزشتہ باعظمت دور کو بجز سال خوردہ گنبدون۔ منہدم قلعہ۔ شکستہ فصیل کے یاد دلانے والی کوئی

چیز باقی نہین رہی تہی - جب حالت یہان تک پہونچ گئی تہی تو خوش قسمتی سے ریلوے لائن کاراستہ اس شہر پر قائم ہوگیا اور یہہ موقع آگیا کہ تجارتی کاروبار پہر پیدا کیا جاے - اس سے زیادہ خوش قسمتی یہ ہوئی کہ یہان کی اعلی افسری پر ایک ایسا شخص مامور ہوا جس نے انتہائی دلچسپی اوس کی ترقی اور بہبودی مین لی نہایت محنت سے اوسکی گزشتہ عظمت کو واپس لانے کی کوشش کی - مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ گلبرگہ کو قلمرو آصفی کا سب سے زیادہ تابان و درخشان مقام بنانے کا جسکو آپ سب ملاحظہ کر رہے ہین وہی ذریعہ ہے - اس موقع پر مین اون گران بہا اور بیلک خدمات کا جو گلبرگہ کی متعلق نواب یار جنگ بہادر نے انجام دئے ہین اعتراف کرتا ہون جب اسطرح اسکی صنعت کو ترقی دینے کا موقع ہاتھ آیا تو خانگی سرمایہ دارون نے اعلیحضرت اقدس و اعلی کی ذاتی نیز سرکاری امداد سے یہہ مل قایم کی جو عملاً اس مقام کی بہبودی کا باعث ہوگی - مجہکو اطلاع ملی ہے کہ اس سے ایک ہزار لوگونکو کام ملیگا - علاوہ برین اس ملک کی تجارت کو بڑہانے کا موقع ملیگا - جو مزارعین اس ضلع نیز دوسرا اضلاع مین عمدہ روئی کی کاشت کرتے ہیں اونکو بہی عمدہ امداد ملیگی - یہان کثرت سے پیداوار خام خاصکر روئی کی پیداوار ہوتی ہے اور چند سال سے انگلستان کو سوت اور پارچے بنانے کے لئے روانہ ہونے لگی ہے - یہہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ جو ملک صرف اشیاے خام کی پیداوار مین مصروف رہتا ہے وہ زیادہ نفع رسان حالت مین نہین ہوتا - انگلنڈ کی دولت کا مدار بہت کچہہ مصنوعات پر منحصر ہے بمبئی پریسیڈنسی کی خوشحالی کی وجہہ بہی پورے طور پر یہی ہے پچیس سال کے اندر وہانکے سرمایہ دار نہایت سرگرمی کے ساتھ اس صنعت کو ترقی دیتے رہے ہین - وہان بہت سی گرنیان قائم ہوئی ہین اور ان مین سے اکثر کی نسبت مجہکو یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ کامیابی کے ساتھ ترقی کر رہے ہین - ہمارے متعدد اضلاع مین عمدہ روائی پیدا ہوتی ہے - بجاے اس کے کہ وہ متفرق مقامات کو سوت اور پارچے بنانے کے لئے روانہ کی جائے اور پہر ہم اپنی ضروریات

کے لئے باہر کا مال خرید کرین یہہ مناسب اور ضروری ہے کہ ہم خود اسکو تیار کرین اور اسکی بدولت ہمارے ملک کے تمول مین اضافہ کرین - اس لحاظ سے کہ ایسی گرنیان ملکی حرفت کے فروغ کا باعث ہین اعلیحضرت اقدس و اعلی اس مین خاص دلچسپی لیتے ہین -

میر مجلس دائرکٹران کی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ اس مل مین ۲۰۰۰۰ تکلون اور ۲۰۰ کرگھون کے چلانے کا انتظام کیا گیا ہے - نصف کلین نصب ہو چکی ہین - عمارت قریب قریب پوری ہو چکی ہے - انجن یا اور بڑا حصہ کام لینے کے قابل ہو چکا ہے اور عنقریب پوری طاقت سے کام شروع ہو جائیگا - روئی کی کاشت کرنے والے اضلاع رائچور - لنگسگور - بیڑ - پربھنی کو اس گرنی کی بدولت - روئی فروخت کرنے کا راستہ مل جائیگا - سر دست سوت اور معمولی پارچے جنکی ضرورت اضلاع مین ہے اس مل کے ذریعہ میسر ہونے لگین گے - آیندہ چلکر کیا کیا ضروریات اس مل کے ذریعہ پوری ہونگی انکی تفصیل کی ضرورت نہین ہے - کیونکہ اسکا علم ہم کو حیدرآباد مل سے جو ہمارے گھر کے قریب ہے ہو رہا ہے -

مجھکو امید ہے کہ زیادہ زمانہ گزرنے نہ پائیگا کہ بہت جلد اسی قسم کی گرنیان سرکار عالی کے قلمرو کے مختلف حصص مین قایم ہو جائینگی - اور وہ حرفت و تجارت کی ترقی کا باعث ہونگی -

سرکار عظمت مدار نے جسکا بہت قابل اور ہر دلعزیز ریزیڈنٹ آج میرے ساتھ براہ مہربانی موجود ہے اپنی پرامن حکومت مین صنعت و حرفت کو ہندوستان مین خاص ترقی دی ہے - مجھکو ہر طرح سے امید اور یقین ہے کہ آیندہ چلکر ریاست سرکار عالی کے طول و عرض مین صنعت و حرفت کی پوری قوت کے ساتھ ترقی ہوگی -

اختتام تقریر سے پیشتر مین ضروری سمجھتا ہون کہ مسٹر سیابتی اور چیرمین

آف دی بورڈ آف ڈایرکٹرس اور مسٹر اکلنڈ یا سر گرم مینجنگ ڈایرکٹر کی ان کوششون کا جو مل کے قیام کے لئے ہوئی ہین کچہہ ذکر کرون۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اونکی ہی محنت اونکی ہی ہوشیاری۔ انکی ہی معاملہ فہمی تھی کہ یہہ مل قایم ہوی اور اسکے قیام کا کریڈٹ بالکلیہ انکو ہی ملنا چاہئے۔

محبوب شاہی اسپننگ اینڈ ویونگ مل کو ہر طرح سے کامیابی اور فلاح حاصل ہو۔ یہ میری دلی دعا ہے۔ اور یہی یہ تقریر کا خاتمہ ہے۔ مجھکو یقین ہے کہ ہر شخص جو یہان موجود ہے اس دعا مین خلوص کے ساتھ شریک ہوگا"

اس موقع پر یہہ لکھنا نامناسب نہ ہوگا کہ حیدرآباد کو انسٹریکون سے جو اس زمانہ کے بعد ہی سے شروع ہوگئین سابقہ نہ پڑتا۔ حکام سلطنت وو زراے مملکت اسی جوش اور اسی پالسی پر کام کرتے آتے جو ان دونون تقریرون سے عیان ہے تو بلاشبہ حیدرآباد کی مملکت کچہہ اور ہی زرنگار حالت مین ہوتی۔ مگر افسوس ۲۸ سال گزرنے کے بعد وہی حالت ہے جو پیشتر تہی نہین بلکہ بگڑی ہوئی ہے لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

فصل چہاردہم

نمایشگاہین

اس فصل مین کسی قدر تفصیل ان نمایشون کی کی جاتی ہے جنکا ذکر اس سے پیشتر کی فصل مین ہوچکا ہے۔

باوجود کوشش و تلاش۔ لنڈن کلکتہ کی نمایشون کے متعلق حالات نہین مل سکے کہ کیا کیا چیزین ان نمایشون مین پیش ہوئی تہین اور بمقابل اشیا ممالک غیر حیدرآباد کی چیزین کس رتبہ مین شمار کی گئین۔ صرف یہہ معلوم ہوا ہے کہ نمایشگاہ لنڈن مین ورنگل کے وہ قالین جنکا تذکرہ اس

سے پیشتر ہوچکا ہے خاص طور پر پسند کئے گئے تھے اور اپنی وضع مین بہترین مانے گئے تھے - نمائشگاہ کلکتہ مین ممالک محروسہ کے مفصلہ مصنوعات شریک کئے گئے تھے جسمین ورنگل کے قالین بیدری برتن - اورنگ آباد - ناندیڑ وغیرہ کے پارچے اور مختلف اشیا بھی تھے - بعض چیزون پر انعامات اور تمغے بھی ملے تھے - نارائن پیٹھ کے دباغت شدہ چمڑون کے لئے برنجی تمغہ ملا تھا - ورنگل کے ایک ریشمی قالین کی جو وہان تھا (سما لعہ ۵) قیمت تھی - ایک اونی قالین قیمتی للعہ ۵ اور ایک سوتی قالین قیمتی للعہ ۵ بھی پیش ہوا تھا -

حیدرآباد کی ۱۸۵۶ء کی نمائش کے متعلق بھی بجز اس کے اور کوئی بات معلوم نہین ہوئی ہے کہ بہ مقام چادرگھاٹ بہ حکم سرسالارجنگ اعظم کھولی گئی تھی -

سب سے پہلی نمائش جسکا کچھہ حال معلوم ہوا ہے وہ ۱۸۸۶ء کی انڈو کلونیل اگزبیشن ہے جو انگلستان مین کھولی گئی تھی -

اس نمائشگاہ مین ممالک محروسہ کے مصنوعات رکھنے کے لیے ایک خوشنما اسکرین تیار کیا تھا اور اوس کے ساتھہ حصے کئے گئے وسطی حصہ مین توپخانہ سرکارعالی کے سپاہیونکا بنایا ہوا عمدہ ترین تعزیہ رکھا گیا تھا - باقی حصص مین اورنگ آباد ناندیڑ بیدر ورنگل محبوب نگر رائچور وغیرہ کے تیار شدہ اشیا رکھے ہوئے تھے جن مین سے بعض کی تفصیل حسب ذیل ہے -

اورنگ آباد کے نقرئی اور ملمع کے عطردان - گلاب پاش - پاندان قلمدان - سنگاردان ان چیزونکی نسبت یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ گو فی نفسہ بہت اچھی کاریگری کا نمونہ ہین مگر اس صنعت مین ترقی کے لیے ابھی کافی جگہہ باقی ہے - ایک کارچوبی کام کی گران بہا مسند اور میزپوش جو خاص طور پر پسند کئے گئے تھے - قیمتی اور نفیس زرین پارچے - ناندیڑ سے خوش

وضع اور نفیس ململ - ڈوریہ - اور سیلہ ان پارچون کی خوبی یہ تہی کہ ہر ہر تھان کا طول ۲۰ گز تھا مگر اوسکا وزن صرف نصف سیر تھا - اور ایک معمولی انگوٹھی کے حلقہ مین سے اوسکے طول کو نکال لیجا سکتا تھا بغیر اسکے کہ کپڑے پر کچھہ دباو پڑے یا جھول آئے -

بیدر سے بیدری برتن کا ایک عمدہ ذخیرہ جو اوس سے پہلے انگلستان مین نظر نہین آیا تھا جس مین طشت آفتابے - صراحیان - کشتیان - حقے قلمدان - پاندان وغیرہ تھے - کشتیان جو آئی تھیں انمین مختلف ہندو دیوتاؤن اور دیبیون کی تصویرین بنائی گئی تھین اور انگلش پبلک کےلئے دلچسپی کا باعث تھیں -

ورنگل کے قیمتی اور نفیس ریشمی اونی سوتی قالین — اور محبوب نگر کی رنگ روغن کی ہوئی چوبی چیزین خاص طور پر عمدہ سمجھی گئی تھیں اور ان مین سے پلنگ - پیپر پیڈ - کشتیان - صندوقچے وغیرہ زیادہ قابل تعریف خیال کئے گئے تھے -

رائچور سے ململ اور مٹی کی بنی ہوئی چیزین - مذکورہ بالا اشیا کے علاوہ دوسری چیزین خاصکر تیار ہی بکثرت تھے - یہہ معلوم نہ ہوسکا کہ کن کن چیزون پر تمغے وغیرہ عطا ہوئے - انڈین کلونیل اگزبیشن کے بعد گلاسگو اور ملبورن مین نمایشین ہوئی تھین اور اون مین ممالک محروسہ کے مصنوعات بھی روانہ کئے گئے تھے - جن مین سے بعض چیزون پر تمغے ملے - ان کے متعلق بھی مزید تفصیل معلوم نہ ہوسکی -

۱۸۹۳ء مین ایک عظیم الشان نمایشگاہ شکاگو مین کھولی گئی تہی جس مین تمام دنیا کی ترقیون کو ایک جگہہ بتا یا گیا تھا - گورنمنٹ آف انڈیا اور دیسی ریاستون نے ہندوستانی مصنوعات کو نمایشگاہ مین رکھے جانے کےلئے خاص اہتمام کیا تو سرکار عالی نے بھی اس مین شرکت کی -

گورنمنٹ آف انڈیا نے ایم ٹیلری نامی اسٹرین تاجر کو جو ہندوستان
مین ہندوستانی نوادرات وغیرہ کی تجارت کرتا تھا کچھ رقم دی
کہ وہ ہندوستان کے اشیا فروخت کرنے کے لئے ایک اسٹال بنائے
اور وہان خود ہندوستانی اشیا کو اپنی گرہ —
سے خرید کر یا امانتاً لیکر فروخت کرے دیسی ریاستون نے
بھی اسی شرط پر رقوم دے —

صاحب عالیشان بہادر نے سرکار عالی سے سفارش کی کہ اسی
کے ذریعہ مصنوعات ملک سرکار عالی روانہ کرنے کا انتظام کیا جائے
سرکار عالی نے اس معاملہ کو سید محمد حسین صاحب مرحوم ناظم زراعت
و تجارت کے سپرد کیا اور بعد بحث و گفتگو یہ معاہدہ ہوا کہ سرکار عالی
حکام مال وغیرہ کے ذریعہ مال تیار کرا کر حیدرآباد مین جمع کرے
اور اس مین ([illegible]) کا مال ایم ٹیلری خرید لینگے۔ سرکار
عالی ایم ٹیلری کو ([illegible]) اپنے پاس سے دے گی کہ وہ ایک خاص
اسکرین مین یہان کا مال حیدرآباد کے نمایان شان طریقہ سے سجا کر
فروخت کرین جس چیز پر انعام ملے گا اوس کے اصلی بنانے والے
کو دیدیا جائیگا اور بعد ختم نمائش ایک رپورٹ دربارہ طریقہ
ترقی تجارت مصنوعات ملک سرکار عالی بملک امریکا پیش کرینگے
سامان جمع کرنے کا کام سید محمد حسین صاحب کے تفویض
ہوا اور وہ اول تعلقداران اضلاع وغیرہ کے ذریعہ مال تیار
کرنے لگے —

چونکہ ایم ٹیلری سامان کو چنکر لینے والے تھے اس لئے
ضروری خیال کیا گیا کہ کم و بیش ایک لاکھ روپیہ کا سامان تیار
کیا جائے۔ اور بہ لحاظ اس کے کہ اضلاع کے کاریگر مفلس ہین

اور بغیر پیشگی رقم لئے مال تیار نہین کر سکتے سرکار عالی کے خزانہ سے
ان کو رقم دیدی گئی - بلدہ کے کاریگرون کو بھی آمادہ کیا گیا کہ اپنے
مال کو بھی پیش کرین -

جب ایسا موقع بلدہ مین مال فراہم کرنے کا حاصل ہوا تو
سید محمد حسین صاحب کو خیال پیدا ہوا کہ کیون نہ ان سب عمدہ مشغولات
کو دیکھنے کا موقع عام طور پر دیا جائے نیز یہ بھی خیال کیا گیا کہ جو مال فروخت
نہ ہوگا اوس کے واپس کرنے مین لانے والون کو بیدلی ہوگی اس لئے
جہان تک ممکن ہو اوس کے فروخت کی شکل پیدا کی جائے اور
اسی بنا پر اونہون نے تحریک کی کہ اواخر ڈسمبر ۱۸۹۲ء مین ایک
نمایش حیدرآباد مین کھولی جائے - سر وقار الامرا مرحوم جو اسوقت
معین المہام مال تھے - اور نواب افسر جنگ بہادر نے اس تحریک کو
پسند فرماکر تائید کا وعدہ کیا اور آخر ش نواب سر آسمانجاہ مرحوم
مدار المہام سرکار عالی نے اس تحریک کو منظور فرما لیا - ملک پیٹھ
کی شرط گاہ نمایش کے لئے پسند کی گئی اور اعلی عہدہ داران سرکار عالی
کی ایک جنرل کمیٹی انتظام نمایش کے لئے بصدارت نواب سر وقار الامرا
مرحوم قائم ہوئی اور اوسکے ماتحت متعدد سب کمیٹیان بنائی گئین -
ہر قسم کے مصنوعات پر تمغے و انعامات مقرر کئے گئے

آلات زراعت - ترکاریون مختلف قسم کے جانورون اور سواریون
وغیرہ کی نمایش کا بھی انتظام کیا گیا - اضلاع سے بعض اہل حرفہ بھی بلوائے گئے کہ
وہ اپنا کام کرتے ہوئے نمایش مین دکھائے جائین - اسپورٹس کشتی وغیرہ کا بندوبست
کیا گیا حیدرآباد - ہندوستان کے تاجرون کو موقع دیا گیا کہ اپنا مال نمایش میں
روانہ کرین ریلوے کے کرایہ مین تخفیف کرائی گئی - ان ملازمین کے لئے جو اضلاع
سے نمایش مین آنا چاہین خاص قسم کی رخصت دئے جانے کے احکام صادر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر ۲ صحیفہ جلد ۶

اڈیٹوریل

صحیفہ کے دلی محب وہمدرد اور ہمارے دوست دیرینہ جناب منشی عبدالسلام صاحب نے اس مہینے میں صحیفہ کی توسیع اشاعت کے لئے گلبرگہ ورائچور وغیرہ کا سفر اختیار کیا۔ باوجود کم سنی کے اُن کی یہ عالی حوصلگی بہت سی امیدوں کا منشا معلوم ہوتی ہے۔

وہ اگرچہ ایک مجبوری سے ان دونوں مقامات پر بہت کم قیام کرسکے پھر بھی اُن کا سفر خالی نہ گیا اور انھوں نے کچھ نئے خریدار بہم پہونچا لئے۔

ایسے نوجوان اور پرجوش دوستوں کی کوششوں کو ہم بہت وقعت سے دیکھتے ہیں۔ اگر ہماری مائیں ایسے ہونہار اور عالی حوصلہ بچوں کو زیادہ پیدا کیا کریں گی تو برے دن جلد پھر جائینگے اور آج ہم جس ذلیل حالت میں پڑے ہوئے ہیں وہ کل عزت وبرتری سے بدل جائیگی۔

عبدالسلام صاحب کو اپنے مقصد میں ناکام نہ رہنے کا قوی سبب جناب

مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب صوبہ دار صوبہ گلبرگہ کی وہ عنایت فرمائی ہے جو جناب ممدوح کی جانب سے صحیفہ پر ابتدا سے مبذول ہے۔ آپ نہ صرف صحیفہ کو نہایت دلچسپی سے ملاحظہ فرمایا کرتے ہیں۔ بلکہ اُس کے مضامین اور اُس کی زبان کو بھی بہت پسند کرتے ہیں۔ اور کئی مرتبہ توسیع اشاعت کیلئے متعدد اصحاب کے نام سفارشی سرفراز نامے مرحمت فرما چکے ہیں۔

چنانچہ اس مرتبہ عبدالسلام صاحب کو بھی عہدہ داران گلبرگہ و رائچور کے نام متعدد سفارش نامے عطا فرمائے اور اسی کی بدولت چند نئے خریدار بہم پہونچے۔

اگر دوسرے عہدہ داروں کو بھی علم کا ایسا ہی مذاق ہو جیسا کہ جناب ممدوح کو ہے تو ملک کی جہالت برسوں کے بجائے مہینوں اور مہینوں کے بجائے دنوں میں دور ہو سکتی ہے۔

صحیفہ جناب ممدوح کے بذل التفات اور قدیم عنایات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔ اسی ذیل میں جناب محمد عبدالرب صاحب تحصیلدار گلبرگہ کی خدمت میں بھی شکر و امتنان پیش کیا جاتا ہے۔ جن کی نوازش و مہربانی ایسے زمانہ میں جبکہ گلبرگہ حضرت خواجہ گیسو دراز کے عرس کی وجہ سے مہمانوں اور مسافروں کا ملجا و ماوا بنا ہوا تھا۔ قیام کی جانب سے عبدالسلام کی راحت و دلجمعی کا باعث ہوئی۔ صاحب موصوف نے نہ صرف اپنے دولت کدہ میں قیام کی اجازت دی بلکہ مہمانی کی عزت بخش کے خورد و نوش کی فکر سے بھی مطمئن کر دیا خدا انھیں اجر جزیل عطا فرمائے۔

چوتھی مثال۔ اس قسم کی مثالیں بلاشبہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں جو اپنی کسی قسم کی ذاتی خوشی کے موقع پر بجائے اس کے کہ جشن اور جلسے منعقد کریں اور رقص و سرود کی محفلوں پر روپیہ اُٹھائیں۔ علمی ہمدردی کی کوئی پائدار و منفعت بخش یادگار قائم کر کے نہ صرف خادمان علم کا حوصلہ بڑھاتے ہیں بلکہ ماجور و مثاب بھی ہوتے ہیں۔

ہمارے قدیم عنایت فرما جناب خواجہ محمد فیاض الدین صاحب سررشتہ دار آبکاری ضلع میدک سے ناظرین صحیفہ بخوبی واقف ہیں۔ صاحب ممدوح علاوہ صحیفہ کی

سرگرم معاون و مربی ہونے کے اپنی قلمی امداد سے بھی اُسے مالامال کرتے رہتے ہیں چنانچہ حال میں اُن کا ایک دلچسپ مضمون دیوان حافظ کی فالوں پر صحیفہ میں شائع ہو چکا ہے۔

صاحب موصوف نے اس مہینے میں پندرہ ۱۵ روپے ہمارے پاس بدیں غرض روانہ فرمائے ہیں کہ ایک نئے عہدہ (انسپکٹری گانجہ) پر ممتاز ہونے کے شکریہ میں اُنکی جانب سے پانچ غریب طالب علموں کے نام صحیفہ جاری کیا جائے۔ بارک اللہ لہ ورفع درجاتہ۔

اس قابل قدر فیاضی کے صلہ میں ہم اُنکی ترقی درجات کے دل سے متمنی ہیں اور امید ہے کہ ناظرین بھی اس تمنا میں ہمارا ساتھ دینگے۔

چونکہ مفت ہاتھ آئی ہوئی چیز کی زیادہ قدر نہیں کیجاتی اس لئے ہم غریب طالب علموں کو مفت رسالہ نہیں دینا چاہتے۔ اور اعلان کرتے ہیں کہ جو طلبا اس رعایت سے مستفید ہونا چاہتے ہیں وہ کم از کم ایک روپیہ بھیجدیں تو اُنکے نام ایک سال تک رسالہ جاری کر دیا جائیگا اگر وہ ایک روپیہ بھی نہ بھیج سکتے ہوں تو صرف ایک نیا خریدار ہی پیدا کر دیں اتنی خدمت بھی کافی ہو سکتی ہے۔

واضح ہو کہ پرانے خریدار طلبا کو جو پہلے سے رعایتی قیمت پر صحیفہ لے رہے ہیں اس رعایت سے مستفید ہونیکا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بات صحیفہ کی توسیع اثر کی منافی ہے اُنکے لئے یہی کافی ہے کہ وہ پہلے سے رعایتی قیمت پر رسالہ اور کتب لے رہے ہیں۔ یہ اعلان صرف نئے طلبا کے ساتھ مخصوص ہے۔

ہمدردی پہلے گھر سے شروع ہوتی ہے ۔ بعض بعض متمولوں اور خوشباشوں کی نسبت کبھی کبھی یہ سُننے میں آتا ہے کہ انھوں نے کسی باہر کی قومی مجلس یا مدرسہ یا فنڈ کو کچھ چندہ دیا اس سے بعض قومی درد رکھنے والوں کو شاید خوشی ہوتی ہوگی۔ لیکن ہمیں تو افسوس ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو روپیہ ایسے کاموں میں باہر دیا گیا ہے اگر وہ لہو لعب یا فضول اخراجات کی بھینٹ چڑھایا جانے والا تھا۔ تو وہ ضرور ایک عمدہ مصرف میں لگایا گیا لیکن اگر اُسی قسم کا مصرف گھر میں نکل سکتا تھا تو باہر اُس کا دیا جانا بے محل ہے۔

اس سے قطع نظر اگر الاعمال بالنیات کے مصداق پر ایسے معطیوں کی نیتوں کو ٹٹولا جائے اور اُن کی تہ میں صرف شہرت و نام آوری پائی جائے تو اور بھی افسوس کے قابل بات ہوگی۔

نیک کاموں کی مدد اول تو گھر سے شروع ہونی چاہئے اور پھر خالصاً لوجہ اللہ ہونی چاہئے جو مدد ان اغراض سے خالی ہوگی وہ نیک نہیں کہی جا سکتی۔ وہ اسراف میں داخل ہوگی اور اُسکا شمار اُن ہی فضولیات میں کیا جائیگا جو ہمارے مالداروں کی ناقدری دولت کا ثمرہ ہیں۔

خیرات اور نیک کاموں کی مدد کے آداب میں سے ہے کہ جہاں تک ہو سکے تو پوشیدہ

طور پر کیجائے جسکی علت غائی یہی ہو کہ نام اور شہرت کے خیال کو دور رکھا جائے ورنہ مدد کرنے والوں کو ہمیشہ نیکنامی ہی مقصود رہیگی اور جن مواقع میں مدد کرنے سے نیکنامی کا مفہوم پورا ہوتا نہیں نظر آئیگا خواہ وہ کیسے ہی مستوجب مدد کیوں نہوں وہاں انکا دل نہ پسیجیگا اور وہ ہمدردی پر مائل نہ ہونگے۔

یورپ اور امریکہ کے کروڑپتی جب خیرات کرنے پر آتے ہیں تو پہلے اپنی ملک کو یاد کرتے ہیں نیکی کے جذبہ میں ڈوبکر وہ اپنوں کو بھلا کے بیگانوں پر نہیں قربان ہونے لگتے۔ اگر وہ باہر کوئی چندہ بھیجتے بھی ہیں تو پہلے گھر کو مالا مال کر دیتے ہیں۔ اور پھر اس شان سے دیتے ہیں کہ بنک گھر سے لاکھوں پونڈ کی رقم مستحق مدد کے پاس پہونچ جاتی ہے اور دینے والیکا نام تک نہیں ظاہر ہوتا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ پہلی قسم کی امدادیں محض مانگنے والوں کے حسن طلب اور کام کرنیوالوں کے علمی پوزیشن کی بدولت حاصل ہوتی ہیں ورنہ دینے والوں میں اصلی درد کی کھٹک اور حقیقی ضرورتوں کا احساس مطلق نہیں ہے۔ پس ایسا دینا نہ دینے سے برا ہے۔

ہندوستان کے بعض دیدہ زیب رسالوں میں ہمارے جاننے والے بھی کبھی کبھی مضامین اور نظمیں روانہ کیا کرتے ہیں۔ اس پر ہمارے احباب ہم سے پوچھا کرتے ہیں کہ وہ مضامین ہمیں کیوں نہ ملے اس کا سبب ہم کیا بتا سکتے ہیں۔

غالباً اُن رسالوں کی ظاہری آب و تاب۔ عمدہ لکھائی چھپائی۔ اور بڑھی ہوئی اشاعت مضمون بھیجنے کی سفارش کرتی ہوگی۔ غریب **صحیفہ** ان فضایل سے اب تک محروم ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ گھر کی مرغی دال برابر معلوم ہوتی ہے **صحیفہ** کو گھر والے اتنی قدر سے نہیں دیکھتے جتنی باہر والے اس کا ثبوت اُن مضامین اور نظموں سے ملتا ہے جو ہندوستان کے مختلف حصص سے بغرض طبع ذر صحیفہ میں وصول ہوتے ہیں مگر افسوس ہے کہ خود یہاں کے مضامین پوری گنجایش نہیں پاتے اس لئے وہ مضامین درج نہیں کئے جاتے ہیں۔

اگر گھر والے اپنی چیز کی قدر کریں اور اپنے کام کرنے والوں کا ہاتھ بٹائیں۔ تو اُسے باہر کی چیزوں سے (جو اپنے بے شمار مربیوں کے برتے پر قابل رشک معلوم ہوتی ہیں)، کسی حیثیت میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

جناب لمعہ حیدر آبادی کی شیطان والی نظم میں چند غلطیاں چھپتے وقت ہماری اصلاح سے پیدا ہو گئی ہیں۔ ناظرین لمعہ صاحب کی طرف اُن غلطیوں کا انتساب نہ فرمائیں۔

اڈیٹر

لنگرِ شیطان

اس دلچسپ و نتیجہ خیز نظم کو جناب لمعہ حیدرآبادی نے ہماری خاص فرمائش پر بہت عجلت کے ساتھ صرف تین دن کے عرصہ میں تیار کیا ہے۔ اس طویل کہانی سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے۔ وہ نہایت مفید اور قابل عمل ہے۔ غالباً ہمارے ساتھ ہمارے ناظرین بھی جناب موصوف کے ممنون ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔

اڈیٹر

اکدن ابلیس تھا بزینت و فر
جلوہ گر اپنے تخت شاہی پر

سر پہ تھا تاج کبر و نخوت کا
اور گردن میں طوق لعنت کا

جسم میں آتشی قبا گلنار
لب پہ جاری خلقتنی من نار

سجدہ آدم کا یاد آتا تھا
دل میں وہ پیچ و تاب کھاتا تھا

تھی یہی فکر اُس کو دامنگیر
کیجئے انسان کو ذلیل و حقیر

ہر طرح اس کو کیجئے گمراہ
دو جہاں میں ہو تا خراب و تباہ

مشتِ خاک اور یہ شرف یہ جاہ
کریں سجدہ ملک معاذ اللہ

اور شیاطین سارے ناہنجار
دست بستہ تھے حاضر دربار

وہ لعیں یوں ہر اک سے پوچھتا تھا
کیا کیا تو نے آج کام بتا

تو نے کس کس کو آج بہکایا
تو نے کس کس کو آج ڈہکایا

آج جس نے کیا ہے جیسا کام
مجھ سے ویسا ہی پائیگا انعام

پھر تو کرنے لگا ہر اک شیطاں
اپنی اپنی شرارتوں کو بیاں

ایک نے فخر سے یہ فرمایا
میں نے آج اک کو قتل کروایا

دوسرے نے کہا پلائی میں نے شراب
کیا اک پارسا کو مست و خراب

تیسرا بولا میں نے کیا کہنا
اک بڑے باخدا کو ہے پھانسا

تھا وہ عابد ستارہ پیشانی
کر دیا اُس کو مُغلِم وزرانی

غرض اس طرح سے ہر اک شیطان
اپنے کرتوت کر رہا تھا بیان

سارے شیطاں بیان کر چکے جب
اپنے اپنے کمال اور کرتب

آیا آخر میں لنگڑا اک شیطان
پیر فرتوت قد بشکل کمان

ضعف پیری سے جھک کے چلتا تھا
لڑکھڑاتا تھا اور سنبھلتا تھا

دست و پا رعشہ دار خیرہ نگاہ
گرم و سرد زمانہ سے آگاہ

ایک گرگ کہن تھا وہ ناری
یاد روباہ بازیاں ساری

اتنا بوڑھا تھا وہ شقی گویا
سارے شیطانوں کا تھا پردادا

رو سیاہ اور سفید سر کے بال
شکل و صورت بھیانک آنکھیں لال

آتے ہی کورنش بجا لایا
دیا جھک کر زمین پر بوسہ

جوڑ کر ہاتھ اور دیکے دعا
با ادب عرض یوں وہ کرنے لگا

رہے قائم تخت و جاہ و جلال
ہو فزوں عمر و دولت و اقبال

دوست ہوں شاد اور عدو ناشاد
ہیں جو بدخواہ سب ہوں وہ برباد

ہوں نمک خوار بندۂ سرکار
جاں نثار و قدیم خدمت گار

جب تلک دست و پا میں قوت تھی
سارے عالم میں دھاک تھی میری

میری دہشت تھی سب کو میرا ہول
نام سے میرے پڑھتے تھے لاحول

کیسے کیسے غضب میں ڈھاتا تھا
فتنے کیا کیا نہیں اٹھاتا تھا

جیسا کچھ تھا میں جانتے ہیں حضور
اب تو پیری نے کر دیا مجبور

کر دیا ہے زمانہ نے ناچار
ہو گیا ہوں ضعیف و زار و نزار

لیکن اب بھی یہ بندۂ دیریں
ملے موقع تو چوکتا ہی نہیں

کچھ نہ کچھ اب بھی کر گزرتا ہوں
مرتے مرتے بھی لے ہی مرتا ہوں

میں دکھاتا ہوں باغ سبز اب بھی
نہ سہی پھول پنکھڑی ہی سہی

کل ہی کا واقعہ یہ ہے شاہا
کیا اک کام میں نے چھوٹا سا

لڑکا اک مدرسہ کو جاتا تھا
شوق میں وہ قدم بڑھاتا تھا

دھیان پڑھنے میں تھا بغل میں کتاب
فکر تھی پہنچوں مدرسہ کو شتاب

دیکھ کے چل میں نے راہ سے پھیرا
جس طرح ہو سکا اُسے گھیرا

اک تماشے میں اس کو بہلایا
چپکے چپکے سر اُس کا سہلایا

اس قدر اُس کو کر دیا غافل
کہ وہیں گزرے دو پہر کامل

بعد عرصہ کے اُس کو آیا خیال
پھر تو جانا تھا مدرسہ کو محال

گھر کو آیا وہ اور آتے ہی
کہا مکتب میں ہو گئی چھٹی

آج بھی اُس کو یوں ہیں روک لیا
کیا دو روز کا سبق ناغہ

ایسے ہی ایسے چھوٹے چھوٹے کام
کرتا رہتا ہوں صبح سے تا شام

قابلِ ذکر یہ نہیں ہے مگر
ہاں فقط ہے ترے کرم پہ نظر

درحقیقت یہ بندۂ خادم
تجھ سے اے شاہ ہوں بہت نادم

جب کہ ابلیس نے یہ بات سنی
تخت سے بس اُچھل پڑا وہ شقی

دوڑ کر پھر لپٹ گیا اُس سے
شاد و مسرور ہو گیا اُس سے

فرطِ شادی سے کھل گئیں باچھیں
دی جگہ اُسکو اپنے پہلو میں

ہو کے خوش بار بار چومتا تھا
سر و پیشانی اُس کی چومتا تھا

اور پہنایا بھاری اک خلعت
تاکہ ہمچشموں میں بڑھے عزت

کہتا تھا بار بار ہو کر شاد
واہ کیا بات ہے تری اُستاد

گو بظاہر یہ کام ہے چھوٹا
اس کا در اصل فائدہ ہے بڑا

کیوں نہ ہو آزمودہ کار ہی تو
مرد دیرینہ ہوشیار ہے تو

دیکھی ابلیس کی جو یہ حالت
سارے شیطانوں کو ہوئی حیرت

کی یہ عرض اُس ہی نے جوڑ کے ہاتھ
کونسی ایسی یہ بڑی تھی بات

اس میں خوبی ہی کیا نظر آئی
دل سے ہے جو حضور کو بھائی

سہل ہے کمسنوں کو بہلانا
بہت آسان ہے دام میں لانا

بولا یہ سنکے وہ لعین خاموش ۔ تم کو ہرگز نہیں ہے عقل و ہوش
راہ سے دور ہو بھٹکتے ہو ۔ حرف بیہودہ تم جو بکتے ہو
تم کو ادراک ہے نہ کچھ احساس ۔ لغو ہے یہ تمہاری سب بکواس
علم سے اس کو جو رکھا محروم ۔ بھید اس کا تمہیں نہیں معلوم
یہ رہیگا اگر یونہیں جاہل ۔ نیک و بد زشت و خوب سے غافل
اُس سے جو کام چاہینگے لینگے ۔ جو فریب اُس کو چاہینگے دینگے
میرے کہنے کا گر یقین نہ ہو ۔ تو اُٹھو آؤ میرے ساتھ چلو
کہہ کے یہ ساتھ لے گیا بدخو ۔ ایک اونچے پہاڑ پر سب کو
گوشہ گیر اس جگہ تھا اک زاہد ۔ جو بڑا پارسا تھا اور عابد
تھا وہ مصروف طاعت معبود ۔ رہتا تھا صبح و شام سر بسجود
بے خبر علم سے مگر وہ تھا ۔ کچھ بھی مطلق نہ تھا پڑھا لکھا
پاس ابلیس اُس کے جب پہونچا ۔ جھک کے تعظیم سے سلام کیا
سرو قد جھوم کر کہا اُس سے ۔ حق نے بھیجا ہے اک پیام تجھے
نام میرا ہے جبرئیل امیں ۔ آیا ہوں آسماں سے سوئے زمیں
کی عبادت تری خدا نے قبول ۔ پیش حق تو ہے بندۂ مقبول
تیری طاعت ہوئی خدا کو پسند ۔ تیرا رتبہ کیا ہے حق نے بلند
آسماں پر تجھے بلایا ہے ۔ مرتبہ تیرا یوں بڑھایا ہے
کی ہے اللہ نے تیری دعوت ۔ تا عیاں سب پہ ہو تری عظمت
کی ہیں تیاریاں ضیافت کی ۔ نعمتیں سب ہیں باغ جنت کی
اب میں آیا ہوں تیرے لینے کو ۔ دیر ہرگز نہ کر چل اے خوشخو
بولا عابد مجھے نہیں انکار ۔ ساتھ چلنے کو تیرے ہوں تیار
بولا ابلیس لاتا ہوں میں براق ۔ واسطے تیرے سج کے ساز و یراق
پر یہ ہے حکم خالق داور ۔ پٹی آنکھوں پہ باندھ لو کس کر

تا فرشتوں سے تو نہ ڈر جائے
ہو گیا عابد اس پہ بھی راضی
وہیں ابلیس لایا ایک گدھا
جانب پشت منہ گدھے کا تھا
کر کے زاہد کا آدھا منہ کالا
شہر میں آ گیا قریب سحر
چاندنی چوک تک وہ جب پہنچا
بولا ابلیس اب میں عاجز ہوں
الغرض دیکھے خوب دم دھاگا
یہ تو اس طرح سے رہا اس جا
کہتا تھا اپنے ساتھیوں سے شقی
ہے یقیں اب بھی میرے کہنے کا
بولے سب ہے بجا خیال حضور
اب سنو حال زاہد ناداں
جھٹپٹا صبح کا تھا کچھ باقی
ہر طرف تھا سکوت کا عالم
راستے سے کوئی نہ چلتا تھا
مرغ ادھر بولتے تھے لگر دن کو
دن نکل آیا اتنے میں بارے
ہوئے زاہد کو دیکھکر حیراں
کہتے تھے سب یہ کیا تماشا ہے
بولے اے شخص کون ہے تو بتا
بولا حسب الطلب میں ہوں آیا

اُن کے بالکل مہیب ہیں چہرے
باندھ لی کس کے آنکھوں پر پٹی
اس پہ زاہد کو یوں سوار کیا
اُن کی دم کی طرف تھا منہ اسکا
نصف شب کو وہاں سے وہ نکلا
بجنے والا تھا کوئی دم میں گجر
اتنے میں بس اوجالا ہو ہی گیا
میرے جل جائیں پر جو آگے بڑھوں
وہیں زاہد کو چھوڑ کر بھاگا
اور ابلیس اپنے گھر پہنچا
کیوں ہے کچھ اب بھی تمکو شک باقی
کیا نتیجہ ہے جہل کا دیکھا
ہم ہیں نادم معاف کیجئے قصور
گزری کیا سر پہ اُس گدھے کے وہاں
ابھی جاگا تھا نیند سے نہ کوئی
وہاں کسی کا گزر نہ تھا اس دم
چلتی تھی صرف ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
اور زاہد ادھر تھا ششدر یوں
چوک میں لوگ آ گئے سارے
طرفہ یہ دل لگی کا تھا ساماں
سخت حیرت ہے ماجرا کیا ہے
اور ہے کس لئے یہاں آیا
مجھ کو جبریل ہے یہاں لایا

مجھ کو خالق نے یاد فرمایا / میں نے طاعت کا یہ صلہ پایا
جب تو سمجھے یہ خاصہ ہے اُلّو / مارے جانٹوں کے کردیا اُلّو
لڑکے سب تالیاں بجاتے تھے / اور ہنس ہنس کے کہتے تھے ہر
کوئی پڑھتا تھا شکل پر لاحول / کوئی سر پہ لگاتا تھا اک دھول
اتنے تھپڑ پڑے کہ سوجے گال / پہلے کالا تھا منہ ہوا اب لال
پٹ گیا اُس کے ساتھ مرکب بھی / خوب دونوں گدھوں پہ مار پڑی
پیٹھ پر وہاں برستے تھے کوڑے / یہاں گلے میں تھے پیچ پگڑی کے
اُس کی کھال اس کی اُڑگئی دستار / بدھی پہنی گدھے نے اس نے ہار
الغرض سب کو دل لگی سوجھی / خوب ہی گت بنائی زاہد کی
رہا باقی نہ جامہ میں اک تار / پھٹ کے دستار کے ہوئے سو تار
اور پٹک کر اسے زمیں پہ گدھا / اک طرف دم دبا کے بھاگ گیا
ہوگیا جب یہ حال زاہد کا / پھر تو گھبرا کے چیخنے وہ لگا
بولا یارب یہ ہے مصیبت کیا / تیرا دربار اور یہ ظلم و جفا
میں تو آیا تھا تیری دعوت میں / پڑ گیا ہوں یہ کیسی آفت میں
واہ کیا شان کبریائی ہے / بدلے کھانے کے مار کھائی ہے
بن گئی گت یہ کیسی میری آج / میں تو سمجھا تھا ہوگئی معراج
بولے یہ سنکے لوگ اے ناداں / ہوش میں آ ہے تیری عقل کہاں
کب خدا نے تجھے بلایا ہے / شاید ابلیس تجھ کو لایا ہے
ہوتی دعوت فلک پہ کب تیری / کیا فرشتوں کو سمجھا باورچی
پیٹ بھر کر جوتیاں کھائیں / اب بھی سیری تجھے ہوئی کہ نہیں
زاہد القصہ بعد رسوائی / جانب کوہ ہوگیا راہی
بمزاحت نگفتم ایں گفتار / منزل بگزار و حد از دو بردار
یہ نہ سمجھو فقط حکایت ہے / یہ حکایت نہیں درایت ہے

چاہئے علم ہم کریں حاصل — دائم اُس کی طرف رہیں مائل
اپنی اولاد سے نہ ہوں غافل — اُنکو ہرگز نہ ہونے دیں جاہل
شرف آدم نے علم سے پایا — شاہد اس پر ہے عَلَّمَ الاسما
ہے ابوجہل پیروِ شیطاں — گو بظاہر ہے صورت انساں
کہہ دیا جہل کا جو تھا انجام
لمعہ کرتا ہوں اب میں ختم کلام

از نواب خواجہ وحید الدین صاحب عدیل

دمِ مردن جو آئے تھے گھڑی بھر تو ٹھہر جاتے — ادھر ہم جان سے جاتے اُدھر تم اپنے گھر جاتے
رہا ہو کر قفس سے مر نہ جاتے تو کدھر جاتے — چمن میں ہائے کیا منہ لیکے ہم بے بال و پر جاتے
یہ تاریکی یہ سناٹا اکیلے آپ گھر جاتے — چلو بس جا چکے بیٹھو کہاں جاؤ کدھر جاتے
دمِ پرسش خدا کے سامنے کیسا مزا ہوتا — وہاں بھی تم اگر میری محبت سے مکر جاتے
غضب کے چلتے پرزے ہیں نگاہ یار کے پیکاں — جگر بچتا اگر ان سے تو یہ دل میں اُتر جاتے
ہماری دعویٔ برداشت نے رکھا ہمیں محروں — ڈرانے سے کسی کے کاش ہم دانستہ ڈر جاتے
زمانہ کی دو رنگی کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا — تمہارے گیسوئے پرخم جو عارض پر بکھر جاتے
امید وصل نے اب تک ہمیں زندہ رکھا ورنہ — تری فرقت کے ہاتھوں ہم ستمگر کب کے مر جاتے
اگر ہم سچے دل سے قدر کرتے اپنی الفت کی — نہ آہیں بے اثر جاتیں نہ نالے بے اثر جاتے
یوں ہی اچھے تھے پہلے بات تو وہ پوچھ لیتے تھے — نہ اپنا دل انہیں دیتے نہ یوں دل سے اُتر جاتے
بہت اچھا ہوا جو آپ پر مرنے کی ٹھہرائی — اگر ہم سو برس جیتے تو کیا اک روز مر جاتے
عدیل انکی عنایت ہے جو وہ کرتے ہیں دلداری
غضب ہوتا اگر وہ نقد دل لیکر مکر جاتے

بیدر

سلاطین بہمنیہ کے مقبرے

(۱) موضع اشٹور کے قریب سلاطین بہمنیہ کے رفیع الشان مقبرے ایک ہی قطار اور ایک ہی سلسلہ میں واقع ہیں اس کی ابتدا اعظم السلاطین شہاب الدین احمد شاہ ولی البہمنی کے خوشنما اور عالیشان مقبرے سے ہوئی ہے اس کا عرض وطول اور بلندی بیس بیس گز ہے اندر کی جانب تمام دیواروں اور چھت پر نظرفریب سنہری نقش ونگار اور دلکش رنگا رنگ گلکاری کی ہوئی ہے مطلا حرفوں میں آیات قرآنی متفرق مقدس کلمات ۔ فارسی اشعار اور سلطان کا شجرہ لکھا ہوا ہے ۔ مشہور ہے کہ چھت پر کی تحریر میں بجائے نقطوں کے گیارہ ہیرے لگے ہوئے ہیں گنبد میں تاریکی ہونے ۔ اور تحریر طغرادی خط میں رہنے کی وجہ سے بالتسلسل پڑھی نہیں جاسکتی ۔ اس کے علاوہ وہ اکثر جگہ سے مٹ بھی گئی ہے ۔ خصوصاً غربی دیوار پر کے حروف اور زیادہ محو ہوگئے ہیں گنبد کے تین دروازے شمال ۔ جنوب اور غرب رویہ ہیں ان میں سے کسی ایک کی چوکھٹ میں اکثر اوقات دھوپ رہتی ہے ۔ اگر آئینہ دھوپ میں رکھ دیا جائے اور اس کا عکس چھت پر ڈالدیا جائے تو تمام نقش ونگار بخوبی نظر آسکتے ہیں ۔ ورنہ بلندی اور تاریکی کی وجہ سے جیسا کہ چاہئے اس کا نظارہ نہیں دکھائی دیسکتا ۔

اس گنبد کے بازو ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے ۔ گو موضع اشٹور یہاں سے بالکل قریب ہے لیکن مسجد بالکل غیر آباد ڈالدی گئی ہے

احمد شاہ نہایت عابد اور صاحب ولایت بادشاہ تھا دنیادی عیش وعشرت اور بادشاہی شان وشوکت سے اُسے سخت نفرت تھی وہ کتابت کیا کرتا ۔ اور اس کی اجرت سے صرف قوت لایموت پر گزران کرتا تھا ایک وقت

ایک فقیر اس کے پاس آیا اور اس کا طعام خاص مانگا۔ بادشاہ نے مطبخ خانۂ عام میں اُسے بھیجنا چاہا۔ مگر جب اس نے نہ مانا۔ اور باصرار اسی چیز کی خواہش کی جو بادشاہ کے لئے تیار ہوتی ہے۔ تو آدھی روٹی جو کی۔ اور وہ بھی سوکھی ہوئی اور کچھ رکھا ہوا سالن لایا گیا فقیر بیحد متعجب ہوا۔ اور چونکہ مطبخ میں چلا گیا۔ اس سے احمد شاہ کی ریاضت اور نفس کشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ مقدس بادشاہ حضرت خلیل اللہ بت شکن کا مرید تھا۔ خلافت اور بیعت لینے کی اجازت بھی ان ہی سے پائی تھی عمر بھر میں سوائے ایک حرم محترمہ کے کسی اور عورت سے تعلقات پیدا نہیں کئے۔

احمد شاہ سلطنت بہمنیہ کا آٹھواں تاجدار تھا ۸۲۵ھ ہجری میں سریر حکومت پر جلوہ افروز ہوا ۸۳۲ھ ہجری میں بجائے گلبرگہ کے بیدر کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ اور اس کا نام احمد آباد رکھا اور ۸۲۷ھ ہجری میں "ولی" مشہور ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس سال بیحد امساک باراں ہوا۔ ہرچند علما اور مشائخین نے نماز استسقا پڑھی اور دعائیں کیں مگر بارش نہیں ہوئی۔ اور خشک سالی کی بدولت جان و مال کا بے انتہا نقصان ہونے لگا۔ احمد شاہ نے خود نماز استسقا کا ارادہ فرمایا بادشاہ کا سر ہنوز سجدہ میں تھا کہ باران رحمت کا نزول ہوا۔ اور اس کثرت سے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں لوگ گھبرا گئے مگر احمد شاہ سربسجود ہی رہا۔ یہاں تک کہ سبھوں نے پکار کے کہا۔ اے احمد شاہ ولی تیری ولایت و کرامت معلوم ہوئی اب سر اُٹھا اور گھر کو چل" بادشاہ اسی بارش میں شہر کو واپس آیا اور اُسی تاریخ سے ولی مشہور ہو گیا۔ اس نے ۱۲ سال ۹ ماہ ۲۴ یوم سلطنت کی۔ اور ۸۳۹ھ ہجری میں رہگرائے عالم جاودانی ہوا۔ اس کا مزار درگاہ کے معزز لقب سے پکارا جاتا ہے جہاں ہمیشہ اور ہر وقت ایک خادم حاضر رہتا ہے۔ اور نذر و نیاز کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر سال عرس بھی ہوتا ہے اور اس کے اخراجات کے لئے ایک سو تیس روپیہ سرکار سے مقرر ہیں۔ خدام بارگاہ کے لئے اس کے علاوہ مشروط الخدمت

زمینات وقف ہیں۔ جنکی آمدنی تقریباً پانچ سو روپئے ہے۔ عرس کے زمانہ میں ایک حکیم ڈیڑھ سو ہمراہیوں کے ساتھ سنکھ بجاتا ہوا موضع ماڑوار ضلع گلبرگہ سے آتا ہے اور قبر پر پھول چڑھاتا ہے عرس کی ابتدا اسی قدیم رواج سے ہوتی ہے۔

سلطان کے مقبرے کے محاذی دو چھوٹے چھوٹے مقبرے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک میں آپ کے چھوٹے بیٹے سلطان حسن اور دوسرے میں آپ کی بیوی اور سلطان علاءالدین حسن ثانی کی والدہ مخدوم جہاں بیگم آرام کر رہی ہیں۔

(۲) سلاطین بہمنیہ کے مقبروں کے سلسلہ میں دوسرا نمبر سلطان علاءالدین ثانی کے مقبرے کا ہے۔ اس کا دروازہ سنگ موسی کا ہے اور چینی کے نقش ونگار سے مزین ہے۔ چھت پر کسی قسم کی گلکاری یا تحریر نہیں ہے۔

یہ سلطان علم وہنر کا قدرداں اور امور سلطنت سے واقف تھا اس نے ہر شہر میں ملازمین اور ہر گاؤں میں پولس قائم کی۔ قماربازی اور شراب نوشی کو قابل سزا جرم قرار دیا ۸۳۳ھ ہجری میں تخت نشین ہوا اور چوبیس سال سلطنت کر کے ۸۶۲ھ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کی قبر کچی ہے۔ اور بیچ میں سے ٹوٹ گئی ہے۔ غلاف وغیرہ موجود نہیں نہ جاروب کشی کا انتظام ہے بعض وقت اسکول کے طلبہ یہاں جمع ہوکر پڑھا کرتے ہیں اور وہ کوڑا اکچرا صاف کر دیتے ہیں۔

(۳) اس کے بعد سلطان ہمایوں شاہ بہمنی کا مقبرہ نہایت شکستہ اور افتادہ حالت میں عبرت کا مجسمہ بن کر پیش نظر ہوتا ہے۔ اس کے گنبد کا صرف کچھ حصہ جانب غرب وجانب شمال کا باقی ہے۔ بقیہ تمام گنبد بجلی کے صدمہ سے منہدم ہوگیا ہے۔ قبر پر مٹی اور پتھر کا بہت بڑا انبار لگا ہوا ہے۔

یہ بادشاہ بڑا ہی ظالم اور سفاک تھا۔ رعایائے بیدر اس کے ہاتھوں نالاں تھی ۸۶۳ھ ہجری میں تخت نشین ہوا اور شوال ۸۶۵ھ ہجری میں رات کے وقت عین حالت نشہ میں ایک کنیز کے ہاتھ سے مارا گیا۔

نظیری شاعر نے جس کو ہمایوں نے قید کیا تھا اس قطعہ میں اس کی تاریخ لکھی ہے۔

ہمایوں شاہ مرد در سمت عالم — تعالیٰ اللہ زہے مرگ ہمایوں

جہاں پر ذوق شد تاریخ مرگش — ہم از ذوق جہاں آرید بیرون

(۴) اس کے بعد متصل اور پانچ مقبرے ہیں کسی تاریخی شہادت سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کن کن بادشاہوں کی آرام گاہیں ہیں صرف خدام درگاہ شاہ احمد ولی سے جو واقفیت بہم پہونچی ہے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ہمایوں شاہ کے بازو سلطان نظام شاہ بہمنی آغوش لحد کے سپرد ہے گنبد یا تو گر گیا ہے یا یہ کہ بنایا ہی نہیں گیا۔ بہر حال اب صرف اطراف کی دیواریں تو موجود ہیں گنبد کا پتہ نہیں مٹی و پتھر کا کوئی انبار بھی قریب میں نہیں ہے قبر بے حد شکستہ حالت میں ہے اور اس کے اطراف بہت سا کچرا وغیرہ پڑا رہتا ہے۔

نظام شاہ آٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ملک التجار محمود گاواں اس کا وزیر تھا۔ اس لئے اس کی کمسنی سے سلطنت کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچ سکا۔ دو سال سریر حکومت پر جلوہ افروز رہ کر ۱۳ ذی قعدہ ۸۶۷ھ کو عین شب عروسی میں اس نے رحلت کی۔

(۵) اس کے بعد سلطان محمد شاہ ثانی بہمنی کا مقبرہ ہے جس کی چھت بالکل ٹوٹ گئی ہے اور اس کا انبار قبر پر پڑا ہوا ہے۔ یہ بادشاہ نظام شاہ کے بعد دس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا[1]۔ یہ بڑا شجیع اور جنگجو تھا اس کے زمانہ میں سلطنت کا رقبہ بہت وسیع ہوا۔ اور ہر قسم کی آمدنیوں میں توفیر ہوئی۔ یہ سب خواجہ جہاں محمود گاواں کی جاں بازی اور مدار المہامی کا طفیل تھا۔ بادشاہ نے

---

[1] آئینہ بیدر میں لکھا ہے کہ محمد شاہ ثانی بہمنی تخت نشین ہوتے ہی احمد آباد کا نام محمد آباد رکھا لیکن مولف صاحب تاریخ قندھار دکن فرماتے ہیں کہ" اورنگ زیب بہادر نے جب احمد آباد زیر قبضہ کرلیا اس کا نام احمد آباد سے محمد آباد بیدر بدل دیا"

نا عاقبت اندیشی سے ایک فرضی مخبری پر بلا تحقیقات جب اُسے قتل کر ڈالا تو سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ چو طرف خانہ جنگیاں ہونے لگیں اور اکثر صوبہ دار باغی اور سرکش ہو گئے بیس سال سلطنت کر کے غرہ صفر ۸۸۷ھ کو اس نے وفات پائی تاریخ وفات کسی شاعر نے یہ کہی ہے۔

شہنشاہ جہاں شاہ محمدؔ　　که در بحر فنا ناگہ فرو شد

دکن چوں شد خراب از رفتنِ او　　خرابی دکن تاریخ او شد

(۹) محمد شاہ کے بازو اس کے جانشین سلطان محمود شاہ ثانی بہمنی کا مقبرہ واقع ہے۔ اس کے زمانہ میں سلطنت بہمنیہ کے حصے بخرے ہو گئے۔ عماد شاہ برار میں قطب شاہ تلنگانہ میں عادل شاہ بیجاپور میں۔ اور نظام شاہ احمد نگر میں خود مختار بادشاہ بن بیٹھے۔ اور گندم نما جو فروش امیر برید جو اس کا مدار المہام تھا، کل امور سلطنت پر حاوی ہو گیا۔ اور بادشاہ کو ایک عضو معطل کر دیا، ۳۷ سال ۲۰ یوم بادشاہت کر کے اس نے ۴ ذی حجہ ۹۲۴ھ ہجری کو انتقال کیا۔

(۷) محمود شاہ کے بعد سلطان احمد شاہ[عہ] ثانی بہمنی ۹۲۷ھ تک اور سلطان علاء الدین[عہ] سوم ۹۲۹ھ ہجری تک امیر برید کے زیر اثر برائے نام بادشاہ رہے ہیں۔ کتب تواریخ سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ یہ دونوں بیدر ہی میں مدفون ہیں مگر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان کا مزار کہاں اور کس جگہ واقع ہے۔ محمود شاہ کے مقبرہ کے

عہ یہ بادشاہ بہت ہی کم عقل عیاش اور شراب خوار تھا۔ امیر برید کا مقرر کردہ وظیفہ اخراجات شراب نوشی کیلئے کافی نہیں ہو سکتا تھا اسلئے اس نے تاج شاہی ٹکڑے ٹکڑے کر کے خفیتاً فروخت کر ڈالا دو سال ایک ماہ اس طرح سلطنت کر کے ۹۲۷ھ میں مسموم ہوا۔

عہ یہ سلطان بیدار مغز تھا۔ مگر امیر برید کے پنجے میں پھنسا ہوا نہ ہوتا تو بہت سے نمایاں کام کرتا۔ اس نے امیر کے قتل کی بھی فکر کی تھی مگر وہ عام سازشوں سے واقف ہو گیا اور سلطان کے ہمدردوں کو بری طرح سے قتل کر ڈالا حتیٰ کہ سلطان کو بھی ایسی تکلیفیں دیں کہ زیادہ روز زندہ نہ رہ سکا اور ۹۲۹ھ میں دنیا کے جھگڑوں سے پاک ہو گیا ۱۲۔

بازو اور دو مقبرے ہیں۔ مگر ان میں سے پہلا شاہ ولی اللہ بہمنی کا بتلایا جاتا ہے۔ یہ بادشاہ امیر برید کا وظیفہ خوار اور نظر بند تھا ۹۳۰ھ ہجری میں زہر دیکر مار اگیا۔

(۸) دوسرا مقبرہ شاہ کلیم اللہ بہمنی کا کہا جاتا ہے۔ امیر برید نے اس کو ۹۳۰ھ ہجری میں تخت بیدر پر بٹھایا تھا۔ اور صرف نظر بند ہی رکھنے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اس کی خوبصورت بی بی سے ناجائز تعلقات بھی پیدا کر لئے۔ اس لئے بادشاہ موصوف نے باظہار حالات ۹۳۲ھ ہجری میں شاہ بابر سے مدد مانگی۔ برید کی عیاری کوئی معمولی نہیں تھی۔ بجائے اس کے کہ اس فریاد کا کوئی مفید نتیجہ مترتب ہوتا یہ راز افشا ہو گیا۔ اب بادشاہ بہت گھبرایا اور بیدر سے فرار ہوکر احمد نظام شاہ بحری کے پاس احمد نگر چلا گیا۔ مگر وہاں بھی اُسے چین نصیب نہیں ہوا اور وہیں ۹۳۴ھ ہجری میں زہر دیکر مار ڈالا گیا۔ اور لاش بیدر میں لائی گئی اس کے بعد امیر برید خود مختار بادشاہ بن گیا اور اپنا لقب برید شاہ رکھا بہمنیوں کے خاندان میں (۸۶) سال حکومت رہی۔

باقی آئندہ

فلسفۂ ابر

او مستِ خرام ناز بادل
تو جھوم کے جب فلک پہ آیا
وہ آئی نسیم صبح گاہی
پتا پتے سے ملکے باہم
سبزہ کروٹ بدلکر اُٹھا

ذی روح ترے لئے تھے بیکل
اک ابر نشاط سر پہ چھایا
ہر سمت بچھا نے فرش کاہی
کرتا ہے ادائے خیر مقدم
تھا خواب میں آنکھ ملکر اُٹھا

دھلنے لگی سب کی گرد کلفت ہر برگ ہے آئینہ کی صورت
فرحت سے یہ حال ہو رہا ہے ہر نخل نہال ہو رہا ہے
کلیاں چٹکیں شگوفے پھوٹے قدرت نے اُگائے بیل بوٹے
پڑتی ہے پھوار ہلکی ہلکی بجلی بھی دکھا رہی ہے جھلکی
کویل کی ہے کوک مور کا شور مستوں کے جنوں کو ہو گیا زور
کائی ہر سو جمی ہوئی ہے سبزے کی ہوا بندھی ہوئی ہے
تالاب بھرے ہوئے وہ جل تھل جنگل میں منا رہے ہیں منگل
سُن سُن کے وہ سوتوں کے ترانے مینڈک گاتے ہیں شادیانے
گرتا ہے پہاڑ سے جو پانی دیتا ہے صدائے لن ترانی
کونپل پتوں میں پھول میں پھل گر آج نہیں تو آئینگے کل
ندی نالے بھرے ہوئے ہیں کوہ و صحرا ہرے بھرے ہیں
اللہ ری تیری خوش انتظامی ہر شے کی بجھی ہے تشنہ کامی
تو کیا آیا کہ جان آئی اک زندہ دلی کی شان آئی
بیخوف کھلے شراب خانے میخوار چلے کھلے خزانے
ساغر دیکھے جو کورے کورے ڈالے بنت العنب پہ ڈورے
اک شور ہے تیری خیر ساقی نشہ کی دکھا دے سیر ساقی
حیلہ کر اب نہ کچھ حوالہ بھر دے جھٹ پٹ ذرا پیالہ
کہتا ہے کوئی وہ بادل آیا آنکھوں میں سرور و کیف چھایا
کرتا ہے کوئی خطاب تجھسے ہستی کی ہے آب و تاب تجھسے
سب تیرے کرم کا ہے ظہورا تو ہے اپنے گنوں میں پورا
یہ سب تھے خیال شاعرانہ سُن اپنا حقیقی اب فسانہ
گردش جو زمیں نے دوری کھائی گرمی خورشید نے دکھائی
پانی نے مٹائی اپنی ہستی کی گرم ہوا نے پیشدستی

پستی سے جو اوج پر تو آیا
نظروں سے جہاں کے تھا تو مخفی
اُس نے موجود کر دکھایا
پانی کے ذرے ذرے سے ذرے
مٹ جاتی ہے جب ہوا کی گرمی
باہم ملتے ہیں ایسے ذرے
پھر چلتی ہوا ہے ٹھنڈی ٹھنڈی
لیکن جو ہوائے گرم آئے
فوراً تجھے منتشر بنا دے
ہو تیرا پہاڑ پر جو دورہ
رہتی ہو وہاں زیادہ سردی
ہے بات یہی کہ ملک جو جو
کرتا ہے تو سیر انھیں زیادہ
آتا ہے نظر بلند کتنا
ہوتی ہے کبھی کبھی یہ دوری
مشہور ہے یہاں جہاں کہیں رنگ
لیکن نہیں کچھ محل حیرت
رنگوں میں ہیں تین رنگ اصلی
باقی ہوتے ہیں رنگ جتنے
زردی میں ملاؤ جو سیاہی
سبزی سُرخی اگر ہو یکجا
سرخی سے سیاہی گر ملیگی
زردی سرخی سے گر ملی ہو

سردی نے کچھ اور گل کھلایا
صورت میں بخار غیر مرئی
پلٹی تیری عدم سے کایا
دامن میں ترے بھری ہیں رہتے
یک جا ہوتا ہے جم کے پانی
چھٹتے نہیں ایک دوسرے سے
گرتا ہے چھلک چھلک کے پانی
ذرے پانی کے جذب کر لے
کر دے تیرے جتھے کو ٹکڑے
پانی گر جائے ذرہ ذرہ
لے لیتی ہے اجزوں کی گرمی
آباد پہاڑ پر ہیں اُن کو
سرسبز وہ رہتے ہیں ہمیشہ
چھے میل سے پر نہیں تو اونچا
رہتا دگر نہ میل پر ہی
تیرے رنگوں کی عقل ہے دنگ
سوچو تو ہو منکشف حقیقت
سرخی۔ زردی ہے اور سیاہی
ترکیب وہ پاتے ہیں انہیں سے
پیدا رنگت میں ہو گی سبزی
ہو جائیگا رنگ خاصا اُودا
بن جائیگا رنگ کا کریزی
پیدا رنگت بھی چمپئی ہو

تینوں کو اگر ملائے گا
رنگت ایسی بنے نرالی ؎
جو چیز ہمارے آگے گھومے
ہے ضعف نظر نصیب انساں
یا یوں کہیے تمام مل کر
خورشید کی بس یہی ہے حالت
گردش میں ہے لیکن اس کی تیزی
لیکن ہیں شعاعیں غیر تشبیہ
پھیلی ہوئی ہیں فلک پہ ساری
پڑ جاتا ہے جس کا عکس تجھ پر
خورشید کے ہیں یہ کھیل سارے
بخشی ہے تجھے نرالی رنگت
القصہ ہے تو کچھ ایسی صنعت
جو غور کریگا ہو گا قائل
فطرت انسان کی ہے ایسی
دوڑاتا ہے عقل کے وہ گھوڑی
ہر چیز کا کھوج ہے لگاتا
کرتا ہے کبھی زمین کی سیر
ہو جاتی ہے جتنی واقفیت
لیکن آخر میں چل کے انساں
پیدا ہوتی ہیں ایسی باتیں ؎
اُس دم عقل سلیم والے
سچ پوچھو اگر تو فی الحقیقت

اس رنگ کا نام کچھ نہ ہوگا
کچھ کہہ نہ سکیں مگر سپیدی
کہ اس پہ ہوں رنگ سو طرح کے
ہو جاتے ہیں سارے رنگ پنہاں
آتے ہیں نظر سپید یکسر
اس میں ہر قسم کی ہے رنگت
آتی ہے نظر فقط سپیدی
رنگ و روغن میں مختلف فیہ
آتی ہیں نگاہ تک ہماری
ہو جاتا ہے تو اُسی کا ہمسر ؎
ہیں رنگ برنگ تیرے ٹکڑے
نظریں ہیں جہاں کی محو حیرت
ظاہر ہے خدا کی جس سے قدرت
سبحانک ما خلقت باطل
کرتا ہے تلاش ماہیت کی
ممکن ہوتا ہے جتنا اُس سے
ہر شے کے خواص آزماتا
ہوتا ہے کبھی کبھی فلک سیر
بڑھتی ہے اُسی قدر طبیعت
رہ جاتا ہے ششدر اور حیراں
کچھ بھی آتیں نہیں سمجھ میں
ہو جاتے ہیں معترف خدا کے
ایمان اُسی کا ہے سلامت

اس طرح خدا کو جس نے جانا — پہلے سمجھا تو بعد مانا
بتلائے یہ فلسفی تو کوئی — خورشید میں ہے کہاں کی گرمی
رنگ اتنے کہاں سے اس میں آئے — کس طرح یہ جلوے اُس نے پائے
گردش جو زمین کھا رہی ہے — آخر اس کا سبب کوئی ہے
قوت ہے کشش کی اس میں کیسی — اُس نے کس سے یہ چال سیکھی
گرمی پڑتی ہے پڑنے دیجئے — کیوں اُڑتا ہے پانی بنکے ذرے
ہوتی ہے ہوائے گرم ہلکی ہو — ہے وجہ ضرور اس کی کوئی
ان سب کا جواب فی الحقیقت — بس یہ ہے کہ ہے یہ اُن کی فطرت"
فطرت ہر چیز کی جدا ہے — سب مل کے زمانہ چل رہا ہے
لیکن فطرت بنانے والا — ہے کون سوائے حق تعالےٰ
یارب تیرا ہے جلوہ ہر سو — ہر گل میں بسی ہے تیری خوشبو
جتنے نیرنگ ہیں جہاں کے — تیری قدرت کے ہیں کرشمے
جو کچھ چاہا وہ کر دکھایا — کُن سے کونین کو بنایا
صنعت کا تری نہیں ٹھکانا — دشوار ہے تیرا بھید پانا
چاہے تو ابھی فنا ہو عالم — ظاہر ابھی دوسرا ہو عالم
کچھ طرفہ ہے تیرا کارخانہ — جینا مرنے کا ہے بہانہ
صنعت کا تیری شمار بھی ہے — پوشیدہ بھی آشکار بھی ہے
تو ہی اول ہے تو ہی آخر — تو ہی باطن ہے تو ہی ظاہر
اپنی قدرت کے کارخانے — سچ تو یہ ہے کہ تو ہی جانے

گویائی عندلیب کیا ہے
خالق مرے سب تری عطا ہے

محمد عبدالوہاب عندلیب
حیدرآبادی

کوہ لبنان

یہ نام اگرچہ ایک پہاڑی کا ہے مگر حقیقت میں ان کو دلچسپیوں کا وطن کہنا چاہئے جس کے دلچسپ واقعات سے غالباً ناظرین محظوظ ہونگے۔

شہر بیروت واقع شام (ملک عرب) کی آبادی کے اختتام پر اس پہاڑ کی آبادی اور بلندی آغاز ہوتی ہے۔

ڈی۔ ایچ۔ پی (بیروت) ریلوے لائن کے ذریعہ سے جو فرنچ کمپنی کی ہے اس پہاڑ پر سے گزر کر شہر دمشق کو جاتے ہیں۔

نہایت قدیم زمانہ سے لبنان کے سبزہ زار دلکشی اور طراوت کے باعث مشہور زمانہ ہیں۔

چنانچہ متبنی شاعر نے اس پہاڑ کی نسبت کہا ہے

وعقاب لبنان وکیف یقطعها وهی الشتاء وصیفهن شتاء	لبنان کا عقاب کیونکر اس کو طے کر سکتا ہے بحالیکہ یہ پہاڑ ہمیشہ سرد رہتا ہے اور اسکی گرمی بھی سردی ہے۔

تمدن عرب صفحہ ۱۴۹ سطر ۶ و ۷ میں اس کی نسبت مرقوم ہے۔

"لبنان کے پہاڑ نہایت بیش بہا لکڑی کے جنگلوں سے ڈھکے ہوئے ہیں ان پر بلوط دیودار اور چیل وغیرہ کے درخت بکثرت تھے"

اب اس ریلوے لائن کی بدولت لبنان کی آبادی نے اور وسیع شکل اختیار کر لی ہے اور اس کی دلچسپیاں زیادہ آسانی کے ساتھ مہیا ہو گئی ہیں۔ شہر دمشق سے بیروت تک (۲۶) ریلوے اسٹیشن ہیں سولھواں اسٹیشن موسوم بہ جدیتا شتور ا سے اس پہاڑ کا آغاز ہے پوری (۴) گھنٹے میں ریل چڑھکر اترتی ہے۔

گھاٹ جی۔ آئی۔ پی ریلوے جب بمبئی کے قریب کھنڈالہ گھاٹ پر چڑھتی ہے تو دو انجن ریل کے ڈبوں کو لگائے جاتے ہیں مگر یہاں صرف ایک ہی مختصر مگر خوشنما انجن دس بیوں کا ریل کو لیکر چڑھتا اترتا ہے۔ مجھے اس موقع پر انجن کی رفتار اُس عربی گھوڑے کی سی معلوم ہوئی جو اپنے سوار کو لیکر ناز و انداز سے چلتا ہے۔ اس پہاڑ پر بجائے دو پٹریوں کے ریل کی تین پٹریاں ہیں۔ درمیانی ناپائدار پٹری زمین پر جاتی لگی ہے جو شکل ارہ کے ہے جس کو برک کے ذریعہ سے روکتے جاتے ہیں۔

سرنگیں چار سرنگیں بھی پہاڑمیں ہیں جن کے اندر سے ہوکے ریل گذرتی ہے۔

منظر سطح زمین سے جب پہاڑ اور اُس کی چوٹی پر نظر کی جاتی ہے تو پہاڑ کے چھتنارے درختوں سے سبز اور سفید رنگین بنگلوں کی چمک دمک آنکھوں کو خوش آیند طراوت بخشتی ہے۔ اور پہاڑ کی چوٹی ابر سے ڈھکی ہوئی معلوم ہوتی ہے نظر کو صرف دھواں دکھائی دیتا ہے اور کچھ نہیں۔

ریلوی اسٹیشن اس پہاڑ پر دس ریلوے اسٹیشن ہیں جن کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) جدیتا شتورا (۲) مریجات (۳) عین صوفر (۴) بحمدون (۵) علی (۶) عاریا (۷) جمہور (۸) بعبدا (۹) حدث (۱۰) بیروت

مسافت پہاڑ کے اُتار چڑھاؤ کی مسافت (۴۷) کیلو میٹر (تقریباً ۴۸ ہزار گز) ہے ایک کیلو میٹر مساوی ہے ایک ہزار میٹر کے اور ایک میٹر تین فٹ ۳ $\frac{3}{8}$ انچ کے مساوی ہے۔

زر لگان ٹرکی گورنمنٹ کی جانب سے یہ پہاڑ رعایا کو بغرض آبادی دیا گیا ہے مگر اُن کو زر مالگزاری معاف ہے صرف

گرڈر گیری کا محصول لیا جاتا ہے۔

زرخیزی تمام پہاڑ۔ انگور۔ انجیر۔ شہتوت۔ انار کے درختوں سے سرسبز ہے جس میں جابجا خوشنما چھوٹے چھوٹے بنگلوں سے منظر کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ ہندو دکن کے پہاڑوں پر جس طرح گھاس اُگتی ہے اس طرح اس پہاڑ پر انگور کی بیلیں ہیں۔

آبادی زبان مدارس وغیرہ عیسائی۔ یہودی۔ ترک یہاں آباد ہیں۔ عیسائی زیادہ ہیں۔ کل اقوام کی زبان عموماً عربی ہے۔ اور تعلیم کے لئے مدارس موجود ہیں۔

اسٹیشن کا منظر جس وقت ریل کسی اسٹیشن پر ٹھہرتی ہے تو نوجوان مردوں عورتوں اور طلبا کا مجمع نظر آتا ہے جو ریل سے اُترنے اور اس پر سوار ہونے کے علاوہ ریل اور مسافروں کا تماشہ دیکھنے بھی جمع ہوتے ہیں قدرت کی فیاضی نے جس طرح اس پہاڑ کو سرسبزی اور زرخیزی کا بے مثل نمونہ بنایا ہے۔ اسی طرح وہاں کے باشندوں کو حسن و دلکشی سے بھی پورا حصہ دیا ہے جس کے بغیر اس منظر کی دلکشی پوری نہیں ہو سکتی تھی سچ تو یہ ہے کہ گورے گورے خوبصورت نوجوان مردوں، عورتوں کی چہل پہل اس موقع پر پرستان کے اس خیالی لطف کی زندہ تصویر بن جاتی ہے جس کا ہمارے تھیٹروں میں محض سراب نظر آتا ہے۔

میوہ جات میوہ جات اپنی کثرت کے باعث یوں سمجھئے کہ بے قدر ہیں کابلیوں کی نسبت مشہور ہے کہ جب وہ اپنے وطن سے آکر ہندوستان میں میووں کی گرانی دیکھتے ہیں تو ان کو سخت تعجب ہوتا ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ میوے تو ہمارے جانوروں کے کھانے کے ہیں اسکی صداقت ہم کو لبنان۔ دمشق و بیروت جا کر معلوم ہوئی۔ ریل کے چلتے وقت انگور کے خوشے اور انجیر درختوں اور بیلوں سے توڑ کر مفت ریل کے ڈبوں میں

پھینکتے رہتے ہیں۔ بازار کے علاوہ اسٹیشنوں پر میوہ جات انگور۔ انجیر شہتوت انار۔ کثرت سے خوبصورت عورتیں اور بچے لاتے اور ارزاں بیچتے اور اُن کی خریدی پر اس قدر منت دلجاجت کرتے ہیں کہ شاید ہی کوئی سخت دل ہوگا جو اُن کے خریدنے سے مونہہ پھیر لے۔ انگور۔ انجیر۔ شہتوت کی حالت وہاں حیدرآباد دکن کے سیتا پھل کی سی ہے۔

پرندے شکار وذبح کئے ہوئے اور بال وپر سے صاف شدہ پرندے اسٹیشنوں پر فروخت ہوتے ہیں۔

قہوہ خانے عرب میں قہوہ خانوں پر انسانی زندگانی کا دارومدار ہے چنانچہ اس پہاڑ پر بھی نہایت خوشنما اور آراستہ قہوہ خانے موجود ہیں۔

ہوٹل ترکی زبان میں ہوٹل کو لوکندہ کہتے ہیں اور اسی معرب کرکے عربی میں بھی لوکندہ کہتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر لوکندہ بھی نہایت آراستہ اور اُنکا کرایہ بھی مثل بمبئی مدراس وغیرہ کے ہوٹلوں کی گراں نہیں ہے۔ کھانے کا انتظام لوکندہ میں نہیں ہے صرف سونے اور دیگر ضروری حوائج کا انتظام ہے جس کے متعلق روزانہ فی کس (۱۰ر) سے (عمہ) تک فیس ہوتی ہے۔

بازارات بازارات میں پارچہ ہمہ اقسام۔ پنیر۔ روٹی مچھلی۔ شراب بسکٹ۔ ترکاری۔ گوشت۔ زیتون۔ مرغ۔ انڈے ارزاں فروخت ہوتے ہیں۔

مسجد اس بلند پہاڑ پر ایک خوشنما مسجد بھی ہے جو اس پہاڑ کی بلندی پر اپنی شان اسلامی ظاہر کر رہی ہے۔

پولیس سردی میوہ جات کی کثرت اور عیش وعشرت کا جملہ سامان مہیا ہونے سے ریل چلتے وقت پولیس ریل کے اطراف کے ڈنڈوں کو

پکڑکر انجن سے لیکر اخیر ڈبہ تک گشت کرتی اور ہر ڈبہ کے پاسنجروں کو دیکھتی ہے
گارڈ کے ڈبہ تک پہونچکر دوسرے بازو سے شروع کرکے پھر انجن تک جاتی ہے
پہاڑ کے اتار اور چڑھاؤ کی حالت میں ٹرکی پولیس جس جوانمردی سے گشت
کرتی ہے وہ قابل تعریف ہے۔

سڑک ریلوے لائن کے علاوہ اس پہاڑ پر عمدہ سڑکیں بھی تیار ہیں جنپر
دو اسپہ بگیاں اور بائسکلیں دوڑتی نظر آتی ہیں۔

جس تاریخ کو ریل پر میں نے سفر کیا وہ ۹ شعبان ۱۳۴۹ھ ہجری تھی میوہ جات کا
موسم۔ انگور۔ انجیر بکثرت پہاڑ کے دامن میں گرمی تھی مگر جیسے جیسے ریل چڑھتی شروع ہوئی
سردی زیادہ ہونے لگی پہاڑ کی چوٹی پر ترشح کی حالت تھی دلچسپ اور دلفریب سبزی سے
دل ودماغ کو وہ لطف وسرور حاصل ہوتا تھا جس کا اندازہ وہی لوگ بخوبی کر سکتے
ہیں جنھوں نے اس کو دیکھا ہو۔

اکثر مقامات پر نہریں رواں ہیں۔ بعض مقامات پر نلوں کے ذریعہ سے
پانی پہنچایا گیا ہے غرضکہ تمام پہاڑ اعلیٰ ترین تفریح گاہ ہے

اس منظر کو دیکھکر دل یہی چاہتا تھا کہ چند روز اس پہاڑ کی سیر کی جائے۔
دور دراز ملکوں سے تفریح کے لئے مسافر آتے ہیں کہیں ناچ ہو رہا ہے کہیں گراموفون
تانیں بھر رہا ہے۔ کہیں باغوں کی لہلہاہٹ کہیں بازاروں کی بھیڑ بھاڑ۔
کاشتکاری و باغبانی کے کام بھی خوبصورت مرد وزن اپنے ہی ہاتھوں سے
کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کو قدرت نے بالخصوص اس منظر کی دلچسپی کے لئے
پیدا کیا ہے فقط

قادر مرتضی حسین۔ نائب محاسب کورٹ آف وارڈز

غزل کیفی

قیامت کی کشش ہے تیرے دور دار آنکھوں میں | کہ کھینچ آتی ہے جاں طالب دیدار آنکھوں میں

کبھی فرصت جو ملتی ہے تو تیر ہی راہ دیکھا کیے
فقط اب رہ گئے ہیں زیست کے آثار آنکھوں میں

ہوئی نذر جنوں جیب و گریباں آنسوں اپنی
گنا کرتے ہیں ہم نے آنسوؤں کے تار آنکھوں میں

مری پیش نظر ہے رات دن اک شوخ کا جلوہ
کہو آئے نہ نیند اب میری بیدار آنکھوں میں

سمجھتے ہو جسے تم مردمک وہ ہے رنگ کسکے
ہوا ہے جمع دود آتش رخسار آنکھوں میں

وہ آنکھوں آنکھوں میں کہتے کی باتیں اور کرتے ہیں
کہاں سے آگئی ہے قوت گفتار آنکھوں میں

کوئی دیکھے تمہاری دیکھنے والوں کی کیفیت
لہو میں جوش ہے دل میں محبت پیار آنکھوں میں

ہزاروں ایک سے ایک اچھی آنکھیں ہم نے دیکھی ہیں
مگر آنکھیں ہیں تیری آب حیا آنکھوں میں

اسے ذلت کی پروا ہے نہ بدنامی کا اندیشہ
اگر کیفی کی غیرت ہے تری سرشار آنکھوں میں

غزل نامی

نہیں کوئی دولت ہے ہمت سے بڑھکر
نہیں کوئی راحت ہے محنت سے بڑھکر

سدا تم رہو صلح اور آشتی پر
نہیں ہے جہاں میں کچھ الفت سے بڑھکر

خبر لیجئے بیکسوں کی ہمیشہ
نہیں کچھ جہاں میں مروت سے بڑھکر

غم اپنے پرائے کا ہر آن کھانا
یہ ہے عیش و عشرت کی نعمت سے بڑھکر

مصیبت میں کام آؤ تم ہر کسی کے
یہی حق پرستی ہے طاعت سے بڑھکر

ہو غافل خبردار دنیا ہے فانی
خرابی نہیں کوئی غفلت سے بڑھکر

کسی سے مصیبت کا اظہار کرنا
مصیبت یہ ہے ہر مصیبت سے بڑھکر

کہاں اُس کے پاس آگ ہے کوئی دولت
نہیں کوئی دولت قناعت سے بڑھکر

کسی پر ستم کر کے پھر رحم کرنا
یہ رحمت ہے لاریب رحمت سے بڑھکر

اثر خاک ہوگا نصیحت کا انکی
نصیحت ہے جنکی فضیحت سے بڑھکر

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ہے
یہی وقت اب ہے غنیمت سے بڑھکر

وہ پچھتائینگے ہاتھ مل کر اپنے
جو کرتے ہیں اسراف قدرت سے بڑھکر

سراسر وہ غفلت میں سوئے ہوئے ہیں
جو کہتے وطن کو ہیں جنت سے بڑھکر

اشارے جو ہیں چشم و ابرو سے کرتے
یہی حقیقت ہے غیبت سے بڑھکر
جو کرتے ہیں ظاہر ہیں شیریں کلامی
محبت ہے اُن کی عداوت سے بڑھکر
رہو رات دن صحبت نیک میں تم
نہیں کوئی تاثیر صحبت سے بڑھکر

مجھے فخر ہے سارے یاروں میں نامی
کہ ہرگز نہیں کوئی صولت سے بڑھکر

غزل شہید

یاد آتے ہیں جو دن آرام کے
ہائے رہ جاتا ہوں دل کو تھام کے
مضطرب بے خانماں وحشت زدہ
نام ہیں یہ عاشق ناکام کے
حضرت واعظ ہیں عاشق حور کے
یہ بھی نکلے آدمی کچھ کام کے
جس طرف لیجائیگا جائینگے ہم
ساتھ ہیں اب تو دل ناکام کے
دل شکستہ کی تسلی کے لئے
ساقیا رہنے دے ٹکڑے جام کے
ہم دعا کے واسطے پیدا ہوئے
یہ تو کہیے آپ ہیں کس کام کے
کیا غضب ہے وہ نہیں قائم مزاج
طور ہیں سب گردش ایام کے
جذب دل میں گر اثر کچھ بھی نہیں
کیوں چلے آئے کلیجہ تھام کے
دل کو توڑا جام ساقی توڑ کر
دل کے ٹکڑے ہیں ہیں ٹکڑے جام کے
اب خدا ہی دے رہائی زلف سے
چھٹتے ہیں قیدی کہیں اس دام کے
کون رکھے دوستوں سے اب امید
سب ہیں اے دل اپنے اپنے کام کے

مر کے اُٹھے اُس کے در سے اے شہید
ایک ہی ہو تم بھی اپنے نام کے

سید مہدی علی

نمائش

الہ آباد

تماشا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لئے وہ تماشے پر صرف ہمت کرنے سے کبھی نہیں تھکتا۔ اور چونکہ انسانی ترقی کا تقاضا ہے کہ ہر ادنی سے ادنی چیز بھی کوئی نہ کوئی مفید سبق سکھا جائے اس لئے عقلمند انسان کھیل تماشوں میں بھی کچھ ایسا اہتمام کرتے ہیں کہ دل لگی اور تفریح کے ساتھ ساتھ کوئی فائدہ بھی حاصل ہو جائے۔

الہ آباد جو اس بات سے شہرت رکھتا ہے کہ اس کی سرزمین پر تین دریا گنگا جمنا اور سرسوتی چوٹی کی طرح لہراتے ہوئے بہتے ہیں۔ آج کل ایک طرفہ تماشا بنا ہوا ہے۔

وہاں یکم دسمبر سنہ رواں سے ایک عظیم الشان نمائش کھل گئی ہے۔ اور اپنی نوعیت و عظمت کے لحاظ سے اس صدی کی سب سے بڑی نمائش کہی جاتی ہے۔ اس کی جلالت کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کفایت شعار گورنمنٹ انگریزی کا پندرہ لاکھ روپیہ اس پر اب تک اٹھ چکا ہے۔ بڑے بڑے روسا اور راجگان ہند اس کی رونق کو بڑھانے میں مصروف ہیں۔ ریلوے کمپنیوں نے نمائش دیکھنے والوں کے ساتھ کرایہ میں تخفیف کر دی ہے مقامی گورنمنٹ نے ملازمین کو خاص طور پر کچھ کچھ رخصت دی ہے کہ جا کر نمائش دیکھ آئیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ ہر قسم کی دل لگی اور دلچسپی کے سامان فراہم ہوں اور زیادہ فراہم ہوں تھیٹر۔ سرکس۔ کشتی۔ بائسکوپ۔ سینوٹیوگراف والے اپنی اپنی کمپنیاں لئے ہوئے پہنچ گئے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج کل الہ آباد کا جوبن بہار پر ہے۔ شہر کی آبادی چوگنی بڑھ گئی ہے۔ مکانات اور اشیائے خورد و نوش بہت مہنگے ہو گئے ہیں۔ شہر کے گرد و نواح میں ڈیروں اور خیموں کا ایک دوسرا شہر بس گیا ہے۔ اور ریل کی پٹری نمائش کے احاطہ تک لائی گئی ہے۔

یہ نمائش دراصل پیداوار دستکاری کی نمائش ہے لیکن۔ اُس کے ساتھ ہی صنعت وحرفت حیوانات نوادر ہند و یورپ و امریکہ۔ برق و بخار۔ کھیل کود مثلاً کرکٹ۔ فٹ بال۔ ہاکی۔ پولو شطرنج وغیرہ کی نمائش بھی اُس کا ضمیمہ بنائی گئی ہے۔ راجوں مہاراجوں نے اپنے یہاں کے نایاب و تاریخی ذخیرے بھیجدیے ہیں۔ اس صدی کی حیرت انگیز ایجاد یعنے ہوائی پرواز بھی دکھائی جائیگی ہوائی جہازات ۱۰ دسمبر سے اُڑنے لگینگے "اکس ریز" ایک تعجب خیز آلہ کا تجربہ بتایا جائیگا جس کی برقی شعاعیں جسم انسانی میں نفوذ کرکے اندرونی امراض کو تشخیص کردیتی ہیں اُس ٹیلیفون کی بھی نمائش ہوگی جس کے ذریعہ سے کسی مطلوب کی صورت نظر آسکتی ہے مچھروں کا وہ آلہ بھی رکھا جائیگا جس سے معلوم ہوگا کہ غلیظ پانی سے مچھر پیدا ہوکے ملیریا بخار پھیلایا کرتے ہیں۔ گندے پانی پر ان مچھروں کے انڈے تیرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً مچھروں کی شکل میں تبدیل ہو ہو کے ہوا میں اُڑتے جاتے ہیں۔ دو ریلوے انجن بھی ہیں جن میں ایک انجن وہ ہے جو سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین پر چلا تھا۔ ایک گائے کا سر بھی ہے جو ہاتھی کے سر کے برابر ہے۔ پشاور سے ایسے نفیس و لاجواب جوتے آئے ہیں جن کا وزن آدھی یا ایک چھٹانک سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ صنعت دنیا میں کم نظر آئیگی اس پر ہندوستان کو فخر کرنا چاہیے لکھنؤ کے کارخانہ کاغذ نے ایک تکلہ دہنوا کے بھجوایا ہے۔ برہما آئل کمپنی نے اس کو بنایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برہما کے مندر کس نمونہ پر بنائے جاتے ہیں۔ بے تار کی تار برقی کے عجائبات بھی دکھائے جا رہے ہیں جس کا سلسلہ میدان نمائش سے سنٹرل ٹیلیگراف آفس کے درمیان قائم کیا گیا ہے بجلی کی روشنی اور دیگر انجنیری کاموں کے آلات وغیرہ کو چلا کر معائنہ کرانے کے اعلان شائع ہو چکے ہیں جنمیں یقین دلایا گیا ہے کہ لوگوں کو موٹر کاروں بائیسکلوں۔ ہوائی کشتیوں وغیرہ کے پرزے درست کرنیکی بہت کچھ معلومات حاصل ہو جائیگی۔

ڈاکٹر عصمت اللہ اور پروفیسر رام مورتی وغیرہ نے اپنے مشہور آفاق شہزوری کے کرتب دکھانے کا وعدہ کیا ہے۔ اول الذکر نے حسب ذیل کرتب دکھانے کا اشتہار دیا ہے۔

(۱) دو موٹر کاریں ۲۰ گھوڑے کی قوت کی روکنا (۲) دو لوہے کی زنجیروں کو توڑنا (۳) ایک بڑے ہاتھی کو جسم پر سے گزارنا (۴) ایک بہت بڑے پتھر کو جسم پر رکھنا (۵) دو بیل گاڑیوں کو جو

آدمیوں سے بھری ہوئی ہونگی جسم پر سے گزارنا (۶) ایک کئی من کی نہائی کو سینہ پر رکھنا اور ۲۰، ۲۰ سیر کے ہتھوڑوں سے ایک لوہے کی گرم سلاخ کو کٹوانا وغیرہ۔

نمایش کے طبقات حسب ذیل ہیں

(۱) طبقہ زراعت (۲) طبقہ جنگلات (۳) طبقہ بافت (۴) طبقہ انجنیری (۵) طبقہ فنون لطیفہ و فنون صنعتی آرایشی (۶) طبقہ فلزات و سنگ و چوب (۷) اشیاء دستکاری جو دریا سے آئینگی۔ (۸) طبقہ فنون جاپان (۹) طبقہ تعلیمات (۱۱) طبقہ متعلقہ مستورات۔

علاوہ بریں جواہرات کا بھی ایک طبقہ ہے جس میں مختلف اقسام کے قیمتی جواہرات قرینہ سے سجائے جائینگے۔

طبقہ جنگلات میں بہت سے جانور۔ گینڈے۔ چیتے۔ شیر۔ ہرن وغیرہ اس طور پر ترتیب دیئے جائینگے کہ گویا اپنے قدرتی محیط میں زندہ ہیں۔ چار شیر شکار شدہ اس ہنرمندی کے ساتھ دکھائے جائینگے کہ زندہ معلوم ہونگے۔ پرندوں کا بھی ایک طبقہ قرار دیا گیا ہے جس میں سینکڑوں قسم کی مرغیاں بطخیں۔ مرغابیاں اور نایاب چڑیاں موجود ہونگی۔

نمایش کا پروگرام حسب ذیل ہے

(۱) پنجشنبہ یکم دسمبر ۱۹۱۰ء افتتاحی رسمیات

(۲) شنبہ پنجشنبہ و شنبہ یعنے ۶ - ۸ و ۱۰ دسمبر ۱۹۱۰ء گھوڑ دوڑ۔

(۳) شنبہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۰ء - آل انڈیا پولو ٹورنامنٹ کا آخری تماشا

(۴) دوشنبہ ۲۶ دسمبر سے شنبہ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۰ء تک۔ ممالک متحدہ و تمام ہندوستان کے پہلوانوں کی کشتی

(۵) چہارشنبہ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۰ء سے شنبہ ۳ جنوری ۱۹۱۱ء تک ہوائی جہاز اڑائے جائینگے۔ دو ہوائی جہاز اڑانے والے ولایت سے لائے گئے ہیں۔

(۶) دوشنبہ ۲ جنوری ۱۹۱۱ء - دوسرا پولو ٹورنامنٹ شروع ہوگا پولو ٹورنامنٹ آخری تماشا غالباً دوشنبہ بتاریخ ۹ جنوری ۱۹۱۱ء کو ہوگا

(۷) دوشنبہ ۱۶ جنوری ۱۹۱۱ء نفیس ہندوستانی تماشے شروع ہونگے۔

(۸) دوشنبہ ۲۳ جنوری سے شنبہ ۲۸ جنوری ۱۹۱۱ء تک آل انڈیا ہاکی ٹورنامنٹ نمایش کی زمین پر ہاکی کا آخری کھیل ہوگا۔

(۹) دوشنبہ ۶ فروری سے ۱۱ فروری ۱۹۱۱ء تک فوجی ٹورنامنٹ ہونگے۔

۱۰، دوشنبہ ۱۳، فروری ۱۹۱۱ء - آل انڈیا ٹینس ٹورنامنٹ شروع ہوگا۔

تعطیل کرسمس میں انڈین کانگریس کا اجلاس ہوگا اور میٹنگس وغیرہ بھی نمایش کے زمانہ میں بمقام الہ آباد ہونگی

نمایش میں بعض ترقی خواہان صنعت و حرفت نے انعامات بھی تجویز کئے ہیں چنانچہ مسٹر ڈیوڈ یول کلکتہ نے ایک ہزار روپیہ کا انعام اُس شخص کیلئے تجویز کیا جو کوئی ہندوستانی کھانا پکانیکا ایسا چولہا ایجاد کرے جسکی قیمت سات روپئے سے زیادہ نہ ہو۔

بانات کی گرگی سی عمدہ کپڑا بنانیوالے کو بھی انعام دیا جائیگا - نیز ایک نقرئی تمغہ ایسی کل کیلئے تجویز کیا گیا ہے جو آٹا میدہ پیسنے اور دال دلنے کی کل چلا سکے۔

نمایش میں جانیوالوں کے ساتھ ریلوے کمپنیوں نے بھی رعایتیں کی ہیں چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور ہیلکھنڈ کمپنی نے حسب ذیل انتظام کیا ہے۔

کرسمس کی تعطیلات کی رعایت کے علاوہ اول اور دوم درجہ کے مسافروں کو بارہ دن کے لئے صرف ایک طرف کا کرایہ دینے پر آمد و رفت کا ٹکٹ ملیگا۔ انٹرمیڈیٹ درمیانی، درجہ والوں کو پانچ پائی فی میل کے حساب سے چھ دن کے لئے آمد و رفت کا ٹکٹ ملیگا تیسرے درجہ کا آمد و رفت کا ٹکٹ ڈیوڑھا کرایہ دینے پر ملیگا۔ اس درجہ کے مسافروں کے لئے خاص گاڑیوں کا اہتمام کیا جائیگا اِن لوگوں سے ۸ر ٹکٹ نمایش کے بھی ریلوے ٹکٹ کے ساتھ وصول کرلی جائینگے۔ اِن لوگوں کو الہ آباد میں قیام کے لئے صرف ۳ دن ملینگے۔ اور آنے جانے کا کرایہ چار روپیہ سے زیادہ نہ ہو سکیگا۔

کمیٹی انتظام نمایش کی طرف سے قیام کا بھی انتظام کیا گیا ہے تین روپیہ یومیہ پر ہندوستانیوں کے لئے ایک خیمہ میں پلنگ - روشنی۔ گرم پانی وغیرہ کا انتظام کیا جائیگا - خواتین پردہ نشین سے دو روپئے لئے جائینگے۔ نوکروں سے ڈیرے کا کرایہ ۸ر روزانہ لیا جائیگا کھانیکی قیمت علحدہ دینی ہوگی جو قیام گاہ کے قریب ملیگا۔

ہمارے ملک سے بھی بعض ذی استطاعت اور خوش باش اس مختلف الفنون تماشہ کو دیکھنے تشریف لیجائینگے اور لے جا رہے ہیں اُن سے استدعا ہے کہ وہ اس تماشہ سے اپنے ملک کی بہبودی کا کوئی مفید سبق سیکھیں اور ایسی معلومات ہمراہ لائیں جس سے ابنائے ملک کو کوئی فائدہ پہونچے۔ تاکہ اُن کا وہ روپیہ جو نمایش کو دیکھنے میں صرف ہوگا بجا اور برمحل صرف ہو اور اس پر اسراف کا اطلاق نہ کیا جاسکے۔

سنا گیا ہے کہ نمایش میں شریک ہونیوالے ملازموں کو سرکار دو ہفتہ کی رخصت رعایتی دے رہی ہے یا دینے والی ہے اگر یہ صحیح ہے تو بہتر ہوگا کہ عام طور پر اس کا اعلان کردیا جائے تاکہ عشرہ شریف کی تعطیلات کے ساتھ اس رعایت کو ملاکر اچھی طرح ہندوستان کی سیر کرنے کا موقع حاصل ہوسکے۔ اڈیٹر

ہوئے۔ مکانات نمایش وغیرہ کیلئے مولوی سید کاظم علی صاحب صدر مہتمم صفائی اور مسٹر اسٹریلی مکانکل انجنیر متعین کئے گئے۔

یہ انتظامات کئے جارہے تھے کہ حیدرآباد کا پولیٹکل مطلع مکدر ہوگیا۔ متعدد ذمہ دار عہدہ داران ریاست سبکدوش کردیے گئے ۔ ہر شخص کو اپنی اپنی فکر پڑگئی اور اسی وجہ سے نمایش کی کامیابی کے متعلق خطرہ پیدا ہوگیا مگر نواب مدارالمہام سرکارعالی اور نواب معین المہام بہادر مال نواب محسن الملک کی توجہ سے تمام مشکلات آسان ہوگئیں اگرچہ دن بہت تھوڑے رہ گئے تھے تاہم کل انتظامات مکمل ہوگئے ۔ تین اول تعلقدار اور متعدد عہدہ داران بلدہ نمایش کے کام پر متعین کئے گئے۔

۸۔ جمادی الثانی ۱۳۱۰ ہجری مطابق ۲۸ دسمبر ۱۸۹۲ عیسوی کو ہز اکسلنسی سر آسمانجاہ نے بمعیت مسٹر ٹریور ریذیڈنٹ نہایت دھوم دھام کے ساتھ سہ پہر میں اس نمایش کا افتتاح کیا ۔ اگرچہ اعلیحضرت اقدس اعلیٰ بہ نفس نفیس اس کا افتتاح فرمانے والے تھے مگر نصیب دشمنان علالت مزاج کی وجہ سے رونق بخش نہ ہوسکے۔

نمایشگاہ کے دو حصے کئے گئے تھے ایک حصہ میں تین سو دکانیں جواہرات قیمتی اسباب اشیائے خوردنی وغیرہ کی لگی ہوئی تھیں اعلیحضرت اقدس و اعلیٰ مدارالمہام سرکارعالی ۔ معین المہام مال ۔ امرائے کبار ملازمان نمایش کے کمپ نصب تھے۔

دوسرے حصے مین وہ تمام سامان جو سرکاری اہتمام سے تیار کرایا گیا تھا یا جنکے مالکوں نے فروخت کے لئے روانہ کیا تھا رکھا گیا تھا ۔ اور نیز سامان تفریح وغیرہ بھی اسی حصہ میں موجود تھا تمام مصنوعات ملک سرکارعالی جنکا تذکرہ اس کتاب مین ہوچکا ہے موجود تھے ۔ پیداوار ملک سرکارعالی بھی رکھی گئی تھی ۔ مصنوعات ممالک ایک جدا حصہ میں

شالبافی کے سرکاری کارخانے کا تیار شدہ مال ایک ایک حصہ مین رکھا گیا تھا۔
نواب عماد نواز جنگ بہادر نواب عماد الملک بہادر مہاراج آصف نواز ونت بہادر نے
قدیم اور تاریخی نوادرات اور کمیاب اشیا سکوں وغیرہ کے ذخیرے اپنے اپنے
اہتمام سے جدا جدا خیموں مین بغرض نمایش رکھے تھے۔ حیدرآباد اسپننگ مل نے
ایک مقام پر اپنی گرنی کا سامان رکھا تھا۔ لکھنو۔ کانپور۔ آگرہ۔ جبلپور
جودھپور۔ پٹنہ۔ نگینہ۔ مرادآباد۔ بمبئی وغیرہ سے وہان کے تاجرون نے
بغرض فروخت مال روانہ کیا تھا۔ وہ بھی اسی حصہ مین رکھا گیا تھا۔

تھیٹر۔ شعبدہ بازی۔ کشتی وغیرہ کے تماشے بھی ہوتے رہتے تھے۔

دوسری قسم کے نمایشات مثل ترکاری وغیرہ کے لئے ایک ایک دن جدا
مقرر کیا گیا۔ کم وبیش پچاس لاکھ روپیہ کا مال کا جمع ہوا تھا۔ مگر اس میں
زیادہ قیمت جواہرات کی تھی۔ بسبب انتظام تھا مگر بہ لحاظ فروخت مال یہ
نمایش پوری کامیابی حاصل نکر سکی کیونکہ اعلیحضرت اقدس و اعلی بعلالت مزاج
کی وجہہ سے کسی دن بھی نمایش میں رونق افروز نہ ہوسکے تھے علاوہ ازیں مال
کی قیمت دوگنی چوگنی بلکہ دس گنی رکھ دی گئی تھی کل مال جو بشمول اشیائے
خورونوش فروخت ہوا اوسکی مقدار ایک لاکھ روپیہ تھی۔

ایم ہیٹلری نے دوکانون سے [illegible] کا اور سرکاری اسٹال سے [illegible] کا
مال خریدا

بارہ دن تک دھوم دھام کے بعد نمایش گاہ بند ہوگئی۔ چونکہ اسوقت
تمغہ جات تیار ہو رہے تھے اس لئے کاریگرون کو تقسیم نہ ہوسکے۔

نمایش برخاست ہونیکے بعد سید محمد حسین صاحب نے ایک تفصیلی رپورٹ
سرکار میں پیش کی اور ایک مختصر یادداشت پبلک کی اطلاع کے لئے شائع کی۔

اسی زمانہ مین ہز اکسلنسی سر آسمانجاہ بہادر وزارت سے مستعفی ہوگئے
اور اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد سید محمد حسین صاحب کا بھی انتقال ہوگیا جس کی

وجہہ سے تمغون کے تقسیم کی نوبت ہی نہ آئی اور نہ یہ اعلان ہوسکا کہ انعامات کے مستحق کون کون تھے - سنا جاتا ہے کہ ابھی تک معتمدی مالگزاری سرکار عالی کے دفتر مین وہ اسی حالت مین رکھے ہوے ہیں جسطرح وہ وہاں داخل ہوئے تھے -

یہ بھی سنا جاتا ہے کہ ایم ٹیلری جنھون نے نمایش سے مال خریدا تھا وہ دیوالیہ ہوگئے اور مال کی پوری قیمت ادا نکر سکے - اور اسکی بدولت سرکار عالی کو اپنے شاہی خزانہ سے کاریگرون کی رقم ادا کرنی پڑی - جو مال نمایش مین فروخت نہ ہوسکا تھا وہ کم قیمت پر ہراج کردیا گیا اور جو کمی ہوئی اوس کی تلافی بھی خزانہ سرکاری سے کی گئی - کاریگرون کو حسابات کے تصفیہ کی وجہہ ایک عرصہ تک اپنی رقوم کو وصول کرنیکے لئے انتظار کرنا پڑا - اور اوسکی وجہہ انکے دل اور ہمتیں بڑھ نہ سکیں -

نمایش کے کل اخراجات کم و بیش ایک لاکھ روپیہ ہوئے جس میں سے دو ثلث اس مال کی خریداری مین صرف ہوا جو کاریگرون سے تیار ہوا تھا باقی رقم اخراجات نمایش مین صرف ہوی ٹکٹ کرایہ - اور مال کے فروخت سے تقریباً ساٹھ ستر ہزار روپیہ وصول ہوئے جو مصنوعات ملک سرکار عالی چکاگو میں روانہ کیے گئے تھے اس میں حسب ذیل اشیا شریک تھے -

ریشمی اونی قالین -

بیدری برتن -

چاندی کے زیورات اور برتن

ہتیار

پارچے

متفرق سامان

بعض بعض اشیا پر تمغے اور سارٹیفکٹ نمایشگاہ مین ملے اور وہ سرکار عالی

کو وصول بھی ہوے بلکہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن کن چیزوں پر انعامات ملے - نہ کوئی
رپورٹ سرکار عالی کو اس کے متعلق ہوئی چکاگو کی نمایش کے بعد عرصہ
تک کوئی نمایش نہ حیدرآباد مین ہوئی نہ کسی دوسرے ملک میں - البتہ ایک غیر
سرکاری نمایش مصنوعات ہند و یوروپ اکبر علی خاں صاحب متوطن دہلی نے
۱۸۹۲ء مین بمقام حیدرآباد اس بنگلہ میں کی تھی جس میں اب کمشنر کروڑگیری کا
محکمہ ہے اس نمایش کا افتتاح ہز اکسلنسی سر وقار الامرا بہادر نے کیا تھا - ایک
مرتبہ اعلیحضرت اقدس و اعلی بھی رونق افروز ہوے تھے - یہ ایک معمولی قسم کی
نمایش تھی اور اوسکو بھی کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی تھی -

۱۹۰۰ عیسوی مین پیرس کی مشہور و معروف اور یادگار زمانہ نمایش ہوئی
سرکار عالی نے اپنے مصارف سے یہاں کی بعض اچھی اچھی چیزیں بھی روانہ کیں یا
جن میں پارچے - گوٹا - پٹھا - طلائی نقروی برتن - بیدری سامان اسلحہ
قالین اور ایک چھوٹا تعزیہ وغیرہ تھے - ان مصنوعات کی خریدی اور روانگی
مین سرکار کے [illegible] صرف ہوئے -

یہ اشیا روانگی سے بیشتر سر جارج واٹ اکانومک رپورٹر گورنمنٹ آف
انڈیا کو معاینہ کرائی گئیں - اونہوں نے اسوقت یہہ لکھا تھا حیدرآباد سے
جو اشیا روانہ کی گئی ہیں اون میں یہہ چیزیں جو نمایش پیرس کے واسطے منتخب
کی گئی ہیں میرے نزدیک بہ درجہا بہتر ہیں اور ایسی کبھی نہیں روانہ کی گئی تھیں
مذکورہ بالا اشیا میں [illegible] کی چیزیں پیرس میں فروخت ہوگئیں
باقی جو چیزیں واپس آئیں اونکو ہراج کر دیا گیا اوس سے [illegible] وصول ہوے
یعنی کل [illegible] یا فیصدی ۴۳ روپیہ کا مال فروخت ہوگیا - [illegible] کے
قیمت کی چیزیں جو آرایشی سامان کے طور پر کام میں لائی گئی تھیں وہ مہتمم
نمایشگاہ پر دستیاب نہ ہوسکیں - بعض پارچے اور خراب شدہ اشیا قیمتی
[illegible] انڈیا آفس میں رکھہ لئے گئے - تعزیہ پیرس مین کسی شوقین کو تحفہ

دیدیا گیا۔ بعض ریشمی اور سوتی پارچے انگلستان کے امپیریل انسٹیٹیوٹ اور ساوتھ کنسنگٹن میوزیم کو منجانب اعلیحضرت تحفۃً دیدئے گئے۔

تمغہ جات و انعامات کی جو نمایش میں ملے کوئی فہرست دستیاب نہیں ہوئی

نمایش گاہ دہلی ۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں دربار کے ساتھ جو نمایش لاڈ کرزن نے کی تھی اس میں سرکار عالی نے بھی مال روانہ کیا۔ اور اوس کے اہتمام کے لئے مسٹر پنجی سابق کمشنر کروڑ گیری مقرر کئے گئے تھے۔ نیز مسٹر پرسی براون اسسٹنٹ ڈائرکٹر نمایش نے اورنگ آباد میں آکر بطور خود کچھ سامان جمع کیا تھا۔ بعض تاجروں نے بھی تھوڑا مال روانہ کیا تھا قلمرو سرکار عالی سے جو کچھ سامان روانہ ہوا تھا اور جو جو انعامات اس پر ملے اونکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پرانے ہتیاروں ۔ کا ایک عمدہ ذخیرہ حاجی حسین عرب نے فروخت کے لئے بطور خود روانہ کیا تھا = اوس میں سے طلائی و نقروی قبضہ کی تلوار اور خنجر پر درجہ اول کا انعام اور ایک نقروی تمغہ حاجی حسین کو دیا گیا۔

حاجی حسین ایک اولوالعزم عرب ہے جو عرصہ سے حیدرآباد میں مقیم ہے اور حیدرآباد کے قدیم ہتیار اور مصنوعات نیز ہندوستانی نوادرات کو فروخت کرتا رہتا ہے اسکے گاہک زیادہ تر یوروپین ہیں۔

دو بڑے ڈھال جن میں سے ایک پر طلائی اور ایک پر نقروی کوفت گیری کا کام کیا ہوا تھا۔ سرکار کی جانب سے روانہ کی گئیں۔ ان کو ایک حیدرآبادی کاریگر میرا جی نے بنایا تھا اور ان پر انعام درجہ اول اور تمغہ نقروی عطا ہوا۔

سرکاری طور سے جو ہتیار اور کوفت گیری کے اشیا روانہ کئے گئے اس میں ایک جمبیہ کے قبضہ پر اعلی درجہ کا کام کیا ہوا تھا۔

نقروی ظرف - بہی تہوڑے سے روانہ کئے گئے تھے جن میں صرف ایک گلاب پاش قیمتی ۵ کا تذکرہ رپورٹ نمایش مین درج ہے جو اورنگ آباد کا بنا ہوا تھا اور نمایش مین پیش شدہ گلاب پاشون سے جداگانہ وضع کا تھا -

بدری ظروف - کچہہ تو سرکاری طور پر روانہ کئے گئے اور کچہہ حاجی حسین عرب نے پیش کئے تھے - حاجی حسین کا سامان زیادہ نفیس اور قابل تعریف تھا - اس نے پرانا مال اور نیا تیار شدہ سامان دونون کو پیش کیا تھا - پرانے سامان مین کشتیاں - حقے - صراحیاں - آفتابے - اوگالدان - تھالیاں - لوٹے تھے ان ظروف پر اکثر پر خشخش کے درختون کا نقشہ اتارا گیا تھا جو قدیم بیدری برتنون میں علی العموم نظر آتا ہے - بعض پر نقروی نقشے ستارون یا صلیب کے تھے - ان ظروف پر اسکو انعام درجہ اول اور تمغہ نقروی دیا گیا - نئے تیار شدہ بدری صراحیاں بہی پیش ہوئیں اور ان پر اسکو انعام درجہ سوم اور تمغہ برنجی ملا - ان صراحیوں کی قیمت ۵ و ۵ تہی -

سرکاری طور سے جو سامان روانہ ہوا تھا اس میں رانماکی بنائی ہوئی صراحی پر جسکی قیمت ۵ تھی صرف سارٹیفکٹ عمدگی ملا - اس صراحی پر انگوری بیل اتاری گئی تھی -

چوبی چیزون مین مدرسہ صنعت و حرفت اورنگ آباد سے کچہہ اشیا جن پر خوبصورتی کاری عاج سے کی گئی تھی اور جو مغربی طرز پر بنائے گئے تھے نمایش پیش کئے گئے تہیں ایک دستانون کے رکھنے کا بکس بہی تھا اسکی قیمت ۵ تہی - اسکے تین رخ پر برنجی پتر منڈی سے جڑے گئے تھے اسکو لارڈ کرزن نے خرید لیا - اور مدرسہ کو اسکی ساخت پر انعام درجہ سوم و تمغہ برنجی ملا -

چرمی اور پرون کے اشیا میں چند اورنگ آباد کے بنے ہوئے مور کے

پرون کے پنکھے روانہ کیے گئے تھے - رایچور کے جوتے ہی تھے -

چوبی اشیا رنگ و روغن شدہ - حیدرآباد اور رایچور کی کشتیاں خوان - پنکھے رنگ و روغن شدہ نمایش میں موجود تھے - حیدرآباد کی کاریگر سیبا کے بنائے ہوئے خوش وضع پنکھوں پر جنکی قیمت عـ۵ تھی اور کشتیوں پر جنکی قیمت عـ۵ تھی سرٹیفکٹ عمدگی ملا - اسی کاریگر کے ہاتھ سے دربار دہلی مین لیڈی کرزن کی خوابگاہ کے لیے ارایشی پیالے تیار کراے گئے تھے -

زرین ریشمی پارچے - اورنگ آباد سے مدرسہ صنعت وحرفت نیز محمد حبیب و محمد لطیف و محمد عبدالعزیز کے کارخانوں میں بنے ہوئے کمخواب کے تھان سرکاری طور پر نمایش میں روانہ کیے گئے تھے اور وہ دیکھنے والوں کی توجہ خوش نمائی اور ریلکی رنگت کے باعث خاص طور پر مائل کر رہے تھے -

پیٹھن کی زرین گراں بہا خوش وضع نفیس زرین ساڑیوں کا تذکرہ اس سے پیشتر ہو چکا ہے -

مذکور بالا پارچوں پر حسب ذیل انعامات ملے -

انعام درجہ اول و تمغہ نقروی بابا سیٹھ کو پیٹھن کی زرین ساڑی کیلیے

انعام درجہ سوم و تمغہ برنجی مدرسہ صنعت وحرفت اورنگ آباد کو کمخواب کے لیے -

مخلوط پارچے - ہمرو غیرہ کے متعلق سر جارج واٹ نے جو تفصیل ریورٹ میں شایع کی ہے اوسکے کچھہ حصہ کا ترجمہ اس مقام پر درج ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے -

اورنگ آباد - ہندوستان بھر میں ہمرو کی تجارت کا بہت بڑا مرکز ہے اگرچہ ترچناپلی میں بھی اسی قسم کا مال کثیر مقدار میں تیار ہوتا ہی

اور اُس کو پیشتر موجودہ حالت سے بڑھکر فروغ حاصل تھا - ایک محدود
مقدار مین خالص ریشمی ہمرو بھی تیار ہوتے ہین - اورنگ آباد کے
علاوہ سورت احمدآباد و بنارس مین بھی ہمرو تیار ہوتے - اورنگ آباد سے
ہمرو حسب ذیل کارخانوں سے آیا تھا -

مدرسہ صنعت و حرفت اورنگ آباد - سے بکثرت تھان آئے تھے
جن میں سے اکثر ریشمی تھے - محمد حبیب تاجر اورنگ آباد نے متعدد تھان
روانہ کیے تھے ان میں دو زیادہ نفیس تھے - فضل حسین اورنگ آبادی
نے ۱۱ - تھان داخل کیے تھے - ان میں ایک جسکی زمین نیلی تھی اور جسمیں
کے سفید پھول سرخ و سبز پتون کے بیل بوٹے بنائے گئے تھے زیادہ اچھا تھا
عبدالعزیز اورنگ آبادی نے ۱۶ - تھان بھیجے تھے اسکے ایک عمدہ تھان
کی زمین سرخ بیل سبز بوٹے زرد اور گلابی تھے - دوسرے تھان کی زمین نارنجی
بوٹے سبز گلابی - ارغوانی تھے - امیر الدین اورنگ آبادی کے پاس سے
۸ - تھان آئے ان میں ایک بہت بھڑکیلا تھا - محمد لطیف اورنگ آبادی
نے ۸ - تھان روانہ کیے جن مین ریشمی و اونی بھی تھے اور دو جو اونی تھے
انکے طرز سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یورپین اونی تارون سے بنائے گئے ہیں -
انکا رنگ نہایت بھڑکیلا تھا مگر طرز بہت عمدہ تھی - اورنگ آباد مین جن
نمونون پر ہمرو بنایا جاتا ہے اسکو پنجاب کے شالبافون نے جامہ دار کو مذاق
زمانہ حال کے مطابق بنانے کے لیے اختیار کر لیا ہے × × × × یہ لکھنا
بے موقع نہ ہوگا دکن کے ہمرو بافون نے یہہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ خاموشی
کے ساتھ یہ نہیں دیکھہ سکتے کہ انکے قدیم عمدہ طرزون کو اسطرح کشمیری
پھیکے پھیکے اڑالیں بلکہ وہ خواہاں ہیں کہ اس تجارت میں پورا حصہ لیں
رپورٹ سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ مخلوط پارچوں کے لئے کوئی انعام
مقرر تھا یا نہیں - اور وہ کسکو ملا - غالباً کسیکو کوئی انعام اسکے متعلق نہین دیا گیا

جالی پر کشیدہ کا کام - نمایش میں بکثرت چیزیں حیدرآباد کے کشیدہ کی روانہ کی گئی تھیں - جو محمد برہان الدین کی بنائی ہوئی تھیں ایک سیاہ جالی پر سفید ریشمی پھول تھوڑی تھوڑی جگہہ پر بنائے گئے تھے - یہ کام ہو بہو بنگال کی جامدانی کے کام سے مشابہ تھا فرق صرف یہ تھا کہ یہ کام اسی جالی پر تھا جو ہاتھہ سے بنی نہیں گئی تھی - ایک جالی کے تھان پر ترچھا کام اسطرح کیا گیا تھا کہ گویا بیلیں اڑی ترچھی پھیلی ہوئی تھیں - جالی کے پیش شدہ چیزوں میں سب سے عمدہ وہ تھے جنمیں کا مدانی کا کام جالی پر عمدگی سے کیا گیا تھا اور سچے طلائی نقرئی تار کم و بیش اسی طرح استعمال کئے گئے تھے جیسا کہ رنگین ریشم یا اون پر کئے جاتے ہیں - ایک ۸ گز کی زرین جالی پیش ہوئی تھی جسکی قیمت ۱۰۵ تھی اور اوسکو محمد برہان الدین نے تیار کیا تھا -

لیس مسٹر پراٹ ایک مشنری لیڈی نے حیدرآباد میں اپنے شوہر کے قائم کردہ مشن میں ایک مدرسہ لیس بنانے کی تعلیم دینے کے لئے قایم کیا تھا اور وہاں کی بنی ہوئی چند اشیا بھی داخل نمایش ہوئی تھیں -

قالین - اگرچہ نمایش میں انگلستان اور مہاراجہ ٹہیرا کے پاس سے مستعار آئے ہوئے قالینوں کی خاص تعریف ہوئی تھی مگر نئے بنے ہوے کالین حیدرآباد سے پانچ چھہ روانہ کئے گئے جو غالباً محابس کے تیار شدہ تھے اور اونکے بیل بوٹوں میں بھی وہی خصوصیت رکھی گئی تھی جو دکن کی ساڑیوں میں رکھی جاتی ہے - مدرسہ صنعت و حرفت اورنگ آباد میں تیار شدہ اونی دو قالین روانہ کئے گئے جو قابل تعریف اور عمدہ نمونہ پر بنائے گئے تھے اور اون سے آیندہ ترقی کی امید ظاہر ہوتی تھی - افسوس ہے کہ ان نئے قالینوں نے مقابلہ میں کوئی انعام حاصل نہیں کیا -

نکھی گوٹا کناری وغیرہ - حیدرآباد و اورنگ آباد کے تیار شدہ نمایش میں موجود تھے - جس میں اورنگ آباد کا تیار شدہ مال زیادہ دلچسپی سے دیکھا

گیا تھا اور یہ بہ نسبت اور مقامات زیادہ نفیس قیمتی پائدار تھا-

مذکورہ بالا اشیا وہ تھے جو فروخت کے لئے آئے تھے اشیائے ستعار کے حصہ میں حیدرآباد سے صرف ہز اکسلنسی مہاراجہ مدارالمہام سرکار عالی نے ذخیرہ ظروف بدری روانہ کیا تھا-

اس نمایش کی سب سے بڑی سرپرستی اعلحضرت بندگانعالی نے فرمائی تھی اور بہت سا سامان خرید فرمایا تھا-جس میں حسب ذیل چیزیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں-

نمائشگاہ میں بمبئی و مدراس کے اسکول آف آرٹس سے دو چوبی کمرے بنکر آئے تھے جن میں ہنرمندی کے ساتھ وہاں کے قدیم طرز تعمیر کو ظاہر کیا گیا تھا- یہ دونوں کمرے خرید لئے گئے جودہپور سے ایک جہروکہ آیا تھا جو مرمر اور دوسرے قیمتی زرد و سرخ پتھروں سے تراشکر بنایا گیا تھا اور جودہپور کے طرز تعمیر کو ظاہر کرتا تھا- ریاست کے عمدہ معماروں نے اسکو بنایا تہا- اور خاص طور پر نمایش میں پسند کیا گیا تھا یہہ بہی خرید اگیا-

بمبئی میں بنی ہوئی ایک صندل کی لکڑی کا اسکرین جس پر تین تصویریں ہی بنائی گئی تہیں- ایک سو سال کا قدیم اعلی ترین زریں دوشالہ موسوم بہ شاہ پسند قیمتی سمہ [illegible] جسکو ڈہاکہ کے ترناتھ داس نے پیش کیا تھا-

دہلی و آگرہ کے کاریگروں کے بنائے ہوئے تین نہایت نفیس زردوزی و کارچوبی پارچے-

اگرچہ اس امر کی تفصیل کہ ہندوستان کے کن کن مقامات کے کن کن چیزوں پر کیا کیا انعامات ملے مصنوعات ہند کے تذکرہ میں کیجائیگی- مگر اس امر کے اندازہ کے لئے کہ حیدرآباد کے کاریگروں کا کیا رتبہ ہے یہاں صرف انعامات درجہ اعلی یعنی طلائی تمغوں کی تفصیل کی جاتی ہے-

اشیائے فلزی

برنجی و مسی اشیا کے لئے	اسکول آف آرٹس جیپور کو
نقروی ظروف میناکار کے لئے	ساباپو ساکن ٹونگو برہما کو
نقرئی ٹیبل سنٹر کے لئے	ہانگ بن ہانگ دکن رنگون کو

اشیائے سنگی

ایک سنگی مکان کے کچھ حصہ کے لئے ریاست بھرتپور کو۔

اشیائے شیشہ و گلی

کوئی چیز قابل انعام درجہ اعلیٰ نہ تھی۔ اور جس چیز پر انعام دیا گیا وہ فنون لطیفہ میں شمار کی گئی تھی۔

اشیائے چوبی

ایک چوبی مکان کے لئے جو ایک راجپوت سردار کے طرز رہائش کو ظاہر کرتا تھا اور بہ قیمت عہ کلکتہ انڈین میوزیم کے لئے خرید لیا گیا	ریاست بہاولنگر کو
ایک چوبی مکان کے دریچوں کیلئے	میو اسکول آف آرٹس لاہور کو
برمی ساہنواری کے لکڑی کی مجموعہ کیلئے	مانگ تہیں ہوگان ساکن رنگون کو
چوبی فرنیچر کے لئے جو گجراتی طرز پر بنایا گیا تھا	اسکول آف آرٹس بمبئی کو
صندل کے کاسکٹ کے لئے	ریاست میسور کو

اشیائے عاج۔ سینگ وغیرہ

اشیائے عاج کے لئے۔	فقیر چند راگھوناتھ داس ساکن دہلی کو
عاج کے کاسکٹ کے لئے۔	اسکول آف آرٹس ترونڈرم (ٹراونکور)

اشیائے چوبی رنگ روغن شدہ

کوئی انعام درجہ اعلیٰ نہیں ملا۔

پارچے

کمخواب کے لئے — بھگوانداس گوپی ناتھہ ساکن بنارس کو

اشیاے کارچوبی وزردوزی

زرین دوشالہ کے لئے جو کشمیر کا بنا ہوا تھا اور جسے اعلیحضرت نے خرید فرمایا۔ — ترلوکیا ناتھہ داس ساکن ڈہاکہ کو

چکن کے کام پر — کدار ناتھہ رام ناتھہ ساکن لکھنو کو

کشمیری زرین دوشالوں کے لئے — ہزہائینس مہاراجہ کشمیر کو۔

قالین

کشمیر مینوفیاکٹرنگ کمپنی سری نگر

آگرہ سنٹرل جیل

فنون لطیفہ

ایک لڑکی کے مجسمہ کے لئے — مسٹر کے متر ساکن بمبئی کو

مٹی کے مجسموں کے لئے — بھگونت سنگہ انڈسٹریل اسکول لکھنو

اس مختصر تفصیل سے یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست حیدرآباد سے کوئی چیز ایسی پیش نہیں کی گئی جو درجہ اعلی کی سمجھی جاسکتی ہو۔ حالانکہ کچھہ عرصہ پیشتر بعض چیزیں اعلی ترین قسم کی سمجھی جاتی تھیں۔ اور یہہ حالت جیسی کچھہ قابل توجہہ ہے وہ مزید توضیح کی محتاج نہیں۔

نمایش گاہ حیدرآباد۔ اعلیحضرت بندگانعالی کے جشن ہمایوں چہل سالہ مبارک کی یادگار میں ایک نمایش سرکار کی جانب سے باغ عام میں کھولی گئی۔ اس نمایش کے قیام میں عالیجناب مہاراجہ مدارالمہام سرکارعالی کی کوششوں کو خاص دخل ہے۔ اس کے مصارف کے لئے ایک لاکھہ روپیہ کا فنڈ دیا گیا۔ ڈائرکٹری پر نواب لیاقت جنگ بہادر اول تعلقدار کا تقرر کیا گیا۔ پانچ چھہ ماہ پیشتر سے اسکی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ انتظام کیا گیا کہ مصنوعات

وسیلہ او اقلیم آصفی کے علاوہ بیرونجات کے مال کی بھی نمایش کی جائے - کھیل
تماشہ اور تفریح کا سامان مہیا کیا جائے نئے وضع کے آلات زراعت دکھائے
جائیں ۲۷ جنوری ۱۹۰۶ء مطابق یکم ذیحجہ ۱۳۲۳ ہجری کو اسکا افتتاح ہز اکسلنسی
مہاراجہ مدار المہام سرکار عالی نے ایک بڑی تقریر کے بعد جس میں مصنوعات
ملک سرکار عالی کے متعلق بہت کچھ ہمدردانہ خیالات ظاہر کئے گئے تھے کیا
نمایش علاوہ بکثرت کھیل تماشوں کھانے پینے اور قماربازی کی دوکانوں کے
دو حصص پر مشتمل تھی ایک وہ حصہ جو سرکاری اہتمام سے تیار کرایا گیا تھا -
دوسرا وہ حصہ جہاں مختلف تاجروں نے اپنی دوکانیں بنائی تھیں پہلا
حصہ اڈریس ہال میں تھا اس میں چار قسم کا سامان جمع تھا -

۱ - مصنوعات جو سرکاری اہتمام سے تیار کرائے گئے تھے -

۲ - نوادرات جو امرا و شائقین کے پاس سے لیکر رکھے گئے تھے -

۳ - وہ نوادرات و مصنوعات جو نمایش میں سرکاری اہتمام سے فروخت کے لیے آئے تھے -

۴ - دوکانات جہاں حسب معمول تاجر اپنا اپنا ذاتی مال فروخت کر رہے تھے -

سرکاری اہتمام سے جو مصنوعات تیار کرائے گئے تھے وہ دلچسپ تھے جنکا
تذکرہ اس سے پیشتر ہو چکا ہے مگر ساتھ ہی یہ معلوم ہوتا تھا کہ بجز چند خاص
اشیا کے عام طور پر سامان کی تیاری میں کوئی خاص اہتمام نہیں کرایا گیا -
نہ کوئی ماہر فن تھے او سکے متعلق کاریگروں کو مفید مشورے دیئے - مجالس
سرکار عالی و مدارس صنعت کا سامان البتہ خاص توجہ کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا
قسم دوم کا سامان راجہ رائے رایان بہادر و راجہ شیوراج بہادر و نواب
شمس الملک بہادر و نواب سلطان الملک بہادر وغیرہ کے پاس سے آیا تھا جسمیں
تصاویر کتابیں - قالین - ہتھیار - اسٹامپ - اور دوسری چیزیں
تھیں نواب تیغ جنگ بہادر کا زرہ بکتر قدیم زمانہ کا فوجی یونیفارم نواب

سر آسمانجاہ مرحوم کا پلنگ جسکے گرد چار سورتیں پنکھے جھلتیں اور باجا بجاتی تھیں
سر شاکر علی صاحب کے کمالات خطاطی - مولوی عبدالخالق صاحب کا چہل بند
خسروی - کا سکٹ جس میں چہل سالہ سالگرہ مبارک کی مبارکبادی کا اڈریس
رعایا نے گزرانا تھا دلچسپی سے دیکھے گئے مصنفین حیدرآباد کی تصانیف مع
فوٹو بھی قرینے سے جمائے گئے تھے -

قسم سوم کے سامان میں کتابیں تصاویر جاگیرات سالار جنگ علاقہ جات
پائیگاہ و ہمستانہا کے مصنوعات زنانہ دستکاریاں ہتیار پرانی چینی کے برتن
انگریزی علاقہ سے آیا ہوا متفرق سامان قابل ذکر ہیں - قلمی کتابیں بکثرت
فروخت کے لئے آئی تھیں زنانہ دستکاریاں اور زمانہ حال کے مذاق کی
واٹر کلر و آئیل پنٹنگ - تصاویر بھی نہایت کثرت سے تھیں اور مذاق سلیم
اور ترقی کا ثبوت دیرہی تھیں -

جو تاجر خود اپنا مال فروخت کر رہے تھے اونکا سامان نہایت درجہ قابل
تعریف اور بہت کچھہ قیمتی تھا اور اوسی مال کی بدولت نمایش کی رونق قایم
رہی تھی - ایسی ۴۲ دکانیں تھیں اوس مین ۶ حیدرآباد والوں کی
دکانیں اور باقی ہندوستان کے تاجروں کی تھیں اہل حیدرآباد کی دکانوں
میں ایک حیدرآباد اسپننگ اینڈ ویونگ مل کی تھی جس میں اچھا سوتی جوتی پارچہ
فروخت ہوتے تھے - ایک دو اورنگ آباد کے ہمرو اور جامہ واری کی دکانیں
ایک دکان ہینڈل برادراس کی جس میں مغربی وضع کا اعلی ترین چوبی فرنیچر
تھا - باقی مارواڑیون کی دکانین جسمین زیادہ تر بنارسی ریشمی و زرین پارچہ
جواہرات - طلائی - نقروی ظروف تھے -

بیرون قلمرو سرکار عالی کے باشندوں نے جو دکانیں قائم کی تھیں اونکی
تفصیل حسب ذیل ہے

مقام	تعداد دکانات	تفصیل سامان	کیفیت
مدراس	۲	جواہرات گھڑیاں نقرئی وطلائی ظروف۔	ایک دکان مشہور جوہری ٹھاکر اینڈ سنس کی تھی جس میں ایک الماس کا لیرا جو ٹیپو سلطان آں جہانی کی ملکیت سے تھا قابل دید تھا دوسری دکان غوث محی الدین کی تھی جس میں چند قدیم گھڑیاں تھیں۔
بمبئی	۵	ولایتی بلوری سامان۔ جواہرات۔ ریشمی وزریں پارچے۔ قالین	بلوری سامان کی دکان ایک مسلمان کی تھی اور وہ زیادہ مقدار میں فروخت ہوا ایک دکان میں ایک ایرانی قالین قیمتی [illegible] ہزار کا تھا۔
کلکتہ	۱	جواہرات	یہ دکان راے بہادر بدری داس کی تھی جس میں یاقوت اور موتیوں کے زیورات زیادہ تھے ایک ہار کی قیمت [illegible] لاکھ روپیہ تھی۔
سیلون	۱	جواہرات۔ نگینے۔ موتی۔	
دہلی	۱۰	جواہرات اور زردوزی کام	

		کابیش بہا سامان۔	
لکھنو	۶	چکن کامدانی۔جامدانی مٹی کے کھلونے تھے۔ رضائی کی فردیں۔سب چیزیں نفیس اور قیمتی تھیں۔	
بنارس	۱	زریں وریشمی ساڑیاں کمخواب	
آگرہ	۱	اعلیٰ ترین سنگ یشب کی اشیا۔جواہرات۔ زردوزی پارچے۔	
جیپور	۱	برنجی کھلونے۔فرنیچر وغیرہ اور قدیم تیار۔	یہ دوکان ایک مسلمان کی تھی اوس میں ایک نایاب تلوار قیمتی [illegible] تھی۔
نگینہ	۴	آبنوس کی لکڑی کا نہایت نفیس اور قیمتی فرنیچر۔	
امرتسر	۳	اونی وریشمی پارچے زریں شالیں۔نقرئی ظروف۔ قدیم چینی کے برتن پرانی تصاویر۔	
سہارنپور	۲	چوبی فرنیچر۔عمدہ اسکرین	
مرادآباد	۱	مرادابادی ظروف	

یہ سب سامان دو ڈیڑھ کروڑ روپیہ کی مالیت کا تھا۔ مذکورہ بالا سامان کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر ۳ صحیفہ جلد ۶

ایڈیٹوریل

ایک خط اور اُسکا جواب

"مشفقی و مکرمی جناب اڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم۔ رسالہ صحیفہ نمبر ۲ جلد ۶ نمونتاً پہونچا اور بمشکل تین روز میں سرسری نظر سے دیکھا۔ واقعی رسالہ نہایت خوب ہے اور ہر ایک مضمون اُس کا ایک نہ ایک دلچسپی ضرور رکھتا ہے۔ اور ٹائیٹل پیج پر جو تحریر ہے کہ علمی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ تاریخی۔ ادبی۔ مذاق و معلومات کو ملک میں پھیلانے اور ترقیوں میں مدد دینے کے لئے شائع ہوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ ایک پیشین گوئی ہے۔ جو بمدد خدا ایک وقت ضرور پوری ہو کر رہیگی۔ نظم و نثر کی خوبیاں دلی و لکھنؤ سے کسی طرح دبکا نہیں ہیں۔ بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ اس کے اکثر نامہ نگار حیدرآبادی ہیں۔ کیا عجب ہو کہ حیدرآباد کا یہ ایک اکیلا رسالہ ایک استاد کا شرف حاصل کرے اور بہت سے اس کے شاگرد اس ملک میں ترقی پاکر اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کریں۔

مجھے بڑا افسوس اس امر کا ہے کہ بوجہ کاروبار سرکاری میں اس قدر عدیم الفرصت ہوں کہ مجھے کسی موقتی اخبارات کے مطالعہ کا موقع نصیب نہیں ہوتا ہے۔ ایسے مفید اور کمیاب ملکی رسالہ کے دیکھنے کا وقت نہیں مل سکنے سے محروم رہونگا۔ کیا کیا جائے مجبوری ہے بقول شخصے روزگار کے ساتھ سب کچھ ہے۔

اگر آئندہ کبھی موقع ملیگا۔ تو ضرور اس کی خریداری کا شرف حاصل کرونگا۔ لہذا سردست بوجوہات بالا مجھے معاف رکھا جائیگا فقط س۔ ا۔ ش۔ دوم تعلقدار

اس خط کا جواب میں صحیفہ کے صفحات پر اس غرض سے لکھتا ہوں کہ بعض اور بھی قدردان علم و فن اور ہمدردان ملک و ملت نے بھی قریب قریب ایسے ہی الفاظ میں خطوط لکھے ہیں سب کو فرداً فرداً جواب دینا طول عمل ہے۔

جناب بندہ! وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

رسالہ کی نسبت آپ نے جن الفاظ میں اپنے خیالات ظاہر فرمائے ہیں وہ بیحد شکریہ کے مستوجب ہیں اور بہت حوصلہ دلانیوالے آپ نے رسالہ کا ایک نمبر ملاحظہ فرماکے اس کے اغراض و مقاصد کو پوری طرح دریافت فرمالیا ہے۔ اور عجب نہیں کہ آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہو کہ آپ کے تذکرہ اوصاف کو رسالہ میں پیدا کرنے اور اہل حیدرآباد میں تصنیف و تالیف کا شوق ڈالنے کیلئے رسالہ چلانے والے کو کیا کچھ مشکلیں پیش آتی ہونگی اور کیا کچھ مصیبتیں نہ جھیلنی پڑتی ہونگی۔ اگر آپکی نظر غائر سے رسالہ کے کچھ گذشتہ نمبر بھی گزرے ہوتے تو آپکو اچھی طرح روشن ہوجاتا کہ ملک کی آب و ہوا ابھی ایسے رسالوں کے پھولنے پھلنے کیلئے بالکل موافق نہیں ہے۔ ملک والے بجائے اس کے کہ اپنے فائدہ کی کسی چیز کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اس کی بربادی کے درپے ہوجاتے ہیں۔ اور اُن کا یہ فعل کچھ تو بالارادہ ہوتا ہے اور کچھ بلاارادہ۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ابھی اُن کے خیالات میں پوری روشنی نہیں سمائی ہے۔ اور ابھی ان میں نیک و بد کی تمیز کا مادہ پوری طرح نہیں پیدا ہوا ہے۔ ابھی وہ واقف نہیں ہوئے ہیں کہ تعلیم سے ملک و قوم کو کیا فائدے پہونچ سکتے ہیں اور پریس کی قوت سے کیسے مفید نتائج مترتب ہوتے ہیں ابھی اُن کو خبر نہیں ہے کہ کسی قوم کا اُبھرنا اور ترقی کرنا صرف تعلیم پر منحصر ہے۔ اور علوم و فنون کی گرم بازاری اور زبان و لٹریچر کی نگہداشت نیز قومیت اور پبلک سپرٹ کا پیدا کرنا پریس ہی کے ہات میں ہے اور بس یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں جس قدر ممالک تہذیب یافتہ اور برسر عروج کہلاتے ہیں وہ سب تعلیم کی سرپرستی کو لازمات میں سے سمجھتے ہیں۔ اور پریس کی قدردانی کو واجبات میں گنتے ہیں۔ لیکن ابھی ہمارے دماغ تک ان باتوں کی بو نہیں گئی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ صحیفہ آج

پانچ سال سے ذوق علمی کی اشاعت میں رات دن منہمک ہی پھر بھی اُس کی اشاعت ہنوز پانسو سے متجاوز نہیں ہو سکی ہے۔

لیکن اب بحث یہ ہی کہ جو لوگ آپ کی طرح عالی دماغ اور روشن خیال ہیں اور جنکو ملک کی ترقی سی خوشی ہوتی ہی اور جو تعلیم کی قدر کر سکتے ہیں اُن کے کیا فرایض ہونے چاہئیں۔ آیا تعلیم و پریس کے اُن پر بھی کچھ حقوق عاید ہو سکتے ہیں یا وہ مثل دوسرے بے خبر اشخاص و افراد کے ان فرایض اور ذمہ داریو سے بلو بچ جا سکتے ہیں۔ آیا وسایل تعلیم و اسباب اشاعت علم کی اعانت اُن پر بھی واجب ہی یا نہیں۔

یہ امر ظاہر ہے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر دونوں برابر ہو جائیں تو ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک بالکل ہی سویرا ہو جائے۔ اس لئے دونوں کے افعال و اعمال میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہونا چاہئے۔ اور وہ فرق کیا ہو سکتا ہی اس کا فیصلہ میں آپ پر ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ اور اُس کے بعد آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ اس فرق کے ظاہر ہو جانے کے بعد آپ جیسے حضرات کے کیا فرایض ہونگے اور کسی ذریعہ اشاعت علم کے آپ سے خواستگار مدد و اعانت ہونے پر آپ کی جناب سے اُس کو کیا جواب ملنا چاہئے۔

اس قدر گزارش کر دینے کے بعد مجھے صرف دو ایک ذیلی باتوں کا جواب دینا باقی رہ جاتا ہی۔ میں مانتا ہوں کہ کار دبار سرکاری کی کما ینبغی انجام دہی کے بعد دوسری مشاغل کے لئے وقت بہت کم مل سکتا ہے لیکن آخر کچھ تو مل ہی جاتا ہے۔ چنانچہ تین دن میں سرسری نظر ہی سے کیوں نہ ہو لیکن آپ رسالہ کو دیکھ ضرور چکے ہیں۔ پس اگر روزمرہ نہ سہی تعطیلات میں ہی آپ اس کو ملاحظہ فرمانا چاہیں تو اس کے تین جزو ایسے ضخیم نہیں ہیں کہ ختم نہ ہو سکیں۔ علاوہ بریں یہ بھی ضرور نہیں کہ آپ پوری مضامین کو تمام و کمال ملاحظہ فرمائیں۔ دلچسپ اور ضروری مضامین کو ہی معاینہ فرما سکتے ہیں۔ اگر بدرجہ تنزل یہ فرض کر لیا جائے کہ جناب کے اوقات گرامی سی صحیفہ کو کچھ بھی حصہ نہیں مل سکتا۔ تو کیا اسکی خریداری بطور اعانت رسالہ بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ آپ کو اس سی کوئی فائدہ نہ پہونچے لیکن یہ کیا کم ہی کہ اُس کو آپ سی فائدہ پہونچیگا۔ اور استفادہ کے بجائے افادہ کا مفہوم پورا ہوگا۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری اس جواب پر جو صرف قومی دردسی بیتاب ہو کر لکھا گیا ہے اور جو بہت کچھ عنایت و التفات کا مستحق ہی غور و خوض کی نگاہ ڈالینگے اور نہ صرف خود صحیفہ کی خریداری قبول فرما کے فخر و عزت بخشیں گے بلکہ اپنی احباب و اعزہ کو بھی اسکی خریداری کی جانب توجہ دلائینگے کیونکہ

جب تک آپ جیسے معارف شناس اور حب قومی کے سرشار اس قسم کی اعانت و معونت پر کمر بستہ نہ ہو جائینگے تعلیمی کشتی کا کنارے لگنا ممکن نہ ہوگا۔ اور نہ ہر روز دن پلٹا کھاتے نظر آئینگے۔ والسلام خیر ختام

خاکسار ازلی۔ محمد اکبر علی

آخر اس کا سبب کیا ہو کہ جو شخص خود جس پایہ کا ہوتا ہے (خواہ کسی خدمتی حیثیت سے ہو یا علمی یا جسمی یا کوئی اور) اسکی اولاد اس پایہ کی نہیں نکلتی۔ اور آج کل یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی تعلیم و تربیت پر لاکھوں روپیہ اٹھایا جاتا ہے اور جن کو ملک کے باہر بھی بھیج بھیج کے پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے وہ بھی ملک و قوم کے لئے کچھ مفید ثابت نہیں ہوتے بلکہ خیلیت ظاہر کرتے ہیں۔ وہ ایک مستثنیٰ مثالوں سے بحث نہیں عام طور پر گفتگو کی جاتی ہے کہ خاص ہماری قوم میں جو افراد بہت سی آرزوؤں اور حسرتوں کے مبنی سمجھے جاتے ہیں۔ اُن سے وہ آرزوئیں بالکل نہیں پوری ہوتیں جن کی امید باندھی گئی تھی بلکہ امید کے خلاف وہ اور ہی عالم میں جا نکلتے ہیں۔ فضائل کے بجائے رذائل اُن میں گھر کر لیتے ہیں اور وہ اپنے وجود سے بھلائی کے بجائے برائی پہونچانے لگتے ہیں۔ اور عمدہ مثال بننے کی جگہ برا نمونہ بنجاتے ہیں۔

اس کا سبب یہی خیال میں آتا ہے اور غالباً یہی ہو کہ اول تو ہر شخص اپنی اولاد کی اصولی طور پر تعلیم و تربیت نہیں کرتا۔ اور پھر اگر کرتا بھی ہے تو وہ ایثار قومی اور ہمدردی ملکی سے بے بہرہ ہو۔ وہ جہاں لاکھوں روپیہ اپنی اولاد کی بہبودی پر خرچ کرتا ہے وہاں اُس سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ اس رقم خطیر کا دسواں حصہ قوم کے بچوں کی تعلیم میں دے اور پریس کی اعانت پر صرف کرے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گو اُس کی اولاد پڑھ لکھکے قابل بنجائے لیکن قومی برائیاں اور سوسائٹی کی خرابیاں جو بالکل چھپی ہوئی ہیں اور مشکل سے مشخص ہوتی ہیں۔ اُس کی اولاد میں جگہ پکڑ جاتی ہیں۔ اور ہر گردر کان نمک رفت نمک شد کی طرح وہ بھی عام قومی رنگ میں ڈوب جاتی ہے۔ قوم کو سدھارنے اور سوسائٹی کو درست کرنے سے جی چرانا دراصل اپنی اولاد کے حق میں برا کرنا ہے۔ جب تک عام قومی تعلیم اور قومی پریس کی سرپرستی نہ کی جائیگی۔ جس سے تمام ملک کو فائدہ پہونچیگا اور خیالات میں یک رنگی پیدا ہوگی اس وقت تک کوئی بہتری صورت پذیر نہیں ہو سکتی۔

اس نازک مسئلہ کو ہم نے یہاں بالکل مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ انشاءاللہ کسی موقع پر تفصیل سے بحث کی جائیگی۔

اڈیٹر

بیدر

سلاطین بریدیہ

بیدر میں سلطنت بریدیہ کے چھٹے تاجدار گزرے ہیں۔ ان میں سے صرف علی برید شاہ کا مقبرہ بہت ہی عالیشان اور لائق دید ہے سابق بادشاہوں کی قبریں گو بیدر ہی میں ہیں لیکن ان کا پتہ نہیں مل سکا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام برید شاہوں کی مختصر حالت لکھدی جائے تاکہ ناظرین بیدر کی تاریخ سے مجملاً واقف ہو جائیں۔

قاسم برید

سلطان محمد ثانی کا زرخرید غلام تھا۔ جو ایام طفولیت میں گرجستان سے خواجہ جہاں محمود گاواں کے ذریعے سے منگوایا گیا تھا۔ بادشاہ نے اس کی تعلیم و تربیت اعلے پیمانہ پر کی تھی۔ اور اس کو لائق اور قابل بنا کر پہلے عہدہ کوتوالی اور پھر ۸۹۶ھ میں خدمت وزارت سے سرفراز کیا تھا۔ وزیر ہونیکے بعد اس نے اپنی مستقل حکومت قرار دینے کی کوشش کی اس لئے امرانے فکر کرکے اسے معزول کرادیا۔ اور خواجہ جہاں محمود گاواں کو پھر وزارت دلائی گئی۔ قاسم برید خدمت سے علحدہ ہو کر حسب الحکم سرکار اپنے جاگیرات قندھار۔ اوسہ و ادگیر کی جانب جانے کو تو چلا گیا مگر سابقہ عزت و تمکنت کو حاصل کرنے کی کوششیں جاری رکھیں بالآخر ۸۹۷ھ ہجری میں سازش کرکے محمود گاواں کو قتل کرادیا اور پھر بادشاہ پر اپنا اعتبار جماکر وزارت پالی۔ اور خود غرضانہ کارروائیوں سے سلطنت کو کمزور کرکے ۹۱۰ھ ہجری میں دارالمکافات کو روانہ ہوا۔

امیر برید

قاسم برید کا بیٹا تھا۔ اور نہایت ذہین اور اس قدر چالباز تھا کہ مورخین نے اس کا نام "روباہ دکن" رکھا ہے۔ سلطان محمود شاہ ثانی بہمنی نے قاسم برید کے بعد اُسے خدمت وزارت سے سرفراز فرمایا مگر یہ بجائے اس کے کہ خیر خواہی اور ایمانداری میں اپنی فراست و دانائی کو صرف کرتا۔ مختلف حیلوں اور ناگفتہ بہ عیاریوں سے سلطنت کے تمام امور کلی و جزوی پر حاوی ہو گیا۔ اور اس کے حصے بخرے کر ڈالے ایک زمانہ تک سلطنت بہمنیہ کے ورثا کو برائے نام بادشاہ بنا کر خود مختاری کی۔ اور بالآخر ۹۳۳ھ ہجری میں امیر برید "برید شاہ" بن بیٹھا اور پھر عادل شاہی امرا سے سازش کر کے اسمٰعیل عادل شاہ کی مسند حکومت پر بھی قابض ہونے کی ٹھانی۔ مگر وہ چونک گیا اور بیدر پر دس ہزار فوج کے ساتھ چڑھائی کر کے مختلف حملوں سے ۹۳۵ھ ہجری میں اُسے گرفتار کر لیا۔ اور بیدر پر قابض ہو کر اس کا انتظام مصطفٰے خاں شیرازی کے سپرد کیا۔ مگر پھر ۹۳۷ھ ہجری میں امیر برید کو معافی دیدی۔ اور وہ ۹۴۹ھ ہجری تک بے خوف و خطر بادشاہ بنا رہا اس کے بعد دولت آباد کے بالا گھاٹ پر انتقال کیا۔ لاش بیدر کو لائی گئی اور بریدیوں کے احاطہ میں دفن کی گئی۔ جو شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب غرب واقع ہے۔

علی برید

امیر برید کا بیٹا تھا۔ ۹۴۹ھ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ بڑا ہوشیار اور پولٹیکل شخص تھا۔ عادل شاہوں نے جب اس پر متواتر حملے کرنے شروع کر دیئے تو بیدر کی حفاظت کے لئے فصیل شہر کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ اس وقت سیاہ اور مضبوط پتھر اتنی تعداد میں فوراً جمع نہیں ہو سکتا تھا جو فصیل کے لئے کافی ہو سکے۔ کیونکہ بیدر اور اس کے اطراف میں سرخ اور نرم پتھر کے سوائے دوسرا پتھر ہوتا ہی نہیں اس لئے اس نے تمام علماء و فقہاء کی طلبی کی۔ اور اُن سے پوچھا کہ "وہ زندگی حفاظت

اولی ہے یا مردوں کی" سب نے بالاتفاق کہا کہ زندوں کی حفاظت نہایت ضروری بلکہ فرض ہے" فتوے پاتے ہی علی برید نے تمام گنبد مقبرے تڑوا دیئے اور فصیل شہر بنوا دی اس سے بیدر کی کثیر التعداد زیارت گاہوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جنکے ٹوٹے ہوئے مال مصالح اور لکڑی پتھر۔ ایک عظیم الشان شہر کی فصیل کیلئے کافی ہو سکے۔

علی برید کا تمام زمانہ جنگ و جدال میں گذرا ہندوؤں کی مشہور اور زبردست ریاست "وجیانگر" اس کے ہاتھوں تباہ ہوئی اور مسلمان بادشاہوں میں بٹ گئی ۵۴ سال نہایت شان و شوکت سے حکومت کر کے ۹۸۷ھ ہجری میں اس نے انتقال کیا اسکا گنبد بہت ہی عالیشان اور قابل دید ہے۔ کرسی بہت اونچی ہے۔ اور اس کے چاروں رخ ایسے کھلے ہوئے ہیں کہ ہمیشہ صاف اور تیز ہوا بلا روک ٹوک آتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قسم کا کوڑا مقبرہ کے احاطہ میں ٹھہرنے نہیں پاتا مزار پر صاف و شفاف سنگ موسیٰ کا خوشنما تعویذ رکھا ہوا ہے اور پائین پر عربی اور طغرا وی خط میں کلمہ طیبہ منقوش ہے دونوں بازوؤں میں تین اور گنبد کے باہر چبوترہ کی جانب غرب ۵ ، ۷ ، ۵ زنانی قبریں بنی ہوئی ہیں مشہور ہے کہ یہ علی برید کی خواصیں ہیں

مقبرے کی دیواریں بلند ہیں اور اُن کے بالائی حصہ پر مندرجہ ذیل اشعار چینی سے لکھے ہوئے ہیں۔ حروف سفید ہیں۔ اور زمین نیلگوں۔

اے ہم نفساں تا اجل آمد بہ سر من	وز پائے در افتادم و خوں شد جگر من
دے تازہ گلے بودہ ام اندر چمن باغ	امروز فرو ریخت ہمہ بال و پر من
یاران و عزیزاں بہ سر خاک من آیند	واز خاک بہ پرسند نشان و خبر من
گر خاک جہاں جملہ بہ غربال بہ بیزند	حقا کہ نیابند نشان و اثر من
رفتم بہ چناں جائے کہ باز آمدنم نیست	ہم نیست امیدے کہ کس آید بہ سر من
عطار دلی دارم و از درد بخون غرق	حقا کہ نیابد دو جہاں در نظر من
دریغا کہ بے ما بسے روزگار	بروید گل و بشگفد نوبہار
کسانیکہ از ما بغیب اندر اند	بیایند و بر خاک ما بگزرند

تفرج کناں در ہوا و ہوس — گذشتیم بر خاک بسیار کس

کرا جا دیداں ماندن امید ماند — چو کس را ندیدی کہ جاوید ماند

دامن کشاں کہ میرود امروز بر زمیں — فردا غبار کالبدش بر ہوا رود

خاکت درآخوان رود آنفس خیرہ چشم — مانند سرمہ داں کہ درد توتیا رود

بانی ایں گنبد گردوں مثال — شاہ فرخندہ برید نیک فال

مطلع آخر کہ تاریخش بناست — نام گنبد قبۃ الانوار گو

شاہ سریر مملکت دیں علی برید — چوں کہ بگذاشت فانی دنیا و بہشت

آسودہ در بہشت شد آمد ندا ز غیب — تاریخ فوتش آمدہ آسودہ در بہشت

گنبد کے سامنے ایک عالیشان عمارت ہے۔ جو کتب خانہ کے نام سے شہرت رکھتی ہے اس کے بالاخانہ کے دریچے سنگ موسیٰ کے ہیں اور دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں جس کے متصل ایک چھوٹی سی مسجد اور ایک مسافر خانہ بھی ہے۔

ابراہیم برید

علی برید کا بڑا بیٹا تھا ۹۸۷ھ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ اس کے چھوٹے بھائی قاسم برید ثانی نے مخالفت کی۔ اور ملک کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہوا مگر اس کا استیصال بہت ہی خوبی سے کر دیا گیا ۹۹۵ھ ہجری میں اس نے انتقال کیا۔

قاسم برید ثانی

ابراہیم برید لاولد مرا۔ اس لئے اس کے بعد قاسم برید تخت و تاج کا مالک بنا عادل شاہی سلطنت سے اس نے بگاڑ کر لی۔ اور اس کے فرار شدہ نوکر دلاور خاں کو اپنے پاس پناہ دی۔ اس لئے وہ اس کے درپے ہو گئی تھی مگر حسن اتفاق سے کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچا سکی ۹۹۷ھ میں اسکا انتقال ہوا

علی برید ثانی

قاسم برید کا بیٹا تھا۔ اور اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کا اکثر زمانہ جنگ و

جدال میں گزرا۔ ابراہیم عادل شاہ اور محمد قلی قطب شاہ نے بالاتفاق اس پر حملہ کیا تھا۔ اس نے نظام شاہ کی مدد سے مقابلہ تو کیا مگر شکست پائی اور پھر چند روز کے بعد سنہ ۱۰۱۰ ہجری میں انتقال کیا۔

امیر برید ثانی

اس کے بعد اس کا بیٹا امیر برید ثانی تخت نشین ہوا۔ یہ بیحد عیاش تھا۔ ارکان دولت نے جب کار و بار سلطنت کو درہم و برہم ہوتے دیکھا تو اس کی جگہ "مرزا علی" نامی ایک شخص کو تخت نشین کر دیا امیر برید نے فرار ہو کر بھاگ نگر میں پناہ لی اور

مرزا علی

نہایت کامیابی کے ساتھ سلطنت کرنے لگا۔ سنہ ۱۰۲۱ ہجری میں اس نے بغرض اتحاد و ارتباط اپنی بیٹی عادل شاہ کے عقد میں دی۔ مگر بجائے اتفاق کے اس سے اور بھی مناقشے پیدا ہو گئے۔ صرف اس وجہ سے کہ ٹھیکو یہ جہیز میں دینے کا اقرار کیا گیا تھا اور وہ ایفا نہیں ہوا محمد عادل شاہ نے بیدر پر چڑھائی کی اور مرزا علی اور دیگر امراء اس کے مخلص، کو گرفتار کر کے بیجاپور روانہ کیا اب بیدر سلطنت بیجاپور کے قبضہ میں آگیا اور ملک مرجان شیریں وہاں کا قلعدار مقرر کیا گیا۔ سنہ ۱۰۶۶ ہجری میں قلعہ بیدر اورنگزیب علیہ الرحمہ نے اس سے لے لیا اس کے بعد سنہ ۱۱۲۰ ہجری تک عالمگیری قلعدار بیدر پر قابض رہے اور سنہ ۱۱۳۵ ہجری سے وہ سلطنت آصفیہ کے زیر حکومت ہے فقط

محمد عبد الوہاب عندلیب حیدر آبادی

تازیانۂ بیداری

کھول آنکھ اب تک کیا سو رہا ہے — دیکھ اٹھ کے غافل کیا ہو رہا ہے
کیوں وقت اپنا یوں کھو رہا ہے — وہ بھی نہ کھو دے دن جو رہا ہے
غافل کہاں تک تیری یہ غفلت — کب تک رہیگی تیری یہ حالت
کرتا نہیں تو توبہ انابت — آئے اجل تو پھر کیسی مہلت

ع۵ حیدر آباد کا قدیم نام یہی ہے۔ یہاں سے بیدر (۵۰۰) فیٹ بلند ہے۔ ۱۲۔

کیا ہے یہ دنیا دار فنا ہے — یہ بے بقا ہے یہ بے وفا ہے
طینت میں اس کی مکر و دغا ہے — خلقت میں اسکی غدر و ریا ہے
یاد خدا کر سب کا وہ رب ہے — کوئی جہاں میں اُس جیسا کب ہے
بندے کو زیبا پاس ادب ہے — یہ بات سچ ہے رب ہی تو سب ہے
کب تک جیوگے اک دن مروگے — اچھے رہوگے نیکی کروگے
سعدی یہ الزام گر تم دھروگے — جیسا کروگے ویسا بھروگے

سعدی حیدرآبادی

غزل خواجہ محمد وحید الدین خاں عدیل

ایسی کشش تو عشق میں پروردگار ہو — جس پر ہوں میں نثار وہ مجھ پر نثار ہو
میری طرف سے کیوں دل نازک پہ بار ہو — چشم عدو میں یار کی دل کا غبار ہو
تیر نگاہ یار اگر وار پار ہو — دل بیقرار ہو نہ جگر بیقرار ہو
اس سے دوچار ہو کبھی اُس سے دوچار ہو — ہر دل عزیز بن کے بھی بے اعتبار ہو
کیف مئے وصال سے وہ میری بیخودی — کہنا وہ انکا اب تو ذرا ہوشیار ہو
کہہ دو کہ آج آئینگے قصہ ہی چک گیا — تکرار اتنی بات پہ کیوں بار بار ہو
برباد ہو نہ کشتۂ تیغ نظر کی خاک — گردش میں چشم مست کی اپنا مزار ہو
دفناؤں حسرتوں کو اگر میں زمین میں — تا آسماں مزار کے اوپر مزار ہو
تو آئے یا نہ آئے ترا اختیار ہے — آنکھیں ہوں میری اور ترا انتظار ہو
ہم اب سے عرض حال بھی کرنے سے باز آئے — کہہ دو نظر اُٹھا کے اگر شرمسار ہو
یہ بعد وصل ہجر کے صدمے تری پناہ — یارب بہار ہو تو ہمیشہ بہار ہو
چھپ چھپ کے فاش پردۂ عشاق کیجئے — درپردہ پردہ در ہو کہ تم پردہ دار ہو
میں چاہتا ہوں اُس کو جو چاہا کرے تجھے — میں اُس پہ ہوں نثار جو تجھ پر نثار ہو
یہ کیا پلک جھپک گئی بجلی چمک گئی — تیر نظر وہ ہے جو کلیجے کے پار ہو
میں بیقرار جس کی محبت میں ہوں عدیل — وہ بیوفا بھی میری طرح بے قرار ہو

حیات تمدن

مسلمانوں کا فاتحانہ تعلق دکن سے



اگرچہ مشرقی و مغربی سواحل پر ابتدائی اسلامی صدیوں میں ہی اسلامی نور کی شعاعیں اپنا پورا اثر پھیلا چکی تھیں (جیسا کہ صحیفہ میں مشرح طور سے قلم بند ہوچکا ہے) لیکن ساحلی شہروں سے آگے وسط دکن میں عرب مسلمانوں کی سوشل ترقی کے اثر نظر نہیں آتے جس کی وجہ یہی ہے کہ ان کا تجارتی اثر سواحل تک محدود تھا۔ (اقوام مابعد پرتگیزوں وغیرہ کی بھی یہی حالت ہے) بہرحال دکن نے اسلام کو سواحل کی طرح عربی پرامن تجارت کے ذریعہ سے نہیں جانا بلکہ شمالی ہند کی طرح تاتاری فاتحین کی تلواروں کے سایہ میں اس کو پہلے پہل اسلام کی صورت نظر آئی

فاتحین اسلام کی کس پہلو سے نظر ڈالنی چاہئے

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فاتحین اسلام کے افعال و اعمال کی تنقیح کا اصلی معیار بتایا جائے جس پر غور کرنے کے بغیر ایک عام خطرناک غلطی پیدا ہوگئی ہے اور جس نے یورپ سے زیادہ ماڈرن ہندوستان میں افسوسناک نتائج پیدا کئے ہیں۔ سر ولیم میور کے یہ الفاظ اس خطرناک غلطی کو نہایت ایجاز کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں "اسلام کا وجود وبقا اس پر موقوف تھا کہ اور ملکوں پر ہمیشہ دست تعدی دراز کیا جائے اور اس دین کا تمام عالم میں شائع ہونا اور اس سلطنت کا ساری دنیا میں قائم ہونا اس پر منحصر تھا کہ یہ دین بزور شمشیر قبول کرایا جائے۔"

یہ تمام خرابی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ مذہبی اور تمدنی مختلف حیثیتیں مخلوط کردی گئیں۔ جہاں ان دونوں حیثیتوں کے متمایز ہونے پر ذرا بھی نظر انصاف سے کام لیا جائے تو پھر فوراً حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور ان دونوں جداگانہ

حیثیتوں کو ملا دینا انتہا درجہ کا مغالطہ ہے جسکو انصاف پسند نظر کبھی روا نہیں رکھ سکتی کس قدر ظلم ہے کہ مسلمان فاتحوں کے تمدنی اور سیاسی اعمال کے جانچنے میں بجائے تمدنی وسیاسی اصول کو ملحوظ رکھنے کے مذہبی نظر سے کام لیا جائے اور دیگر اقوام عالم کے فاتحین سے مقابلہ کرنے کے عوض ان کے اعمال کی ایسی جانچ کی جائے جو کسی پیغمبر کے لئے موزوں ہو۔ تاریخ اسلام پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے تو اس سے اُس فرق کی پوری تشریح ہو گی۔

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات والا شان میں یہ دونو صفتیں جمع تھیں تبلیغ عامہ رسالت کی بدولت نوع انسانی کے فرد اکمل ہونے کے ساتھ ہی آپ دنیاوی حاکم بھی تھے۔ بس بے شبہ آپ کی والاشان زندگی پر ہر پہلو سے نظر ڈالی جا سکتی ہے۔ انسانی کمال کا جو اعلے ترین نمونہ حضرت علیہ السلام کی والاشان زندگی میں موجود ہے اُس کی کوئی نظیر نہیں ملتی غزوات الرسول علیہ السلام پر سرسید نے مفصل بحث کر کے ثابت کر دیا ہے کہ "یہ تمام لڑائیاں ایسی تھیں جو عموماً ملکی انتظام میں اور امن وامان کے قائم کرنے میں واقع ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے ملکی انتظام ہاتھ میں لیا ہو اور اُس کو اس قسم کی لڑائیاں نہ پیش آئی ہوں ان لڑائیوں کی نسبت یہ کہنا کہ زبردستی سے ہتیاروں کے زور سے مسلمان کرنے کے لئے تھیں ایک ایسا غلط قول ہے جسکو کوئی ذی ہوش بجز اس کے کہ دل میں تعصب بھرا ہو سچ تسلیم نہیں کر سکتا"

خاتم المرسلین علیہ السلام کے بعد خلفاء راشدین میں بھی یہ دونوں صفتیں یعنے دنیاوی حکومت بلحاظ روز افزوں ترقی۔ زمانہ رسول علیہ السلام سے زیادہ اور مذہبی لحاظ سے اتباع رسول علیہ السلام بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اس ستینی دور خلافت میں بھی فاتحانہ حیثیت سے کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس پر نکتہ چینی کی کوئی گنجائش ہو لیکن ان نے نہایت شد و مد سے دکھلایا ہے کہ عصر خلافت راشدہ کے

فتوحات کس قدر صلح بخش تھیں اور علامہ شبلی کی حقوق الذمیین اور الفاروق نے اب اس بارہ میں کوئی بات تصفیہ طلب باقی نہیں رکھی ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد یہ دونوں صفتیں علیحدہ ہوگئیں اور پھر ایسا کوئی موقع نہیں آیا کہ یہ دونوں پوری طور سے باہم ملی ہوں۔ بے شبہہ مابعد خلفاء اسلام بھی مسلمان اور حامی اسلام تھے مگر وہ کوئی خاص مذہبی رتبہ نہ رکھتے تھے جس سے ہم ان کے افعال کی جانچ خالص مذہبی اصول پر کریں۔ ان خلفاء اور دیگر سلاطین اسلام کے اعمال و افعال کی جن میں اچھے برے سب ہی قسم کے تھے خالص مذہبی تنقید ایسی ہی بے جوڑ ہوگی جیسی قسطنطین اعظم کے افعال بحیثیت پہلے فرمان روا کے مسیحی اصول و تلقین مسیح علیہ السلام کے بالکل متضاد ہیں! ابوریحان بیرونی نے بھی کتاب الہند میں ایک جگہ ضمناً ان دو حیثیتوں کا فرق ایالت اور دیانت کے الفاظ سے ظاہر کیا ہے۔ مذہبی امامت ان علماء امت کے ہاتھ میں رہ گئی جو امارت سے الگ اپنی بے ریا مخلصانہ خدمات انجام دے رہے تھے اور سلطنت کے افعال و اعمال سے براہ راست ان کو کوئی تعلق نہ تھا۔ ان ہی بزرگان دین کی بے ریا مخلصانہ کوششیں تھیں جن کی بدولت اسلام کی مذہبی حیثیت برقرار رہی اور ان ہی کی مساعی جمیلہ کا مبارک اثر سواحل ہند پر بھی اوراق صحیفہ میں قلمبند کیا جاچکا ہے۔ تمدنی و سیاسی حیثیت جو امرا و سلاطین اسلام میں تھی اس لحاظ سے ہم کو ان کی زندگی پر نظر ڈالنی چاہیے اور دیگر اقوام اور حکمرانوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ جو ان سے پہلے یا ان کے بعد گزرے۔ ان ہی فاتحین اور حکمرانوں کی نسبت موسیو لی بان نے یہ بیش بہا فرق نکالا ہے "جب ہم عربوں کی تاریخ کو بغور پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ملک گیری دو قسم کی ہوتی تھی یا تو یہ کسی ملک کو قیام کرنے کے ارادے سے فتح کیا کرتے تھے یا محض فوج کے ساتھ گزر جاتے تھے پہلی صورت میں

وہ ہمیشہ باشندوں کی دلجوئی کرتے اور کل ملک گیران سابق کے طریقے کے برخلاف مفتوحہ اقوام کو پوری آزادی مذہب و رسوم و رواج و قانون کی دیتے اور اس کے عوض ان سے ایک خفیف سا جزیہ لیتے فتوحات عرب کی یہ صورت شام۔ مصر۔ اندلس میں پیش آئی۔ لیکن دوسری صورت میں جبکہ وہ ملک میں قیام کرنا نہ چاہتے اُن کی طرز بالکل ہی علٰحدہ ہوا کرتی تھی یعنے مثل اور ملک گیروں کے یہ بھی مفتوحہ ممالک کو محض ایک مال غنیمت سمجھتے اور جس قدر مال و متاع اُنکے ہاتھ لگتا لے لیتے اور جو نہ لے جاسکتے اُس کو غارت کر دیتے۔ یہ اخیر طریقہ انھوں نے اطالیہ اور فرانس میں اختیار کیا۔"

موسیو لی بان کے اس بیان کی اس قدر تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان روادار حکمرانوں کی سی نظیر تو بالکل معدوم ہے۔ رہے ان کے فاتحین و ملک گیر اگرچہ یہ بھی مثل اور ملک گیروں کے ہوا کرتے تھے مگر یہ ضرور ہے کہ ان سے پہلے گزرے ہوئے فاتحین کی نسبت ان کے مظالم ملک گیری گھٹے ہوئے ہی ہونگے اور درحقیقت ظالم ملک گیروں کا شمار مسلمانوں میں چند مستثنٰے صورتوں کے سوائے عام طور پر نظر بھی نہ آئیگا۔ اگر بمقتضائے حالات ان میں سختی تھی تو بر موقع نرمی بھی کچھ کم نہ تھی۔

اس معیار کے قائم کرنے سے منشا یہ ہے کہ اسلام فاتحین اسلام کے تمام افعال کا پورا پورا ذمہ دار نہیں ہے۔ جو کام فاتحین اسلام نے کیا وہ سیاسی و تمدنی ضرورتوں کے لحاظ سے تھا اور جو تصویر اسلام کی ان فاتحین کے ذریعہ سے نظر آئی وہ اس کی مکمل تصویر نہیں قرار دی جاسکتی۔ بہرحال جس طرح خالص عربوں کی ترقی حیرت انگیز سرعت کے ساتھ تھی اس قدر انکا تنزل بھی جلد تھا لیکن اسلام کسی خاص قوم و ملک سے مخصوص نہ ہوئے بلکہ عالمگیری مذہب ہونے کی بدولت غیر عرب اقوام بھی اس کے پشتنی حلقہ بگوش بن گئے اور انھی غیر عرب اقوام نے عرب ناموروں کے فنا ہو جانے کے بعد محمود نور الدین صلاح الدین

جیسے سچے دین دار حامیان اسلام کو دنیا کے روبرو پیش کیا۔

اسلام کے عالم گیری اور فطری ہونے کی دلیل اس سے زیادہ کیا ہوسکتی ہے کہ وہی تاتاری جنھوں نے بغداد کو خاک میں ملایا بہت جلد اسلام اور اپنے ہی ہاتھ سے خاک میں ملائے ہوئے اسلامی تمدن کے زبردست محافظ بن گئے لیکن جس وقت انھوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ایسے عرب اُستاد باقی نہ رہے تھے۔ جو اُن وحشیوں کی (جو قدیم عربوں سے زیادہ وحشی تھے) صحیح صحیح تلقین کرکے اُن کو اپنی ہی طرح پورا شائستہ بنا دیتے۔

اسی سے ان تاتاریوں کی نسبت عربوں کے خلف الصدق ہونے میں محققین یورپ کو تامل ہے۔ بہرکیف یہی تاتاری اسلامی تمدن کے محافظ تھے۔ اور اِن ہی تاتاریوں کی خلجی قوم کو یہ فخر حاصل ہوا کہ

سلطان علاء الدین خلجی فاتح دکن

کے اسلامی فاتح دکن ہونے کی بدولت تاریخ میں اپنا نام یادگار چھوڑ جائیں جو تاریخیں ملک کی نوخیز نسلوں کے ہاتھ میں دیجاتی رہی ہیں ان میں علاء الدین کی صفت "تند مزاج و خونخوار" کے ساتھ لازمی کردی گئی ہے جس سے یہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایسی تعلیم اپنے نوخیز پڑھنے والوں کے دل میں کیا اثر پیدا کریگی۔ یہ تصانیف اس خیال کو پیدا کراتی ہیں کہ ہندو ریاستیں امن و امان کے ساتھ بے کھٹکے حکومت کر رہی تھیں کہ دفعتاً ایک خونخوار ظالم نے بلاوجہ ان پر حملہ کرکے ان کو فنا کردیا!

جدید تحقیقات نے یہ طے کردیا ہے کہ کسی ملک میں کسی فاتح کی آمد اس وقت ہوتی ہے جبکہ اس ملک کی حالت اس قدر زبون ہوگئی ہو کہ بغیر اس کے چارہ نہ رہے۔ تمدن عرب میں اس اصول کو بسند ثابت کیا گیا ہے درحقیقت اُس وقت بھی دکن کی یہی حالت ہوگئی تھی معمولی اسباب تنزل

نے جو سب اقوام و امم کو ایک ہی نگاہ کرم سے دیکھنے کے عادی ہیں دکنی قدیم باعظمت سلطنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ ان میں انتظامی قابلیت بیدار مغزی۔ روشن ضمیری۔ زمانہ کی ضرورتوں سے باخبری سب مفقود ہو چکی تھی اس طرح خود دکن اس وقت کسی ایسے فاتح کی آمد آمد کا منتظر تھا جو تمام بدنظمی دور کر کے ایک ضابطہ قائم کرے۔

یہ فاتح وہی تھا۔ **علاءالدین** جس کی ولولہ انگیز طبیعت کر لئے فتح دکن کے اسباب مہیا کر رہی تھی۔ شمالی ہند میں اسلامی تمدن مستحکم طور سے قائم ہو چکا تھا تو ایک اولوالعزم طبیعت کے لئے (جو راز سیاست کے لئے باخبر ہو کہ کسی زبردست فوج کیلئے ہر وقت کچھ نہ کچھ کام موجود رہنا چاہئے ورنہ مرکز حکومت خطرہ میں ہو جائیگا۔ یا دوسرے الفاظ میں فارورڈ پالسی یا امپریل ازم کی حامی ہوں اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ دکن کا رخ کرے۔ چنانچہ تاریخ ضیاء برنی میں علاءالملک کوتوال شہر اور علاءالدین کا جو مکالمہ درج ہے اس میں اس کی پوری تصریح ہے پس ایسی حالت میں یہ اولوالعزم فاتح ہی تند مزاجی و خونخواری کے طعنہ کا کیوں مورد بنے۔ دنیا کا کوئی کشورکشا ایسا نہ ہوگا جس کی طبیعت میں تیزی نہ ہو اور ناممکن ہے کہ کشورکشائی کے وقت خونریزی نہ ہونے پائے کیا ماقبل و مابعد فاتحین تند مزاجی و خونریزی سے بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آرین قوم نے دکن کو دراوڑ کے ہات سے (جو آرین نسل سے بالکل علیحدہ اور ان کے پہلے دکن میں تمدن کے بانی تھے۔ اور جن کی مختصر تاریخ صحیفہ میں بھی لکھی جا چکی ہے) بغیر خون بہنے کے حاصل کر لیا تھا؟

علاءالدین کی سچی سچی تصویر ضیاءالدین برنی نے کھینچی ہے جس میں اس کے دونوں رخ نہایت صفائی کے ساتھ ظاہر کئے گئے ہیں (عہد علائی کی تاریخ فرشتہ نے اسی سے لی ہے)

صحیفہ کے اوراق علاء الدین کی مکمل لائف کے متحمل نہیں ہوسکیں گے ہم ان فتوحات علائی کا بیان اس ایجاز کے ساتھ لکھینگے جس ایجاز کے ساتھ لی بان نے عربوں کے فتوحات قلم بند کئے ہیں۔

علاء الدین کی کامیابی کے وہی معمولی اسباب تھے کہ اس کی جری بہادر فوج کے روبرو دکنی راجاؤں کی فوج صرف برائے نام تھی اور اس لئے جب علاء الدین نے سب سے پہلے دیوگڑھ دولت آباد پر چڑھائی کی تو اسکی کوئی قوی مزاحمت نہ ہوئی اور بغیر کسی خونریزی کے اس کا جلوس شاندار اس معمول شہر دیوگڑھ میں پہونچ گیا جس نے کئی صدیوں سے کسی حملہ آور فاتح کے قدم نہ دیکھے تھے اور جس پہ اس پہلے فاتح کی یادگار میں اب تک آصفی جھنڈا لہرا رہا ہے۔

اُس وقت ضرور بہت سی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ کسی قدر لوٹ بھی ہوئی۔ لیکن تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ہے جبکہ کوئی فاتح کسی شہر میں داخل ہو اور کچھ نہ کچھ گرفتاریاں اور لوٹ مار نہ ہوئی ہو۔ لیکن اس معمولی بات کے علاوہ اور کوئی ایسا کام نہیں ہوا جس سے علاء الدین کی ”خونخواری“ کی صفت ظاہر ہوتی ہو۔ شہر فتح ہو جانے کے بعد رام دیو نے قلعہ میں پناہ لی اور آخر صوبہ ایلچپور کے سپرد کر دینے پر صلح ہوگئی۔

فاتح نے واپس جاتے ہوئے بمقام مانک پور سازش سے اپنے چچا جلال الدین بادشاہ وقت کو مروا ڈالا جو اس فتح کی مبارکباد دینے کے لئے دہلی سے اسکے استقبال کو آرہا تھا اور ”علاء الدین شاہ دہلی“ کا نقارہ بجنے لگا۔ مفید چتر جس کے حاصل کرنے کے خیال سے اس نے دیوگڑھ کی دور و دراز مہم شروع کی تھی۔ اس کی آرزو کے مطابق اس کے سر پہ سایہ فگن نظر آیا۔

اس میں کون شبہہ کر سکتا ہے کہ جلال الدین کے قتل کئے جانے کا واقعہ اس قسم کا نہایت ہی قابل نفرت واقعہ ہے جس کے سیکڑوں نظائر سے

تاتاریوں کی تاریخ سیاہ ہو رہی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس جرم کا اصلی باعث خود سوسائٹی کی حالت ہے۔ وہ چتر سفید حاصل کرنا چاہتا تھا اور درحقیقت اس کا مستحق تھا جبکہ ولیعہد سلطنت ارکلی خاں اور ملکہ جہاں کی مخالفت اس کو اپنی زندگی سے ہی ہراساں رکھتی تھی۔ سنت اللہ نے جلال الدین کو معزالدین کے قتل کا بدلہ دیدیا اور جلال الدین کے قتل کا بدلہ بھی آیندہ ہو گیا۔ "سلطان معزالدین اگر غریق بحر خون رست نشنیدی کہ گنگ انہ خون جلال الدین بچہ لون رست"۔

اُس علاء الدین نے تخت پر بیٹھنے کے بعد ثابت کر دیا کہ وہ درحقیقت جانشینی کا مستحق تھا۔ ترکوں کے **سلطان سلیمان قانونی** کی طرح وہ نہ صرف میدان جنگ میں بہادر سپہ سالار تھا بلکہ امن کی حالت میں نہایت منتظم و مدبر۔

سلطان سلیمان قانونی اور اکبر اعظم کے آئین و قوانین کی طرح قوانین علائی بھی کچھ کم قابل ستایش نہیں ہیں۔ ہم اس کے قوانین و انتظامات کا تذکرہ علیحدہ کرینگے اس موقع پر صرف فتوحات علائی کی مختصر تاریخ قلم بند کی جاتی ہے۔ جب **گجرات** اور **کھنبایت** اس کی عملداری میں شامل ہوئے تو

کھنبایت سے **کافور** اس کے ہاتھ لگا جس نے آیندہ فتوحات دکن میں اسکی امیدیں پوری کیں۔

کافور کے ابتدائی حالات نامعلوم ہیں لیکن بہر حال اس نے بہت جلد اپنی بہادری وفاداری کے ثبوت پیش کر دئے۔ اور سلیمان شاہ کی بغاوت کے وقت جبکہ علاء الدین خطرناک طور پر زخمی ہو گیا تھا ملک کافور نے جواب۔ **ملک کافور ہزار دیناری**۔ بن گیا تھا مسلح ہو کر حرم سرائے شاہی کی جاں بازی کی ساتھ محافظت کی۔ اور اس طرح اس کو مہمات دکن کے لئے ایک ملکی حالات سے پورا باخبر موزوں سپہ سالار مل گیا جس سے بہتر اور کوئی افسر دربار علائی میں نہ تھا۔ درحقیقت یہ ایک عجیب بات سمجھی جائیگی کہ فتح دکن کے لئے ایک خواجہ

کا انتخاب کیا جائے جس کے ماتحت ایک لاکھ کی عظیم الشان جرار فوج ہو۔ اور اس کو سایہ بان۔ لال سراپردہ کے شاہی امتیازات عطا کئے جائیں۔

ملک کافور کے اشتاف میں جو اب ملک نائب کہلایا جاتا تھا خواجہ حاجی نائب عرض ممالک مامور کیا گیا جس کی صفت نیک مرد سلیم الطبع بیان کی گئی ہے۔ کافور کا پہلا حملہ ۷۰۶ھ میں ہوا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ رام دیو نے عہدنامہ کے شرایط کی تعمیل میں تین سال سے معینہ رقم پیش کش نہیں کی تھی اور نیز رائے کرن گجرات کے راجہ کی تائید کر کے کوہستان مکلانہ میں اس کو قدم جمانے کی اجازت دی تھی۔

کافور نے تعمیل ہدایات علاء الدین ثابت کر دیا کہ اس کا مقصد لوٹ مار نہیں ہے بلکہ امپریل ازم کی توسیع۔ اور بلحاظ آسایش کل ہندوستان میں ایک ضابطہ قائم کرنا۔

مورخین وقت نے تصریح کی ہے "ملک نائب چون بدکن درآمد سکنۂ آں ولایت را در ظل حمایت وشفقت خویش جائے دادہ آزار مورے نہ پسندید و مانند تباشیر صبح گاہی شربت کافوری بکام تشنہ لبان آں دیار ریختہ ہمگی رعیت وسپاہ را مطیع ومنقاد ساخت" افسوس ہے کہ ایسے اہم نکات کو ہی جو ان فتوحات کے اصل روح رواں ہیں اور قانون ارتقاء علل کے لحاظ سے یہی چیزیں قابل تذکرہ ہیں یوروپین تصانیف میں نظرانداز کر کے نئی نسل کے سامنے تاریخ کا ایسا نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس سے بجز فساد طبایع کے اور کوئی ثمرہ مترتب نہیں ہو سکتا۔ کافور نمایاں فتح کے بعد رام دیو کو ساتھ لیکر دربار علائی میں حاضر ہوا۔ علاء الدین نے جس عزت کے ساتھ رام دیو سے ملاقات کی اس سے اس کی قوی شہادت مل سکتی ہے کہ علاء الدین کوئی بدمزاج درشت خو شخص نہ تھا بلکہ اکبر کے پیشتر اس کو اپنی عالی ظرفی کا نمونہ دکھلانے والا تھا۔ رام دیو کے ساتھ پورے شاہانہ لوازم برتے جاتے تھے بقول مورخ "خلائق درگاہ سیاں

اور بادشاہ نے نہاوند" شاہی علامت چتر سفید کے استعمال کی اسکو اجازت دی گئی۔ رائے رایاں کا خطاب دیا گیا۔ دیوگڑھ اور اس کے متعلق قدیم علاقہ کی حکومت بحال رکھی گئی۔ **قصبہ نوساری**۔ واقع گجرات پادشاہ کی طرف سے عطا ہوا ایک لاکھ تنکہ نقد سے تواضع کی گئی۔ اور اعزاز سے تمام سررشتہ داروں اور بچوں کے ساتھ (بغیر کسی کو بطور ضمانت رکھ لینے کے) واپس جانے کی اجازت ملی علائی الطاف خسروانہ تھی جس نے رام دیو کو بھی مدت العمر تخت و تاج علائی کا دلی وفادار و دوست بنا دیا یہ شایستہ برتاؤ فتوحات دکن کے یادگار تاریخی واقعات میں سے ہے۔ محمد مرتضی

میں کون ہوں کیا ہوں

مظہر ہوں خدا کا ید قدرت سے بنا ہوں
آپ اپنا تماشا ہوں میں اسرار خدا ہوں

گو ہستی موہوم ہوں۔ رہگیر فنا ہوں
پھر بھی نہیں معلوم۔ کہ میں کون ہوں کیا ہوں

محشر ہی بپا کر کے دکھا دوں جو میں چاہوں
مٹی کا تو پتلا ہوں۔ مگر ایک بلا ہوں

لکھے کا بھگتنا۔ مری قسمت میں لکھا ہے
قسمت جو دکھاتی ہے۔ وہی دیکھ رہا ہوں

راحت سے نہ راحت ہے نہ تکلیف سے تکلیف
بندہ ہوں ہر اک حال میں راضی برضا ہوں

ثانی نہ تمھارا ہے نہ تم سا کوئی ممکن
اب تم ہی بتاؤ تمہیں چاہوں کہ نہ چاہوں

آنکھوں میں جگہ پاتا ہوں ارباب نظر کی
اللہ ! میں کس شوخ کا نقش کف پا ہوں

اللہ رے مدہوشی صہبائے محبت
گر گر کے اٹھا ہوں کبھی اٹھ اٹھ کے گرا ہوں

ہر شخص مجھے دیکھ کے ہو جاتا ہے غافل
کیا میں بھی کسی کی نگہ ہوش ربا ہوں

چکمے میں نہ آؤنگا۔ دغا مجھ سے نہ کھیلو
تم چال کے گہرے ہو تو میں تم سے سوا ہوں

تاثیر ہے یہ بے ہمہ و با ہمگی کی
میں سب سے ملا رہتا ہوں پھر سب سے جدا ہوں

موجود کا موجود ہوں۔ معدوم کا معدوم
ہستی کا نمونہ ہوں کہ تصویر فنا ہوں

منت سے کہا میں نے کہ اب تو مجھے چاہو
بولے مری مرضی تمھیں چاہوں کہ نہ چاہوں

بازغ یہ مرا زور سخن ہے کہ بلا فکر
الفاظ چلے آتے ہیں۔ میں بول رہا ہوں

محمد عبد الحی بازغ

رباعیات حج و عید

قسمت کے دھنی ہیں حج کے جانے والے
اللہ کے گھر عید منانے والے
محروم ادائے فرض باستطاعت پر بھی
غفلت میں ہیں کیا ہائے زمانے والے

مسکین اور سوکھے ٹکڑے کھانے والے
اخلاص کی نعمتیں وہ کھانے والے
رکتے ہیں کہیں لاکھ زر و زور کے
اللہ کے گھر جاتے ہیں جانے والے

کعبہ کی زیارت کا شرف پاتے ہیں
احرام سے یک رنگ نظر آتے ہیں
تعظیم سے کہتا ہے جو سر رکھ لبیک
دل حاجیوں کے زبان سے ملجاتے ہیں

دشواری ہر کیا عشق میں آسانی کیا
مخلص کو کمی کیا ہے فراوانی کیا
مرضی الٰہی پہ جو راضی ہیں خلیل ؑ
فرزند کی کیا پھر اپنی قربانی کیا

ہاں عظمت باری سے جو دل ہلتے ہیں
وہ عید کے دن گل کی طرح کھلتے ہیں
بس جاتا ہے خوشبوئے اخوت سے دماغ
دل ملتے ہیں سب کے سب گلے ملتے ہیں

کب عید کو بھی زخم جگر سلتے ہیں
کب غنچۂ پژمردہ دل کھلتے ہیں
پھیلا ہے مسلمانوں میں اس درجہ نفاق
دل ملتے نہیں ہیں گو گلے ملتے ہیں

ہے عید کہ بہجت کی فراوانی ہو
اور تجھ سے گلے ملنے کی آسانی ہو
اللہ ری قسمت کہ یہ دن بھی ملے
جی چاہتا ہے کہ دل کی قربانی ہو

اللہ جو پورا کوئی ارمان کرے
ذرہ کو بھی خورشید کا مہمان کرے
مہجور سے اس وقت کی حالت پوچھو
جب عید گلے ملنے کا سامان کرے

ہے عید کوئی تحفۂ لاثانی دو
دو کشت محبت میں بھی کچھ پانی دو
ملتے ہو گلے جان تصدق کر دو
تم بھی تو تسلی کوئی قربانی دو

رہنے بھی دو میزوں پر اگر کیک رہیں
کیا حرج جو کھانے میں سب ایک رہیں
بس کافی ہے اتحاد جو اعمال میں ہو
سب ایک ہی ہو جائینگے گر نیک رہیں

محمد قطب الدین تسلی حیدرآبادی

سلونی عید

~~~~~~~~~~

عید کا نام لیا اور، باچھیں کھل گئیں۔ دل کھل گیا۔ دل کی گرہیں کھل گئیں دل کے راز کھل گئے۔ (گلے ملنے کے لئے) سینے کھل گئے (مصافحہ کرنے کے لئے) بندھے ہوئے ہات کھل گئے (روپیہ خرچنے کے لئے) خزانہ کے مونہ کھل گئے الغرض ابر نشاط چھا گیا اور غم کی ساری بدلیاں کھل گئیں۔

مسلمانوں کے مذہبی پہلو کو حقیقی معنوں میں خوشی منانے کے لئے عید الفطر کے بعد سلونی عید کا موقع ملتا ہے۔ کہ اس روز دین حنیف ابراہیمی کے ہادی نے ایثار نفس و اطاعت الٰہی کے کڑے امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے نور چشم و راحت قلب۔ جگر گوشے (یعنے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کو قربانی میں خود اپنے ہات سے ذبح کر دیا۔ جس کے صلہ میں حوصلہ آزما ممتحن کی بارگاہ سے باپ کو تو خلیل اللہ کا خطاب ملا۔ اور بیٹے کو ذبیح اللہ کا

اس تقریب ہمایوں کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ہم مقلدان ملت ابراہیمی کو بکرے، یا گا گیا اونٹ وغیرہ کی قربانی کا حکم ہوا۔ جس کی آواز باوجود زمانہ کی چودہ صدیوں کی مخالف ہوا کے مانع ہونے کے اب تک برابر ہماری کانوں میں گونج رہی ہے۔ اور ہم دوگانہ شکرانہ ادا کرتے ہی گھر پہونچتے اور راہ خدا میں استقلال کے ساتھ قربانیاں دیتے ہیں۔

قربانی کے جانور۔ کئی کئی دن پہلے سے۔ شرایط کے مطابق دیکھ بھال کے فراہم کئے جاتے ہیں۔ اور انھیں یوم قربانی تک اچھی طرح رکھا جاتا اور دل بھر کے کھلایا پلایا جاتا ہے۔ جن خاندانوں میں بیٹے بیٹی کی نسبت یا کوئی اور رشتہ ہوتا ہے۔ اُن میں ان جانوروں کا بطور حصہ اور رسم کے باہمی تبادلہ عمل میں آتا ہے۔ اور پھر اس تکلف کے ساتھ کہ گلے میں سرخ دھاگا اور پیٹھ پر
~~~~~~~~~~

لال کپڑا باندھا جاتا ہے۔ اور رستہ چلتے وقت جانوروں کے آگے آگے تاشے بجائے جاتے ہیں۔

قربانی کے گوشت وغیرہ کی نسبت حکم ہے کہ کہیں مالدار و ذی استطاعت اپنے غریب بھائیوں کو جنھیں مفلسی کی بدولت گوشت کی سی نعمت عظمی روز روز کھانے نہیں ملتی ہے بھول نہ جائیں۔ بلکہ پہلے اُس کا ایک حصہ اُن میں تقسیم کرلیں۔ پیچھے خود کھائیں۔ کھال بھی جہاں تک ہو سکے کسی خیراتی کام میں لگائیں۔

نباتات خور فرقہ[1] کی جانب سے۔ اس موقع پر یہ اعتراض ضرور وارد ہو جائیگا کہ جانداروں کی جانیں تلف کرنے اور اُس کا نام راہِ خدا اور خوشنودی خدا کی قربانی رکھنے والا مذہب بلاشبہہ بے رحم اور بے اصول مذہب ہے۔ جب گوشت ہی سرے سے انسانی غذا کے قابل نہیں تو گوشت کھانے اور گوشت بانٹنے کے لئے جانوروں کو مارنا کب کوئی پسندیدہ کارروائی ہو سکتی ہے۔

---

[1] جس طرح ہندوستان میں برہمنوں کا فرقہ ہر قسم کا گوشت کھانے سے مذہبی ممانعت کے سبب پرہیز رکھتا ہے اسی طرح یورپ و امریکہ میں بھی ایک فرقہ ایسا موجود ہے جو جانداروں کو ذبح کرنے اور اُن کا گوشت استعمال میں لانے سے احتراز رکھتا ہے۔ یہ سبزیوں اور بقولات پر زندگی گزارتا ہے۔ اس فرقہ کے پیروں کو "ویجی ٹیرین" کہا جاتا ہے جنکا خیال ہے کہ گوشت انسانی غذا نہیں ہو سکتا جس طرح شراب انسان کیلئے زہر ہے اسیطرح گوشت صحت انسانی کے لئے مضر ہے۔ ان لوگوں کا قول ہے کہ اول تو جانداروں کی جان لینا خلافِ رحم و انصاف اور ایک قسم کی درندگی ہے پھر انسانی معدہ گوشت کی سی ثقیل غذا کو ہضم بھی نہیں کر سکتا۔ نہ انسان کو فطرت نے (شیر اور کتے کی طرح) ایسے قدرتی اوزار دئیے ہیں جس سے ثابت ہو کہ گوشت انسان کے چبانے کی چیز ہے اس لئے بہتر ہے کہ ایسی مضر چیز سے حذر کیا جائے اور جانوروں کی جانیں مفت نہ کھوئی جائیں ۱۲

اس اعتراض کا جواب تو بہت آسان ہے لیکن خوف ہے کہ غریب "ویجی ٹیرین" نباتات سے بھی توبہ کر لیں اور پتھر مٹی نہ کھانے لگ جائیں جان اور روح جس چیز کا نام ہے وہ صرف ایک قسم کی حرکت ہے۔ اور یہ حرکت نباتات میں بھی ایسی ہی موجود ہے جیسے حیوانات میں۔ بلکہ بعض بعض جمادات میں بھی اس کا وجود پایا گیا ہے۔ پانی، سیارے، عقیق البحر وغیرہ بھی جاندار ثابت ہوئے ہیں۔ ہری ہری ترکاریوں کو جڑ سے اکھیڑنا اور چولھے پر پکا پکا کے مزے لے لے کے کھانا کسی طرح ذبح جانداراں سے کم نہیں۔ یہ ان فلسفیوں کی دانشمندی ہے کہ حیوانات کے تمام افعال و آثار کو نباتات میں نہ پا کے تصور کرتے ہیں کہ نباتات میں جان نہیں۔ ہرے درخت۔ ہرے پتے۔ ہری ڈالی۔ تازہ پھول۔ تازہ پھل۔ ان سب کو کاٹ کے دیکھو۔ دو دن کے بعد خشک ہو جائینگے۔ ظاہر ہے کہ اُن کی جان لے لی گئی۔

جس طرح جانداروں کی پیدائش نطفہ سے وقوع میں آتی ہے۔ اسی طرح نباتات کی تخم سے ہوتی ہے۔ جس طرح بچے پیدا ہوتے ہیں اور بڑھتے ہیں اسی طرح پودے اُگتے اور بڑھتے ہیں۔ جس طرح جانوروں کی ایک عمر ہوتی ہے اسی طرح نباتات کی بھی ایک عمر ہے۔ جس طرح جانوروں کو ذبح کرنے سے موت لاحق ہوتی ہے اسی طرح نباتات کو جڑ سے اکھیڑنے یا کاٹ دینے سے موت عارض ہوتی ہے۔ جس طرح جانوروں میں جفتی ہوتی ہے اسی طرح بعض نباتات میں بھی پائی گئی ہے۔ اس کے کیا معنے ہیں کہ جانوروں کو تو ذبح نہ کیا جائے اور نہ اُن کا گوشت استعمال میں لایا جائے لیکن سبز سبز نباتات کو جڑ کر کاٹا جائے اور آگ پر پکا پکا کر کھایا جائے اگر جانداروں سے ہمدردی ہے تو نباتات نے کیا گناہ کیا ہے کہ اُن پر نگاہ رحم نہیں ڈالی جاتی۔

اس میں شبہ نہیں کہ "ویجی ٹیرین" کی ہمدردی و رحم گستری فطرت کی ہمدردی و رحم گستری سے ضرور بڑھ گئی ہے کہ اُس نے تو وحوش و سباع کی

گھٹی میں گوشت خوری ڈال دی اور انھوں نے گوشت خوری کو زندگی قرار دیا۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ موجودات عالم میں ایک کو دوسرے کا ذریعہ بقاہی قرار دیا گیا ہے۔ اگر انسان گوشت کھانا چھوڑ بھی دے تو حیوانات دوسرے حیوانات کو کھانا نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر حیوانات کو بھی چھوڑ دیں تو نباتات کو ضرور کھائینگے۔

نباتات جمادات کو اپنی غذا بناتے ہیں۔ اور جمادات ہر قسم کے مردہ حیوانات و نباتات و جمادات کو اپنی خوراک بنا لیتے ہیں۔ مٹی ہر قسم کی چیز کو کھا کر مٹی بنا دیتی ہے۔ مٹی، پانی، بخارات کو نباتات کھاتے ہیں۔ نباتات کو حیوانات حیوانات کو انسان۔ اور ایک انسان کو دوسرا انسان۔ ایک (مردہ) قوم کو دوسری (زندہ) قوم۔ تاوقتیکہ یہ سلسلہ نہ توڑا جائے ویجی ٹیرین کے اعتراضات و پابندی کا طلسم ٹوٹتا رہیگا اور انھیں کامیابی نہ ہوگی۔

یہ بھی کیا مزے کی بات ہے کہ شیر۔ کتے وغیرہ کو تیز اور مضبوط دانت دئے گئے ہیں کہ گوشت اور ہڈی اُن کی غذا ہے۔ انسان کو ایسے دانت نہیں دیئے گئے اس لئے گوشت انسان کی غذا نہیں ہو سکتا۔ کیوں صاحب؟ انسان کو ایسے دانت کب دیئے گئے ہیں جیسے گائے بیل بھینس بکری وغیرہ کو۔ یہ جانور بقولات اور گھانس وغیرہ کھاتے ہیں۔ تو انسان کو بقولات بھی حرام ہو گئے۔ کیونکہ گیہوں چاول۔ چنا وغیرہ چبانے کی قابلیت انسان کے دانت میں نہیں ہے۔ جب انسان کو عقل جیسا کبھی نہ گھسنے والا نہ ٹوٹنے والا دانت عطا کیا گیا ہے جس سے وہ ہزارہا مختلف قسم کے دانت (اوزار) بنا لیتا ہے تو ایسے دانت کے نہ ملنے کی کیا پروا ہے۔

رہا یہ کہ گوشت ہضم نہیں ہوتا اور مضر مادے پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک طبی اعتراض ہے۔ اس کا جواب شاید ڈاکٹروں کے رجسٹروں سے مل سکے کہ گوشت خواروں کے معدے قوی ہوا کرتے ہیں یا ضعیف۔ اور اُن کا ہضم درست

رہتا ہے یا ہمیشہ بگڑا ہوا۔ الغرض ہمارے نطری مذہب نے تو "لحم طری" کی سی مونہ سے نہ چھٹنے والی نعمت کے استعمال کرنے اور جانوروں کو ذبح کر کے کام میں لانے سے ہمیں منع نہیں کیا ہے۔ حالانکہ دوسری مضر چیزوں اور فساد آور اشیا کو قطعاً ہم پر حرام کر دیا ہے۔ اور یہی اُس کے مذہب الٰہی و ملت فطری ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

عید کی خوش گوار کیفیت بیان کرتے کرتے ہم دور نکل گئے۔ نویں ذی الحجہ سے عید الضحیٰ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس روز عمدہ عمدہ کھانے پکائے جاتے ہیں ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ روزے رکھے جاتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے دل پر خوشی کا ایک عجیب عالم طاری رہتا ہے۔ مسرت کی برقی لہر رگ و پے میں دوڑتی رہتی ہے۔ چہرے شگفتہ۔ دل کھلے ہوئے۔ ہات پاؤں عمدہ کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ دن اگر سچ پوچھا جائے تو مسلمانوں کا سب سے بڑا دن ہے۔ اس دن ایک نہایت مہتم بالشان کارروائی عمل میں آتی ہے یعنے ایک نہایت مقدس روحانی دربار سرزمین عرب کے سب سے زیادہ قدیم تاریخی بابرکت اور معظم شہر (مکہ) میں منعقد ہوتا ہے۔ اس دربار کا صدر نشین وہ شہنشاہ عالی مقدار ہے جس کے آستان جلال پر بڑے سے بڑے بادشاہ اور حقیر سے حقیر گدا کا رتبہ مساوی ہے۔ اور بادشاہی و گدائی اُسی کی مشیت سے عمل میں آتی اور تقسیم ہوتی ہے۔ ہر شے ہر ذرہ ہر موجود اُسی کے عتبہ عالیہ پر جبہہ سائی کرتا اور اُسی کی بارگاہ میں اپنی تمام حاجتیں لاتا ہے وہ شاہ شاہاں کون ہے وہ وہی عالم الغیب والشہادہ۔ قادر و قدیر۔ مالک الملک ذوالملکوت صاحب العزۃ والجبروت ہے۔ جس کے حکم سے ہمارا قلم رواں اور ہمارا تنفس جاری ہے۔ اُس کے دربار میں داخل ہونے کے لئے امیر غریب، بوڑھے جوان۔ عورت مرد، کسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ ہر شخص بے روک ٹوک داخل ہو سکتا ہے نہ کوئی حاجب ہے نہ کوئی دربان صرف ٹکٹ داخلہ کا موجود ہونا ضرور ہے

اور وہ خلوص نیت و زاد سفر ہے اور بس دربار میں داخل ہونے سے پہلے ایک بہشتی چشمے (زمزم) میں نہانے سے مسلمانوں کے تمام گناہوں اور لغزشوں کی گرد بالکل دھل جاتی ہے اور وہ بادشاہ کو نذر دینے سے پہلے بالکل پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ اس دربار میں دنیا کے دور دراز شہروں اور ملکوں کے مسلمان ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں جوش وعزم وعقیدت سے بھرے ہوئے دل لے کے داخل ہوتے ہیں۔ اور جس وقت تضرع وخشوع وخضوع کی نذر داخل کر کے باہر نکلتے ہیں اور بارگاہ جلال کے گرداگرد طواف کرتے ہیں تو خوشنودی خدا کے خلعت اور رضائے مصطفے کے تمغے حاصل کر کے شاداں وفرحاں فائز المرام لوٹتے ہیں۔

اس متبرک جلیل الشان دربار کو پر شکوہ وپر رونق بنانے کے لئے نہ کوئی آرایش کام میں لائی جاتی ہے۔ نہ لاو لشکر منگوایا جاتا ہے۔ نہ کھیل تماشے مہیا کئے جاتے ہیں۔ نہ کوئی اور سامان دلچسپی بہم پہونچائے جاتے ہیں پھر بھی ہر سال ہزاروں لاکھوں مسلمان ہیں کہ دنیا بھر کے مختلف دور دراز دیار وامصار سے خشکی وتری کو طے کر کے آتے اور سرمایۂ ثواب کما کے لیجاتے ہیں خدا ہر شخص کو اس دربار میں پہونچنا اور مقرب حضرت شاہنشاہی بننا نصیب کرے۔

حیدرآباد میں دن کے دو بجے کے قریب اس روحانی مقدس دربار حج کے اعزاز میں توپیں سر کی جاتی ہیں۔ اس وقت تصور کی دوربین اٹھا کے سرزمین عرب کی سب سے بڑی زیارت گاہ کو غور سے دیکھا جائے تو نظر آئیگا کہ مسلمانان عالم کا بہت بڑا اجتماع ایک رنگ اور ایک ہیئت میں بلا کسی وجہ امتیاز کے خوشنودی الہی حاصل کرنے کے لئے سعی کر رہا ہے۔ اس وقت اس دربار کی شرکت سے محروم رہنے والوں کا حال کچھ وہی خوب جان سکتا ہے جو دانائے غیب ودانائے راز ہے۔

دوسرے دن سویرے ہی نماز عید کی تیاری اور قربانیوں کی گڑبڑ شروع

ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ نماز بہ نسبت عید الفطر کی نماز کے کسی قدر جلد ادا کی جاتی ہے۔ اس لئے غسل اور لباس پوشی میں سرعت ملحوظ رہتی ہے۔ نو بجے کے عمل میں مسجدوں اور عید گاہ میں خلوص دل اور صفائی نیت کے ساتھ دوگانہ شکرانہ ادا کیا جاتا ہے۔ اور مسلمان ایک دوسرے سے گلے مل مل کے یہ شعر پڑھنے لگتے ہیں ؎

عید قرباں آمدہ قرباں کنید
حمد حق نعت نبی ہر آں کنید

بہت بڑی خوشی اور نہایت سچی مسرت کا باعث یہ ہے کہ ہماری ریاست سراپا میمنت میں نہ صرف مسلمان مسلمان ہی باہم گلے ملتے اور خوشیاں مناتی ہیں بلکہ ہندو مسلمان بھی ایک دوسرے سے سچے دل سے گلے مل مل کے یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

عید الضحیٰ میں ملئے گلے دوستوں سے آپ
اور اپنے بغض و کینہ کو قربان کیجئے

دنیا بھر کے کسی خطہ اور کسی حکومت میں کہیں دو مختلف قوموں کا یہ میل ملاپ اور یہ اتفاق و یگانگت نہیں نظر آسکتی سوائے خطۂ دکن کے۔ جس کو خدا ہر آفت و ہر مصیبت سے ہمیشہ کے لئے محفوظ و مامون رکھے۔ یہاں ایک دوسرے میں نہ کوئی کد و کاوش ہے نہ فساد و برہمی نہ حقوق کے لئے مار کٹائی نہ قربانیوں پہ انسانی قربانیاں۔ نہ عہدوں کے جھگڑے نہ زبان کی بحث و تکرار۔ نہ کسی اور امر پہ جنگ و پیکار۔ اور یہ محض نتیجہ ہے اُس حق رسانی اور مساوات پروری اور یکساں بینی اور عام رحم گستری کا۔ جو یہاں کے بیدار دل، لیاقت پسند، غیر رساں، بے تعصب، اور رعایا نواز بادشاہ کی جبلت کا خاصہ غیر منفک بنی ہوئی ہے۔ اور جس کے آثار ذرہ ذرہ سے عیاں اور قطرہ قطرہ سے آشکار ہیں۔ اسی کا اثر ہے کہ ہمارا ملک امن عام و صلح تام کا مامن و ملجا ہے اور ہمارا

ملک والے دنیا بھر کی آفتوں سے قطعی طور پر معاف کر دئے گئے ہیں۔ آج ہم نہیں
آسمانی بلاؤں اور زمینی حادثوں سے بھی ہم بالکل نچنت اور بے فکر ہیں اور
جانتے تک نہیں کہ طاعون اور وبا اور زلزلہ اور طوفان کن چیزوں کے نام ہیں۔
خدائے ذوالجلال ابدالآباد تک ہمارے سروں پر ہمارے باقبال و
ہر دلعزیز پادشاہ کو سایہ فگن رکھے اور اُس کا سایہ اُن اعیان دولت و ارکان
حکومت کے سروں پر ڈالے جو حقوق عباد کے پہچاننے اور تولنے والے ہیں اور
جن کے تعصب و بے تعصبی۔ ایمانداری و بے ایمانی۔ انصاف پژوہی و ظلم شعاری
حق رسی و ناتواں بینی سے لاکھوں ہزاروں سیکڑوں بندگان خدا کی منفعت وابستہ
ہیں۔ اور جن کی تدبیر و سیاست کے ہات میں ہمارے نیک منش بے تعصب پادشا
نے زمام رتق و فتق و نظم و نسق ریاست دیدی ہے۔ آمین ثم آمین۔

اڈیٹر

ریویو

عاشق سراغ۔ یہ خیال کہ جو لوگ نثر اچھی لکھتے ہیں نظم اچھی نہیں کہہ سکتے اور
جو لوگ نظم اچھی کہتے ہیں نثر اچھی نہیں لکھ سکتے۔ جس طرح من جمیع الوجوہ غلط نہیں اسی
طرح فی جمیع الاوقات درست بھی نہیں۔ مولوی محمد عبدالحی صاحب باغ کا کلام
جس طرح دکن کیلئے سرمایہ ناز ہے اُسی طرح اُن کی نثر بھی اپنی روانی اور برجستگی
میں کچھ کم قابل ستایش نہیں ہے۔ حال میں اُن کا ایک اچھوتا ناول "عاشق سراغ"
شایع ہوا ہے جو ہمارے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ اس ناول کی خوبی و دلچسپی
کا یہ حال ہے کہ جب تک ہم نے اس کو بسم اللہ سے تمت تک پورا دیکھ نہیں لیا۔
ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ قصہ ہماری ریاست کے صوبہ میدک کے کسی قریہ کی سرزمین
پر واقع ہوا ہے۔ جہاں ایک شراب خوار عیاش کو کسی اتفاقی ہستی کی آرزو میں

چوری اور قتل و زنا کے شکار کھیلا کرتا تھا۔ اس کومٹی کا ایک دوسرا خالی افتادہ مکان تھا جسمیں وہ اکثر راتیں عیش و عشرت کے پہلو میں گذارتا تھا۔ اس مکان کے پہلو میں ایک ساہوکار کا مکان تھا جسکی نہ سالہ لڑکی راجما اپنے حسن و جمال کی وجہہ سے آفت روزگار تھی۔ اس بے گناہ کمسن پہ عیاش کومٹی کی بری نظریں پڑا کرتی تھیں۔ انھوں نے بالآخر کومٹی کی شرارت و خباثت کو زنا بالجبر کا مرتکب کرا کے چھوڑا۔ جب کومٹی کا نشہ شراب و نشہ شہوت اتر گیا تو سوچا کہ صبح کو لڑکی کی بے گناہی اور سچائی رنگ لائے بغیر نہ رہیگی قوم میں رسوا ہونے کے علاوہ قانونی شکنجہ میں بھی پھنسنا پڑیگا عزت کے ساتھ آزادی اور گھر بار سب چھین لیا جائیگا بہتر ہے کہ غش کھائی ہوئی بیگناہ کو ہمیشہ کیلئے میٹھی نیند سلا دے۔ یہ شیطانی منصوبہ باندھتے ہی ظالم نے غریب مظلومہ کا گلا گھونٹ دیا اور آدھی رات کے اندھیرے میں خود اسکے باپ کے مکان کی باولی میں نعش کو ڈال کے نجنت ہو گیا۔ مگر زنا بالجبر اور خون ناحق کبھی چھپنے والی چیز نہیں ہیں "عاشق سراغ" کی حیرت انگیز تفتیش و سراغ رسانی نے بدکار قاتل کو کیفر کردار تک پہونچا کے چھوڑا اور ساوس کے ساتھ اس کے کئی معین و معاون بھی اپنے کئے کو بھگتے بغیر نہ رہے

میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں سراغرسانی کے موضوع پہ جتنے ناول لکھے گئے ہیں ان سب پر اس ناول کو بدیں وجہہ فوقیت دیجا سکتی ہے کہ اس کا انداز سراغرسانی کے متعلموں کے لئے استادانہ رہبری کرسکتا ہے اور یہی اس کا موضوع ہے جسمیں اس کو خاصی کامیابی نصیب ہوئی ہے اور وہ اس کامیابی پر مبارکباد کا مستحق ہے۔

اس کے ساتھ ہی میں یہ کہے بغیر نہ رہونگا کہ جس جس جگہ اپنی پولیس و افسر سراغرسانی کی بحثیں ہیں وہ مغلق الفاظ اور مشکل پیرایہ بیان سے خالی نہیں ہیں۔ ناول کی زبان ایسے اغلاق کی تاب نہیں لاسکتی نہ پولس کے افسر (جن کی رہنمائی کیلئے اس کی تصنیف کی تکلیف گوارا کیگئی ہے) اپنے پیرایہ بیان

کو آسانی یا بلا مدد لغت سمجھ سکتے ہیں۔ میں قابل عزت ناول نویس کو یہ صلاح دینے سے باز نہ رہونگا کہ وہ اس سلسلہ کے دوسرے حصوں میں عام فہم روزمرہ سے تجاوز نہ کریں۔

پیرایہ بیان کے بعد اس کے بعض الفاظ بھی مجھے کھٹکے ہیں مثلاً "پولسانہ" "کھڑکی نما" "گل دمیوے" وغیرہ اگرچہ ان الفاظ کی نسبت یہ عذر بھی ایک حد تک قابل تسلیم ہے کہ جب زبان اردو کی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر زبان کے الفاظ اُس میں گھل مل جاتے ہیں۔ اور زبان کو وسیع کرنے کیلئے ضرور ہے کہ اردو فارسی کے الفاظ میں رشتہ باندھا جائے اور اردو الفاظ فارسی عربی کے الفاظ کی طرف منسوب اور مضاف یا مضاف الیہ کئے جائیں کہ اس سے اختصار کے ساتھ ادائے مطلب ہو جاتا ہے تو اس قسم کی گرفت نہیں ہونی چاہئے لیکن پھر بھی ایسی آوازیں کانوں کو کچھ بھلی نہیں معلوم ہوتیں۔ "بھیت سرکار" "ٹیکہ دوامی" "لب سڑک" "ٹکٹ ہٹیہ" "قریب المرگ" "نرخ بتاوان" "شرح بڑھوتری" "پاندان" "اگالدان" "بھالہ چمکدار" "جواناں پالکی" "مُعبتہ تصیلدارن" "اِنڈ انڈا منٹ" وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو از روئے قاعدہ صحیح نہیں ہو سکتے نہ فصیح بولی ان الفاظ کو قبول کر سکتی ہے اگر اسی قسم کے الفاظ پر قیاس کر کے ہم و الفاظ گھڑتے جائیں۔ مثلاً "ڈبہ حیرت" "اگالدان ہوی" "اسٹیشن واڑی" "کرتہ طمل" "پاجامہ خمل" "ڈوپٹہ دھانی" "پانی آسمانی" تو کیا شک ہے کہ کاسہ اردو بہت جلد قلتین ہو جائیگا۔ اور زبان ایسی بگڑ جائیگی کہ ایک کو دوسرے کی بات سمجھنی دشوار ہو جائیگی۔

اس مسئلہ پر بھی سے اور اکثر صاحبان ذوق سے کئی کئی مرتبہ گفتگو ہوئی ہے اور میں موافق و مخالف آوازوں کو سن سن کر اس نتیجہ پر پہونچ گیا ہوں کہ جہاں تک صحیح الفاظ اور عمدہ پیرایہ ہمارا ساتھ دے سکتا ہے ہم ایسے الفاظ اور مرکبات کو داخل اغلاط تصور کرتے ہیں۔ اور جہاں بغیر اس

قسم کا لفظ استعمال کئے رستہ نہیں ملتا وہاں بحکم مجبوری ہمارا یہ فعل جائز مگر داخل مکروہات سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ سوال میں اصلاح اردو کے باب میں اٹھانا چاہتا تھا لیکن یہاں موقع مل گیا اگر مدعیان زبان اس مسئلہ پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں اور اپنی رایوں کا اظہار کریں تو ان کو خوشی سے درج کیا جائیگا۔ شعراء کو ایسی بحثوں میں ضرور حصہ لینا چاہیئے کہ یہ خاص انہی کا میدان ہے۔

عاشق سراغ کی بابت ناول کے مشتاقوں اور زبان کے لطف اٹھانیوالوں سے میں پرزور سفارش کرتا ہوں کہ وہ اس کا ایک ایک نسخہ ضرور خریدیں اور لایق مصنف کا حوصلہ بڑھائیں حجم ۹۶ صفحے قیمت ایک روپیہ۔ ہنمکنڈہ (قلمرو سرکار آصفیہ) کے پتہ پر مصنف سے مل سکتا ہے۔

بڑی جنتری ۱۹۱۱ء۔ منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد مالک نامی پریس کانپور کا وجود لیتھو پریس کی دنیا میں بہت غنیمت ہے کہ آئے دن دیدہ زیب چھپائی کے اعلیٰ نمونے انکی بدولت نظر آتے رہتے ہیں۔ ان کا پریس ہر سال ایک بڑی جنتری خاص اہتمام اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ملک میں شایع کرتا رہتا ہے۔ جو نہایت ضروری معلومات اور سال بھر کی کیفیات نجوم پر مشتمل رہتی ہے اور جس میں مختلف فوٹو بھی درج رہتے ہیں۔ جنتری کیا ہے ایک خزانہ معلومات ہے۔ ہندوستان بھر کے نامی گرامی کارخانوں کے اشتہارات اور اشیاء کی تصویریں موجود رہتی ہیں۔ اس سال یہ جنتری بڑی آب و تاب سے چھاپی گئی ہے۔ اور دیکھنے کے لایق ہے۔ کاغذ ایسا عمدہ لگایا گیا ہے کہ ہات لگانے سے میلا ہو جائے باایں ہمہ قیمت صرف ۳/۴ جو شاید اس کے کاغذ کا خرچ ہو تو ہو پوری جنتری کی قیمت ہرگز نہیں ہو سکتا۔ شوقین ناظرین اس کو ضرور خریدیں فقط

اڈیٹر

علاوہ سررشتہ جنگلات سرکار عالی نے دو قسم کی لکڑیون کے نمونے جو ممالک محروسہ مین دستیاب ہوتے ہین اور تین چار سو جنگلی جڑی بوٹیون کو پیش کیا تھا۔

دربار ہال کے باہر چند قسم کے پتھر اور ریلندہ پہاڑ کی معدن کا ایک بڑا کوئلہ کا پتھر۔ چند زراعتی آلات کس پرس حالت مین رکھے ہوئے تھے۔ چند طلبہ مدرسہ صنعت وحرفت اورنگ آباد اور بعض دوسرے کاریگر پارچہ بافی رنگسازی۔ زری دوزی مہرکنی کا کام کرتے تھے۔

دربار ہال کے باہر جن لوگوں نے اپنی دوکانیں قائم کی تھیں اونکے نام حسب ذیل ہیں۔

نام	سامان
سید عبدالرزاق اینڈ کمپنی	کارخانہ شکر حیدرآباد کی بنی ہوئی شکر اور ضابون متفرق انگریزی سامان۔
کارخانہ صنعت ہند	بیٹر اور آہنی سامان - بنچیں - جنگلے - کٹہرے وغیرہ۔
ضلع ناندیڑ کی ایک دکان	ریشمی کپڑے۔ ساڑیان۔ رومال سیلے
ضلع اطراف بلدہ کی ایک دکان	برنجی شمع - اودھوتی - و ریشمی پارچے
محمد جعفر جد ستی افندی	ایران - عرب شام - اور یوروپ کا سامان
سمسن اینڈ کمپنی مدراس	بگھیاں
انڈین الیومینیم اینڈ سائیکل کمپنی بنگلور	الیومینیم کے برتن اور سائیکلیں
الیسٹرن ٹریڈنگ کمپنی بمبئی	موٹر کاریں اور لیمپ

ان سب امور کے علاوہ کوشش کی گئی تھی کہ لکچر دے جائیں۔ مشاعرہ ہو صنعت وحرفت پر مضمون لکھائے جائیں۔ مختلف قیمتی فیشن کئے جائیں مگر ان سب چیزون کو پوری کامیابی نہ ہوسکی۔ پرند۔ مویشی۔ اور گھوڑے

کبھی کسی نے نمایش میں نہیں داخل کیے۔

نمایش ابتداء میں صرف ایک ماہ کے لیے کھولی گئی تھی مگر اسکے بعد مدت بڑہائی جاتی رہی اور چار ماہ تک قایم رہی۔ اعلیحضرت اقدس واعلی چھہ مرتبہ رونق افروز نمایش ہوئے۔ کورس ہیری یہ حیثیت پرنس آف ویلیز ایک مرتبہ تشریف لائیں ہزاروں شایقین روزانہ نمایش میں آتے تھے جس میں بکثرت دیہاتی اور بہت سے غیر ملک کے اشخاص بھی شامل رہتے تھے تقریبًا پانچ چھہ لاکھ تماشائی اس مین آئے متعدد مرتبہ پردہ نشین عورتون کو پردہ کے ساتھہ نمایش کا بڑا حصہ دکھایا گیا۔ یہ تو نمایش کے سامان کی حالت تھی۔ رہے نتائج اسکے لحاظ سے نمایش کو چنداں کامیابی نہیں ہوئی۔ جو لوگ مال لیکر آئے تھے یا مال روانہ کیا تھا وہ فروخت نہ ہونے کے شاکی رہے خاصکر جو بیوپاری بیرونجات سے آئے تھے وہ طوالت نمایش اور زیادتی اخراجات کی بدولت زیادہ فائدہ حاصل نکرسکے ممالک محروسہ کے کاریگروں پر بھی کوئی عمدہ اثر نہ پڑا۔ کاریگر نمایش میں آئے ہی نہیں کہ یہاں مال دیکھکر اور تجارتی اصول سیکھکر اپنے حرفہ کو ترقی دیتے۔ انکے ترغیب و تحریص کے لیے جو انعامات مقرر تھے وہ چار سال بعد بلا کسی اعلان وغیرہ کے دیدئے گئے سرکار پر اخراجات کا بار پڑا۔ اگرچہ اسکے متعلق کوئی رپورٹ شایع نہیں ہوئی مگر کہا جاتا ہے کہ کل اخراجات دو لاکھہ روپیہ کے قریب ہوئے اور آمدنی ڈیڑھہ لاکھہ روپیہ۔ اور رلوکل فنڈ پو پچاس ہزار روپیہ کا بار پڑا۔

نمایش کی کوئی رپورٹ نہیں لکھی گئی جس سے مال آمدہ نمایش کی تفصیل ظاہر ہوتی کاریگروں کے نام سے عام طور پر لوگوں کو وقفیت ہوتی۔ مصنوعات کے نقص اور امور اصلاح طلب ظاہر ہوتے۔

اس نمایش سے یہ ظاہر ہوا کہ ابھی تک اہل دکن کو تجارت کا ہنر نہیں آیا ہے لیکن اس سے اہل ہندوستان کچھہ نہ کچھہ واقف ہو چکے ہیں اگرچہ بیرونی مال کے

نمایش میں لانے کی اجازت کا اعلان نمایش کھلنے سے تھوڑے ہی دن پیشتر دیا گیا تھا تاہم دور دور سے بیوپاری بکثرت قیمتی سامان لیکر آئے اور نہایت سلیقہ سے اسکو سجایا۔ اسکے بمقابل ممالک محروسہ کے تاجروں نے بہت کم دکانیں اپنے ذاتی اہتمام سے لگائیں اور اس میں بھی زیادہ تر معمولی کھانے پینے کی تھیں۔ نمایش سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ نوجوانان ملک کا طبقہ جو بہت ہی جلد پبلک لائف میں قدم رکھنے والا ہے۔ قماربازی۔ شراب خواری۔ لہو لعب کا اسقدر دلدادہ ہے کہ اسکو ملک کی فلاح اور اپنی ذمہ داریوں کا خیال تک نہیں ہے۔

اس نمایش کو جو نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی اسکے حسب ذیل اسباب ہیں نمایش کا کام جیسا کہ بالعموم ہر ایک نمایش کا قاعدہ ہے بجائے سرکاری وغیر سرکاری معززین کی کمیٹی کے بالکلیہ ایک ڈائرکٹر کی رائے پر چھوڑ دیا گیا نمایش کے داخل شدنی اشیاء اور اسکی مدت کا پیشتر ہی سے اعلان نہیں کر دیا گیا وقت بوقت اوسکا تعین ہوتا رہا۔ نہ یہی اعلان ہوا کہ انعامات کن کن چیزوں پر دئے جائینگے۔

مصنوعات کے انتخاب کا کام عہدہ داران اضلاع پر معمولی طور سے چھوڑ دیا گیا حالانکہ نمایشوں میں اس اہم فرض کی انجام دہی کے لئے خاص خاص ماہر فن افسروں کا تعین ہوا کرتا ہے جو تمام ملک میں پھر کر اور کاریگروں کو مشورے دیکر سامان تیار کراتے ہیں کھیل تماشوں کو بکثرت نمایش میں داخل کر دیا گیا ختم نمایش پر انعامات و تمغے دئے جانے کے در عوض ۵ سال زمانہ نمایش کے بعد بلا کسی شہرت و اعلان کے تقسیم کئے گئے ٹکٹوں کے فروخت کرنے کا کافی انتظام کیا گیا نہ اون پر نمبر وغیرہ طبع کئے گئے جس سے یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ پوری پوری آمدنی سرکار میں داخل نہ ہوسکی۔

بعض اخراجات میں ضرورت سے زیادہ اسراف کیا گیا۔

صرفخاص و دیوانی سے مصنوعات زیادہ مقدار میں خریدے نہیں گئے

اور نہ کوئی نیم سرکاری اثر امرا و معززین پر اسکے متعلق ڈالا گیا۔
اگر ان سب امور کا خیال رکھا جاتا تو بلاشبہ نمایش کو پوری کامیابی اور رونق حاصل ہوجاتی۔
نمایش مین اشیا پیش کرنے پر جن لوگون کو انعامات سرکار سے مرحمت ہوئے اونکی فہرست حسب ذیل ہے۔

فہرست انعامات نمایش حیدرآباد بابتہ ۱۳۱۵ف

تمغہ جات

نمبر سلسلہ	نام صناع یا کارخانہ وغیرہ	سکونت	قسم تمغہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵
۱	مدرسہ صنعت وحرفت	بلدہ اورنگ آباد	طلائی	کمخواب
۲	کارخانہ صنعت ہند	بلدہ حیدرآباد	"	فوارہ مع لیمپ آہنی
۳	پیٹل برادر	"	"	الماری شیشمی
۴	حیدرآباد اسپننگ ویونگ کمپنی	سکندرآباد حسین ساگر	"	سوت سفید
۵	محمد لطیف و محمد وزیر	بلدہ اورنگ آباد	"	جامہ وار اودی
۶	جان محمد ساکن ہنمکنڈہ	ضلع ورنگل	"	تلوار عباسی
۷	عبدالرزاق کمپنی	بلدہ حیدرآباد	"	شکر تیار شدہ کارخانہ عبدالرزاق کمپنی
۸	عالیجناب سر مہاراجہ مدارالمہام بہادر	"	"	فوٹو قلمی
۹	مدرسہ صنعت وحرفت	بلدہ اورنگ آباد	نقروی	ہمرو
۱۰	"	"	"	کفن کالر

۱۱	مدرسہ صنعت و حرفت	بلدہ اورنگ آباد	نقرئی	ٹاٹی ریشمی
۱۲	" " " وکٹوریہ ارفنیج	بلدہ حیدرآباد	"	ٹی سٹ جرمن سلور
۱۳	محبس گلبرگہ	گلبرگہ	"	سوتی قالین سیاہ
۱۴	" اورنگ آباد	بلدہ اورنگ آباد	"	ریشمی سبز شملہ
۱۵	کارخانہ صنعت ہند	بلدہ حیدرآباد	"	ایلنگ ٹینگ
۱۶	حیدرآباد سپننگ و ویونگ کمپنی	سکندرآباد حسین ساگر	"	ترسیب کلات
۱۷	پٹونگر سوریا پیٹھ	ضلع نلگنڈہ	"	ساڑی ریشمی لاکھی
۱۸	پدی پوچالو	سدی پیٹھ	"	ساری چوخانی ریشمی
۱۹	نور محمد مومن	ضلع بیڑ	"	جامہ وار ریشمی
۲۰	محمد وزیر و محمد حبیب	اورنگ آباد	"	" " سوتی
۲۱	راجو سنگہ کھیم	ضلع ورنگل	"	ڈبیہ تہانی نقرئی جالیدار
۲۲	رامنا ولد ملنا کلبگور	ضلع میدک	"	کشتی نقرئی نقشی
۲۳	رامنا ولد نما راینا "	"	"	چار مینار نقرئی
۲۴	میناجی ولد سکھا رام	ضلع بیدر	"	پاندان بدری
۲۵	رامنا ولد ڈھونڈیا	"	"	چار کاسٹ بدری
۲۶	ونکیا ولد نیکیا اوپر گوڑہ	بلدہ حیدرآباد	"	ستون گلی لیمپ والا
۲۷	گلاب داس سیف آباد	"	"	کھلونہ ٹھنگ پہاسی
۲۸	.	نظام آباد	"	پیالی لاجوردی رنگ
۲۹	دہرم پوری نرسلو گولی گوڑہ	بلدہ حیدرآباد	"	"
۳۰	بہوڈوراج	بلدہ اورنگ آباد	"	شکاری چہرا
۳۱	.	نظام آباد	"	اسکرین
۳۲	.	"	"	کرسی بید
۳۳	چرچ مشن سوسائٹی رزیڈنسی اسکول	اورنگ آباد	"	قالین اونی

۳۴	مشرف علی رکاب گنج	بلدہ حیدرآباد	نقری	سامان سلمہ ستارہ
۳۵	امی رسل	"	"	ریل انجن آہنی
۳۶	لیڈی سپیریر سینٹ انیس کانونٹ	چادرگھاٹ حیدرآباد	"	تصویر قلمی
۳۷	مس خورشید جی دی پٹیل	سکندرآباد	"	"
۳۸	گوریا راجو		"	"
۳۹	مس اڈونہل	چادرگھاٹ حیدرآباد	"	"
۴۰	مس ای گریفن	"	"	"
۴۱	سوجلا خان	حیدرآباد	"	"
۴۲	مسز نندی	"	"	"
۴۳	سبا راجو	سکندرآباد	"	"
۴۴	بجو بھائی دستور	"	"	"
۴۵	سنٹ انیس کانونٹ	چادرگھاٹ حیدرآباد	"	"
۴۶	سی مکفرلین	سیف آباد "	"	"
۴۷	مسٹر گروس	حیدرآباد	"	"
۴۸	سی گرناتھم راجو	سکندرآباد	"	"
۴۹	محمود علی صاحب	ملک پیٹھ حیدرآباد	"	"
۵۰	نواب سالار جنگ بہادر	بلدہ حیدرآباد	"	"
۵۱	مس گاٹلیٹ	رزیڈنسی حیدرآباد	"	"
۵۲	نواب حیدالدین خان بہادر	بلدہ حیدرآباد	"	"
۵۳	مولوی محمد عبدالخالق صاحب مدرس	"	"	چہل بند جشن خسروی
۵۴	مدرسہ صنعت وحرفت	بلدہ اورنگ آباد	برنجی	مصلے سوزن کاری
۵۵	"	"	"	سنٹرپیس خرقہ کوبی
۵۶	"	"	"	آملید نگیس

۵۷	مدرسہ صنعت و حرفت و نشوریہ ازفنج	بلدہ حیدرآباد	نقرئی	اسکرین چوبی
۵۸	کارخانہ صنعت ہند	"	"	کارٹون بیچ
۵۹	پہالک کمپنی	"	"	تہای فرڈ بہ
۶۰	ایکناتھ کولسی	بیڑ	"	ساڑی سوتی
۶۱	ینکنا پٹوہ گر	سرونگر ضلع اطراف بلدہ	"	ریشمی تہان زرد
۶۲	اوبینا کسار	ضلع اطراف بلدہ	"	ڈبہ نقری منقش
۶۳	ایکناتھ راد	" بیدر	"	گلدان بدری
۶۴	.	پیرتی ضلع نلگنڈہ	برانز	کشتی برنجی منقش
۶۵	وینکنا ساکن لنگم پیٹھ	ضلع میدک	"	"
۶۶	ینکنا سرونگر	" اطراف بلدہ	"	ریشمی تہان زرد
۶۷	کرانی نما گنا سکنہ سٹھواڑہ	" ورنگل	"	ریشمی تہان شیروانی
۶۸	کونڈیا سکنہ ایدلا باد	" عادل آباد	"	بط گلی
۶۹		" کیل	"	بگلا گلی
۷۰	ارنا آہنگر ساکن کاپرتی	" اطراف بلدہ	"	طبنچہ جوڑی
۷۱	یلیا مانک سکنہ شوراپور	" گلبرگہ	"	پیچل جفت زرین
۷۲	کہتر عید	" بیڑ	"	چھاگل چرمی
۷۳	رجب علی	اورنگ آباد	"	شوز چرمی
۷۴	حاجی عبدالرحمن سکنہ منیر گنج	بلدہ حیدرآباد	"	نیچہ زرین
۷۵	اسلٹ بردرس	"	"	بلاکنک و سرورق ہاے
۷۶	سنت سنگ ہری سنگ	قصبہ نانڈیڑ	"	تصویر

۷۷	حکیم محمد مرزا خان سکنہ بازار عیسیٰ میان	بلدہ حیدرآباد	نقری	۶ ق کیوڑہ
۷۸	نقاشان کاماریڈی	ضلع اندور	"	مجسمہ چوبی
۷۹	لچھمی پرشاد سکنہ سانچہ توپ	بلدہ حیدرآباد	"	مرتبان گلی
۸۰	سیورام نقاش گوبی گوڑہ	"	"	مجسمہ شیر چوبی
۸۱	مدرسہ صنعت وحرفت اورنگ آباد	اورنگ آباد	"	تصویر قلمی
۸۲	سی گریا راجو	سکندرآباد	"	"
۸۳	مسٹر ٹرمبک	بلدہ حیدرآباد	"	"
۸۴	شنکر راو	"	"	"
۸۵	مس گریفین	چادرگھاٹ حیدرآباد	"	"
۸۶	مس ایمنٹ	سکندرآباد	"	"
۸۷	محمود علی	ملک پیٹھ حیدرآباد	"	" حسین ساگر
۸۸	"	"	"	تصویر چیند وال واٹر کلر
۸۹	مس اے کے جیونجی	سکندرآباد	"	" پھول "
۹۰	سید خواجہ سکنہ بازار گھانسی	بلدہ حیدرآباد	"	سماور ربرنجی

فصل پانزدہم

مصنوعات کے متعلق چند مزید باتیں۔ تذکرہ مصنوعات کے اختتام پر مصنوعات اورنگ آباد۔ قالین ورنگل ۔ مدارس حرفت کے متعلق مجھکو چند مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں اور انکا اندراج ضروری معلوم ہوتا ہے سنہ ۱۳۱۱ ہجری میں تاجران اورنگ آباد کی جانب سے ایک یادداشت

شایع ہوئی تھی اور اس میں کسی قدر اعداد و تفصیلات وغیرہ وہاں کے پارچوں کے متعلق دئے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ عالمگیر نے بہت سے ہنرمند پیشہ وروں کو مختلف اقطاع ہند سے یہاں آکر آباد ہونے کے لئے طلب کیا۔ گجرات سے مشروع کمخواب گوٹہ کناری بنانے والے بلائے گئے شاہی سرپرستی کی بدولت بہت جلد تمام ہند و دکن میں یہاں کی کاریگریوں کا شہرہ ہوگیا۔

تیرہویں صدی ہجری کے اوایل میں ایک ہزار گھرانے کاریگروں سے آباد تھے جو مشروع و کمخواب کو بنتے تھے۔ اور ان میں تین ہزار کرگھوں پر کام ہوتا رہتا تھا۔ ہر کرگھے پر کم از کم ماہانہ چار تھان مشروع اور ایک تھان کمخواب کے تیار ہوتے تھے تخمینہ کیا گیا ہے کہ کم و بیش سالانہ ۴۰۰۰ تھان مشروع کے اور ۱۲۰۰۰ تھان کمخواب کے تیار ہوتے تھے اس زمانہ میں مشروع و کمخواب بہ لحاظ قیمت تین قسم کے تھے ان پر جو لاگت ہوتی تھی اور جو منافع حاصل ہوتا تھا اسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مشروع

قسم	لاگت	قیمت فروخت
اول	[illegible]	[illegible]
دوم	[illegible]	[illegible]
سوم	[illegible]	[illegible]

مشروع

اوسط قیمت سالانہ ([illegible]) ہوتی تھی اور خالص منافع کی تعداد [illegible] ہوتی تھی۔

کمخواب

قسم	لاگت	قیمت فروخت

اول	[illegible]	[illegible]
دوم	[illegible]	[illegible]
سوم	[illegible]	[illegible]

اوسط قیمت کمخواب سالانہ ([illegible] لک) ہوتی تھی اور اوس سے ([illegible] لک) منافع حاصل ہوتا تھا - خلاصہ یہ کہ سالانہ [illegible] لک کے صرف کمخواب و مشروع فروخت ہوتے تھے اور اوس میں نصف رقم کاریگروں کو منافع میں حاصل ہوتی تھی - اس زمانہ میں ہمرو کا زیادہ رواج نہیں ہوا تھا - اسکے بعد کچھ عرصہ تک ان چیزوں کی مانگ بڑھتی گئی اور قیمتی و نفیس مال تیار ہونے لگا ہمرو بھی بننے لگے - صدی کے اوسط میں زوال شروع ہو گیا - بجائے ہزار گھروں کے آٹھ سو رہ گئے - اور کرگھوں کی تعداد تین ہزار کے عوض اٹھارہ سو ہو گئی سالانہ ۸۶۴۰۰ تھان مشروع کے اور ۴۳۲۰۰ تھان کمخواب و ہمرو کے تیار ہوتے تھے اسوقت کی قیمتوں اور لاگتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے -

مشروع

قسم	لاگت	منافعہ
اول	[illegible]	[illegible]
دوم	[illegible]	[illegible]
سوم	[illegible]	[illegible]

اوسط قیمت سالانہ ([illegible]) منافع ([illegible] لک)

ہمرو

قسم	لاگت	منافع
اول	[illegible]	[illegible]
دوم	[illegible]	[illegible]

سوم	[illegible]	[illegible]

کمخواب

قسم	لاگت	منافع
اول	[illegible]	[illegible]
دوم	[illegible]	[illegible]
سوم	[illegible]	[illegible]

سالانہ اوسط قیمت ہمرو و کمخواب ([illegible]) منافع ([illegible])
جملہ قیمت ان تینوں چیزوں کی سالانہ ([illegible]) اور اسکا منافع [illegible] ہوتا تھا۔ مذکورہ بالا اعداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پچاس سال کے بعد بمقابلہ لاگت منافعہ کی مقدار مال کے زیادہ مقدار میں فروخت ہونے کی وجہ سے کم کردی گئی۔ ان دونوں سالوں کے درمیانی زمانہ کے متعلق اعداد نہیں مل سکے مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ کاریگروں کی تعداد گھٹ جانے اور مال کم تیار ہونے کے باوجود اس قدر کثیر قیمت ملتی تھی تو قیاس ہوتا ہے کہ وسط کے زمانہ میں بہت زیادہ مال فروخت اور کثیر منافعہ حاصل ہوتا تھا۔

تیرہویں صدی کے وسط کے ایک سال میں مذکورہ بالا پارچوں کے چند خریدار حسب ذیل تھے۔

حضوری . . . . [illegible]
دیوانی . . . . [illegible]
علاقہ امیر کبیر مرحوم . . . . [illegible]
نواب صاحب مدراس . . . . . . دو لک [illegible]
نواب صاحب کلیانی . . . . [illegible]
نواب صاحب کرنول . . . . [illegible]
ناظم جنگ مرحوم . . . . [illegible]

ابن صاحب . . . . [illegible]

حسن خاں سندوزئی . . . . . . [illegible]

راجہ راؤ رنبہ بہادر . . . . . . [illegible]

دیگر امرائے حیدرآباد . . . . . . [illegible]

تجار حیدرآباد . . . . . . [illegible]

خریداران ناگپور . . . . . . [illegible]

میزان . . . . . [illegible]

اسی زمانہ میں کارچوبی کے کاریگروں کے ساٹھ گھر آباد تھے اور ایک سو کاریگر کام کرتے تھے۔ ہر شخص کو روزانہ [illegible] سے ([illegible]) تک مزدوری ملتی تھی کام کی اسقدر کثرت ہوتی تھی کہ کاریگروں کا ملنا دشوار ہوجاتا تھا گاہک باہم اس بات پر لڑ پڑتے تھے کہ کاریگر ان کے کام کو چھوڑ کر دوسرے کا کام کرتا ہے۔

تاشں کے (۱۵۰) کاریگر تھے روزانہ مزدوری [illegible] سے [illegible] تک ہوتی تھی۔

کارچوبی۔ تاشں۔ بادلہ نکھی۔ گوٹا۔ جو اس زمانہ میں فروخت ہوتا تھا اسکا اندازہ ایک سال کے چند گاہکوں کے ناموں سے ہوسکتا ہے جو یہ ہیں۔

حضوری . . . . [illegible]

دیوانی . . . . [illegible]

امیر کبیر مرحوم . . . . [illegible]

ابن صاحب . . . . [illegible]

دیگر امرا [illegible]

میزان

[illegible]

زمانہ گزشتہ کے ان اعداد و تفاصیل کو بتاکر اس یادداشت میں ۱۳۰۶ء کے چند حالات درج کئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشروع ۔ ہمرو ۔ کمخواب کے کاریگروں کے (۷۵) مکانات باقی رہ گئے ہیں اور (۱۰۰) گھروں پر کام ہوتا ہے ۔ لاگت و قیمت وغیرہ کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

مشروع

قسم	لاگت	قیمت
اول	[illegible]	[illegible]
دوم	[illegible]	[illegible]
سوم	[illegible]	[illegible]

سالانہ تین ہزار تھان تیار ہوتے ہیں ۔ قسم اول کا تھان بہت کم فروخت ہوتا ہے اور صرف فرمایش پر تیار ہوتا ہے ۔ ہر سال صرف چار پانچ تھان تیار ہوتے ہیں ۔

ہمرو

قسم	لاگت	قیمت
اول	[illegible]	[illegible]
دوم	[illegible]	[illegible]
سوم	[illegible]	[illegible]

ہر سال تین سو تھان تیار ہوتے ہیں ۔

کمخواب

قسم	لاگت	قیمت
اول	[illegible]	[illegible]

دوم   ماعہ   ماصہ

سوم   لـہ   مام

ہر سال بمشکل دو چار تھان تیار ہوتے ہیں کم و بیش صہ ہزار کا مال ہر سال فروخت ہوتا ہے اور منافعہ کی مقدار (صمام) تک ہوتی ہے اسی طرح کار چوبی کام کرنے والوں کی تعداد گھٹکر بجائے ۶۰ مکانات اور ۱۰۰ کاریگروں کے ۶ مکانات اور ۱۷ کاریگروں تک محدود ہو گئی ہے تاش کے ۵۰ کاریگروں کے عوض دو کاریگر رہ گئے ہیں اور کام شاذونادر آتا ہے۔

یادداشت مذکورہ بالا میں مصنوعات کی اس قدر تفصیل کے بعد وجوہات زوال حسب ذیل لکھے گئے ہیں۔

۱- زیادتی نرخ غلہ

۲- زیادتی قیمت اشیاء خام

۳- محصول کروڑگیری

نرخ غلہ کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ پچاس سال پہلے جو قیمت غلہ کی تھی اسکے مقابل اب تگنی چوگنی قیمتیں ہو گئی ہیں۔ جن میں سے بعض کی تفصیل یہ ہے۔

نام جنس	قیمت سابق فی پلہ		قیمت حال فی پلہ	
	از	تا	از	تا
جوار	عـعـہ/ ۴/	عـعـہ/ ۱۰/	لـے/	لـے/ ۴/
گندم	سے/ ۴/	للعہ/	ہہ/	ھلہ/
باجرہ	عـعـہ/ ۱۰/	عاں	لـے/	ہہ/

نخود	عاں ۴ر	عاں ۸ر	۱ے ر ۱۲ار	۴ہ ر
تور	عماں	عاں ۸ر	۱ے ر	۱ے ر ۴ر
برنج	لعہ ر	ٮے	للعہ	للعہ
گہی	ٮدعہ	ٮہ	ماعہ ر	ماعہ
گوڑ	لعہ ر	ٮے	للعہ	للعہ
کرڑی	عاں ۱۰ر	۱ے ر	۱ے ر	۱ے ر ۴ر
انگور	عاں ۸ر	۱ے ر	اب پیداوار	نہیں ہوتی

اسی طرح اشیائے خام کی قیمت بہی مختلف اسباب سے گراں ہوتی گئی - چنانچہ پچاس سال پیشتر ریشم دکلور ضلع ناندیڑ او زناگپور و امراوتی سے آتا تھا - اسکی قیمت فی سیر ۸ر سے لیکر ۱۲ ر تک ہوتی تھی - یہ ریشم اگرچہ ناقص نہوتا مگر ولایت میں ولایتی ریشم کے مقابل نہ تھا - اس کے تار سخت ہوتے تھے دہنے سے حسب دلخواہ سفیدی پیدا نہیں ہوتی تھی - اصل رنگت اسکی زرد تہی - اس لئے ولایتی ریشم خریدا جانے لگا اسکی قیمت ابتدا میں فی سیر ۱۵ ہوتی تہی - جیسے جیسے ولایتی ریشم کی فروخت زیادہ ہوتی گئی قدیم دیسی ریشم کی فروخت کم ہونے لگی - جب دیسی ریشم کی تجارت تباہ ہوگئی تو بتدریج ولایتی ریشم کی قیمت بڑہتے بڑہتے ۱۰ + ۱۲ ہوگئی - اور یہ بہی قیمت اسی صورت میں ہوتی ہے جب کثیر مقدار میں مال نقد قیمت سے خریدا جائے ورنہ بے سرمایہ پیشہ وروں کو مقامی ساہوکاروں سے مال قرض لینے میں گراں تر سود دینا پڑتا ہے -

اسکے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ محصول کروڑگیری کس طرح مصنوعات کی ترقی میں مارج ہوتا ہے اور اسکی ایک خاص مثال یہ دی گئی ہے کہ ایولہ ضلع

ناسک میں ریشمی پارچے تیار ہوتے ہیں۔ اور کثرت سے فروخت ہوتے ہیں وہاں سے صرف دیول گانوں کی جاترا میں حمہ لک کا مال فروخت کے لئے جاتا ہے اور مال کو جالنہ پر سے لے جایا جاتا ہے اور اس پر محصول کروڑگیری بیوپاریوں ادا کرنا نہیں پڑتا ۔ اگرچہ دیول گانوں سے جالنہ بمقابل ایولہ قریب تر ہے لیکن بمقابلہ ایولہ جالنہ کے ریشمی پارچے وہاں فی صد ۵ زیادہ قیمت سے فروخت ہوتے ہیں اور اس گرانی کی وجہ سے اسکو کوئی نہیں خریدتا اور اسی لحاظ سے انکی روانگی ہی موقوف ہوگئی ۔ زیادتی قیمت کی وجہہ یہ ہے کہ جالنہ کے مال پر محصول کروڑگیری کی ادائی لازمی ہے ایسی حالت میں جب کہ غلہ اور اشیائے خام کی قیمت بڑھ جائے اور اس کے مقابل مصنوعات کی قیمتیں وہی رہیں جو پیشتر تھیں اور اس پر طرہ یہ کہ اس پر ایک گران تر محصول لگا دیا جائے ساتھ ہی فیشن کے بدل جانے سے مانگ بھی کم ہوگئی ہو تو ناممکن تھا کہ اہل حرفہ آبائی پیشوں میں لگے رہتے ۔

یادداشت مذکورہ بالا پر نواب مقتدرالدولہ بہادر صوبہ دار اورنگ آباد کی خاص توجہ احیائے مصنوعات کے لئے مبذول ہوگی ۔ اور اسی یادداشت کی بنا پر کچھ عرصہ بعد مصنوعات اورنگ آباد سے محصول اوٹھا دیا گیا ۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تنزل جو تیزی کے ساتھ ہو رہا تھا رک گیا ۔ اگر طاعون اور قحط کے متواتر اور سخت حملے نہ ہوتے تو حالت اور بھی درست ہوجاتی ۔

یہ تو بیس سال پیشتر کا تذکرہ تھا مگر اب فروخت مال کی کیا حالت ہے اس کے متعلق آیندہ باب "تجارت" مین تفصیل درج کرنے کی کوشش کی جائیگی میرے خیال میں ہمرو کی بافت میں بہ نسبت سابق کسی قدر زیادتی ہوئی ہے مگر مشروع کی فروخت کم ہوگئی ہے ۔

ورنگل کے قالینوں کے تذکرہ میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ نمایشگاہ دہلی کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر ۴ صحیفہ جلد ۶

ایڈیٹوریل

مرزا غالب اور نوکری

اُردو کے مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کا شمار چھوٹے رئیسوں میں تھا۔ اور سرکار انگریزی سے پنشن پاتے تھے۔ اس کے علاوہ اُستادی زبان کی بھی کئی ماہواریں اور نذریں مقرر تھیں۔ بایں ہمہ حضرت کی آزادگی ہمیشہ کہتی رہتی تھی کہ۔ قرار در کف آزادگاں نہ گیرد مال۔ ایک مرتبہ جناب کو یہ خیال پیدا ہوا کہ سرکاری ملازمت اختیار کرنے سے شاید کچھ فراغت حاصل ہو۔ خوبی قسمت سے کسی کالج میں مدرسی کی خدمت تقرر طلب تھی۔ آپ نے کلکٹر صاحب سے نوکری کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ صاحب نے کچہری میں آنے کو کہا۔ دوسرے دن آپ کچہری پہونچے۔ صاحب مکان پر تو آپ کے لینے کو باہر تک آتے اور اپنے ہمراہ اندر لیجاتے تھے اس مرتبہ استقبال کے لئے کچہری سے باہر نہ آئے۔ اس پر مرزا کو تعجب سا ہوا۔ صاحب نے اس تعجب کو یہ کہکر رفع کر دیا کہ پہلے آپ ایک رئیس کی حیثیت سے ملتے تھے۔ اُس وقت ہم پر آپ کی تعظیم واجب تھی۔ لیکن اب آپ خواہان ملازمت ہو کر ہماری ماتحتی میں آنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اب وہ پہلا برتاؤ قائم نہیں رہسکتا۔ مرزا نے جواب دیا۔ میں سمجھا تھا۔ کہ سرکاری نوکری عزت

و منزلت کو بڑھا دیگی۔ لیکن جب وہ میری عزت گھٹاتی ہے تو میں ایسی نوکری کو سلام کرتا ہوں۔

ایک وہ زمانہ تھا۔ اور ایک یہ زمانہ ہے کہ بڑے بڑے معاشدار اور ذی ثروت جن کو رزاق حقیقی نے بچپن سے بڑھاپے تک فکر معاش سے بالکل فارغ کر دیا ہے۔ اور جو اپنے ساتھ سیکڑوں کو نوکری کے گورکھ دھندوں سے فارغ کر سکتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی نوکریوں کے لئے سالہا سال امیدواریاں اور سرکاری افسروں کی دربار داریاں کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ جس تنخواہ کی نوکریاں چاہتے اور حاصل کرتے ہیں اتنی تنخواہ کی نوکریاں خود اُن کی جاگیروں اور اسٹیٹوں میں دوسروں کو ملتی ہیں۔ انّ ھذا الشئ عجاب۔

نوکری کو تمام جائز ذرائع معاش میں سب سے ادنی اور ادون درجہ کے نمبر دئے گئے ہیں۔ پہلے زمانہ کے شرفا اس کو اپنے لئے باعث ننگ و عار خیال کرتے تھے اور جب کوئی سرکار ازراہ عنایت و نوازش سے کسی کو وابستہ دامان دولت کرنا چاہتی تھی تو اس کے لئے ایک معزز طریقہ ملازمت کا یہ نکالا گیا تھا کہ اُس شخص کے نام گھر بیٹھے مفت تنخواہ جاری کر دی جاتی تھی۔ جس کو منصب۔ یومیہ۔ رسوم معاش تنخواہ امتیازی وغیرہ وغیرہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ انہی منصبداروں معاشداروں۔ رسومداروں۔ بلکہ اِن سے بھی کچھ بڑھے ہوئے جاگیرداروں کی اولاد سرکاری خدمتوں کے حاصل کرنے پر مٹی ہوئی ہے اور نوکری کی سی غلامی باعث عزت و افتخار سمجھی جانے لگی ہے۔ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

زمانہ یوں تو غیر متغیر ہے وہ جیسا پہلے تھا ویسا ہی اب بھی موجود ہے وہ تو بدل نہیں سکتا لیکن زمانہ کا انقلاب اسی کا نام ہے کہ جو چیز ایک زمانہ میں بہت بڑی ذلت و بے عزتی تھی وہی آج اعزاز و افتخار کے نام سے یاد کیجاتی ہے اور اُس کو حاصل کرنے کیلئے قسم قسم کی ذلتیں سہی جاتی اور بے عزتیاں گوارا کی جاتی ہیں۔

ہمارے امرا لوگوں جاگیرداروں منصبداروں اور معاش خواروں کو نوکری کی چاہ میں

گزنا۔ اگرچہ اس لحاظ سے اچھا بھی ہے کہ محلوں اور ڈیوڑھیوں میں بیکار پڑے رہنے اور مفت کی اندیدہ و بامزہ غذا اون کے ہضم نہ کر سکنے کا علاج نوکری کی بدبختیوں سے ایک حد تک ہو جا سکتا ہے۔ اور بدکاری (لازمہ بیکاری) سے بچنے کے لئے ایک روک پیدا ہو جاتی ہے لیکن اُس کے مقابلہ میں ان لوگوں کے تقررات سے بہت بُرے نتیجے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اور انتظامی مطلع پر کچھ کچھ تیرگی چھانے لگتی ہے۔

یہ لوگ محلوں سے نکلکر ملک کی اہم ترین ذمہ داریوں کی جن کرسیوں پر جا بیٹھتے ہیں اُن پر بیٹھنے اور حقوق عباد و انتظام سلطنت کی مشکلوں کو حل کرنے کی قابلیت سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ ان سایہ پروردوں کو قانون دانی رعایا پروری کشور رانی، ملک و مالک کی خیر خواہی وغیرہ لوازم افسری سے کیا مس ہو گا جبکہ صحیح طور پر اردو لکھنا پڑھنا تک نہیں آتا۔ اور اسکی وجہ محض یہ ہے کہ ہماری اعلیٰ سوسائٹی میں ابھی تعلیم نہیں پھیلی۔ اور جب ہماری ادنیٰ سوسائٹی ہی جہل کے سمندر میں غوطے کھا رہی ہے تو اعلیٰ سوسائٹی کو علم کی سطح پر اُبھرنا کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ مہذب ممالک میں اعلیٰ اعلیٰ خدمتیں اعلیٰ سوسائٹی کے وجود سے معمور کی جاتی ہیں۔ لیکن وہاں کی امارتوں اور یہاں کی امارتوں میں بہت بڑا فرق ہے وہاں کی امارتیں علوم و فنون اور اعلیٰ کارگزاریوں کی بدولت حاصل ہوا کرتی ہیں لیکن یہاں کی امارتیں بلا کسی حقیقی استحقاق کے صرف وراثت کی بنا پر نسلاً بعد نسل چلی آتی رہتی ہیں۔ ایسی حالت میں یہاں کے امیرزادے اپنے ملک کی ایسی خدمت کیونکر بجا لا سکتے ہیں۔ جیسی مہذب ممالک کے امیرزادے انجام دیتے ہیں۔

سلطنت مغلیہ کا دستور تھا کہ جب کوئی امیر مر جاتا تو اس کے بیٹے کو صرف وراثت کے حق پر امارت و مناصب نہیں دے دیئے جاتے۔ بلکہ اُسکو اپنے ذاتی کارناموں اعلیٰ کارگزاریوں اور جان جوکھم کے کاموں کی بدولت تدریجی ترقیاں حاصل کرنی پڑتیں۔ بڑی سے بڑا امیر وہی ہو سکتا۔ جو اعلیٰ درجہ کا سپاہی اور مدبر ہوتا اور بڑی سی بڑے معرکوں کو بھی سر کر لیتا اسی وجہ سے ہندوستان کے وسیع اور مختلف الکیفیات پر انھوں نے

صدیوں حکمرانی کی۔

ہماری ہی حکومت اگرچہ ایسی حکومت کا پرتو ہے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں وہ قاعدہ رائج نہیں ہے ہم مانتے ہیں کہ زمانہ کے بدل جانے سے آج کل یہاں جو کھم میں ڈالنے کے ایسے مواقع نہیں حاصل ہیں جیسی کہ اُس زمانہ میں پیش آتے رہتے تھے لیکن اب اور قسم کے مواقع ہیں جو اُن مواقع سے زیادہ نازک اور اہم ہیں۔

اس وقت اگرچہ میدان کارزار میں شجاعت کے جوہر دکھانے کا موقع باقی نہیں ہے نہ شجاعت کے جوہر باقی ہیں۔ مگر اصلاح ملک، ترقی قوم، رفع اختلافات، حفاظت مذہب، وغیرہ وغیرہ میں حصہ لینے کا وقت باقی ہے۔ اور یہ ایسی چیزیں ہیں جنکی طرف توجہ کرنا خاص ہمارے امرا کا فریضہ ہے۔ غریب ان میں حصہ لینے کے بالکل قابل نہیں۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے امرا کہاں تک ان چیزوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اور کہاں تک وہ ان چیزوں سے باخبر ہیں۔

اس قسم کی لیاقت رکھنے والے مالدار ایک بہت بڑا ظلم یہ کرتے ہیں کہ اپنے تقررات سے اُن بے وسیلہ مگر مستحق، کارگزار اور خیرخواہ سرکار ملازموں کے حقوق پر پانی پھیر دیتے ہیں جو قانوناً و اصولاً ان لوگوں کی خدمتوں پر فائز ہونیکی جائز حقیت و اہلیت رکھتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے مفروضہ اعزاز و توسل کے آگے اُن کی کچھ چلنے نہیں پاتی۔ اور نہ کوئی اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کے دیکھتا ہے۔ یہ لوگ جب اپنے حقوق کو اس طور پر پلیامیٹ ہوتے دیکھتے ہیں تو اگرچہ صبر و شکر کر کے "اور بندگی بیچارگی" کہکر چپ ہو رہتے ہیں۔ مگر اُن کا دل گھٹتا ہو جاتا ہے اور وہ جفاکشی کے ساتھ سرکار کی خیرخواہی اور فرایض کی انجام دہی سے لاپروا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ تقاضائے بشریت ہے جسکا کوئی علاج نہیں۔

یہ لوگ اُس وقت تک اپنے ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکتے جب تک ایک مشترکہ جمعیت و جماعت سے اپنی حق رسیکو پر اپنے محبوب فرمانروا اور اپنی سرکار معدلت آثار کی توجہ کو خاص طور پر مبذول نہ کرائیں۔ اور ملک میں کوئی ایسی مشترکہ قوت نہ پیدا ہو جو اُن قسم کے استقام سے قوم و ملک دونوں کو پاک و صاف کرتی رہے فقط

ایڈیٹر

دھونسا

مرزا افضل بیگ خاں اور اسکے کچھ حالات

اُس بہادر اور باہمت چغتائی شریف تورانی کا لقب ہے جس نے مدت العمر سوائے سپہ گری اور تیغ زنی کے کسی کام کی طرف رغبت نہیں کی۔ بیسیوں دفعہ فاقہ کشی کی نوبت آئی مہینوں عسرت و افلاس کا شکار رہا۔ مگر آزادی کا دامن نہ چھوڑا۔ اور اصول خودداری کی پابندی ترک نہ کی۔ اس شخص کا نام مرزا افضل بیگ خاں تھا۔ نواب آصفجاہ اول کے زمانہ میں نواب شہامت جنگ بہادر ناظم ارکاٹ کے پاس چارسو سواروں اور تین سو پیادوں کی افسری اسے حاصل تھی۔ اور اس نے اپنی فوج کو ایسا مستعد اور جانباز بنا رکھا تھا کہ ہر وقت اور ہر موقع پر اشارہ پاتے ہی دشمن پر ٹوٹ پڑے چونکہ اُس زمانہ میں زمیندار۔ اور جاگیردار وغیرہ بہت ہی بدرویہ ہو چلے تھے۔ بغاوت اور سرکشی کو انھوں نے ایک معمولی بات سمجھ لی تھی اور محسن کشی اور غارت گری کو اپنی طبیعت ثانیہ بنا لیا تھا۔ اس لئے ان کی سرکوبی اور ان کی گوشمالی کے لئے مرزا افضل بیگ خاں کو ناظم ارکاٹ نے بڑی قدر و منزلت سے رکھا تھا۔ مرزا نے دو چار لڑائیوں ہی میں تمام ماتحت زمینداروں اور قلعداروں پر اپنا رعب جما دیا۔ اور اپنی شہزوری کا پورا یقین دلا دیا۔ اور بہت جلد یہ بات پیدا ہوگئی کہ جس زمیندار کے خلاف یہ فوج کشی کا ارادہ کرتا فوراً وہ تحائف و عرائض بھیجکر اپنی سرکشی سے باز آتا۔ مرزا کے ساتھ ہمیشہ جرار فوج کے رہنے اور بفور حکم تاخت و تاراج کر دینے کی وجہ سے لوگ اس کو "دھونسا" (یعنے دھونس والا) کہنے لگے۔

بحیثیت لفظ دھونسا کی اصلیت

دھونس دکنی زبان میں اُس

جماعت کو کہتے ہیں جو کسی باں جو کھوں کام پر متعین ہونے کے انتظار میں ہمیشہ مستعد و آمادہ رہے۔ نواب ارکاٹ بھی اسی لقب سے مرزا کو مخاطب کرتے تھے۔

ارکاٹ میں امن واماں قائم کرنے کے بعد جب آرام سے زندگی بسر کرنیکا زمانہ آیا تو سوء اتفاق سے مرزا فاضل بیگ خاں کا تعلق وہاں سے منقطع ہو گیا لیکن اس نے اپنی فوج کو اتفاق و یگانگت کا ایسا سبق پڑھایا تھا۔ اور باوجود رعب داب قائم رکھنے کے ایسی ہر دل عزیزی حاصل کی تھی کہ وہ سب کی سب اس کے ساتھ ہو گئی اور مرزا اسی شان و شوکت کے ساتھ ارکاٹ سے نکلا۔ مگر ساتھ ہی اخراجات کی جاں فرسا تکلیفوں میں مبتلا ہو گیا۔ ممکن تھا کہ وہ اپنی فوج کو رخصت کر دیتا اور خود یکہ و تنہا جہاں چاہتا آرام سے زندگی بسر کرتا مگر مردانہ ہمت نے اس کا خیال تک نہ آنے دیا۔ ایک زمانہ تک مصیبتوں کا شکار بنا رہا۔ مگر فوج کی سربراہی میں کسی قسم کی کمی نہ ہونے دی اور بالآخر تھوڑے سے جنگ کرنی اپنا ذریعہ معاش قرار دیا۔ جس زمیندار یا ذی منصب شخص کو اپنے حریف سے مقابلہ کی ضرورت پڑتی وہ مرزا کو بقدر اجرت اپنا طرفدار بنا لیتا۔ مرزا اسکی طرف سے جنگ کرتا اور مقررہ اجرت حاصل کر کے اپنی اور اپنی فوج کی قوت بسری کرتا۔

جب مرزا کی اس پریشاں روزگاری کی خبر سیتارام راج کارفرمائے سیکاکول کو پہونچی تو اُس کو اپنے پاس بلوا لیا۔ اور نہایت ہی قدر و منزلت سے فوج ہمراہی کے ساتھ نوکر رکھ لیا۔

مرزا افاضل بیگ خاں نے ایک مدت تک نہایت فارغ البالی سے زندگی بسر کر کے وہیں انتقال کیا۔ سیکاکول کے پاس اُس نے ایک گاؤں بھی بسایا تھا اور اُس کا نام "فاضل آباد" رکھا تھا۔

مرزا ابراہیم بیگ خاں	یہ شخص فقیروں کا بڑا ہی معتقد اور نہایت

خوش نصیب تھا اس نے زمانہ میں اپنی ایک ایسی یادگار چھوڑی جس کے آثار تا قیامت
صفحۂ عالم سے مٹ نہیں سکتے۔ اور جس کی بدولت اس کا نام ہمیشہ عزت سے لیا جائیگا
میری مراد اُس کے نامور بیٹے نواب مبارز الملک۔ ظفر الدولہ۔ ضابط جنگ بہادر
مرزا ابراہیم بیگ خاں دھونسا سے ہے۔ جو نواب میر نظام علی خاں بہادر
آصفجاہ ثانی کے عہد میمنت مہد میں افواج آصفی کا ایک بہت بڑا سپہ سالار اور
ایک معتد بہ حصہ ملک کا حاکم تھا۔ اور جس کے تفصیلی حالات اور نمایاں کارگزاریوں
کا ذکر اس مضمون کا موضوع ہے۔

ابتدائی حالات

مرزا ابراہیم بیگ خاں کا مولد دھونسا و ایجانگر تعلقہ
سیکاکول (ملک دکن) ہے۔ بچپن ہی سے نہایت بلند
خیال اور جری شخص تھا۔ تعلیم فنون سپہ گری اور درستی اخلاق کا اُسے بےحد
شوق تھا۔ اور اپنی ذاتی کوشش سے اُس نے اس میں کمال حاصل کیا تھا۔ باپ
کی تعلیم یا نگرانی سے وہ کم فائدہ اُٹھا سکا۔ اس لئے کہ اس کا باپ نہایت ہی
کثیر العیال تھا۔ ایک روز کسی نے اُس سے اولاد کی تعداد پوچھی تھی اس نے
کہا کہ میں بغیر شمار کرنے کے صحیح تعداد نہیں بتلا سکتا۔ پس ظاہر ہے کہ کثیر العیال
شخص کا اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں کافی دلچسپی لینا غیر ممکن ہے۔

ملازمت

جب مرزا فاضل بیگ خاں دھونسا نے انتقال کیا تو
اس کی اولاد تلاش معاش میں متفرق ہوگئی۔ بعض نے
زراعت کی۔ بعض نے تجارت کی اور بعض نے ملازمت۔ ابراہیم بیگ خاں
شوکت جنگ بہادر حاکم سیکاکول و راجبندری اور ابراہیم خاں گارڈی
عامل سیکاکول و راجبندری کے پاس دو گھوڑوں کی سلحداری پر مامور تھا
اس نے اپنے باپ کی پالکی پر (جو اس کو ترکہ میں ملی تھی) سوار ہو کر شرفائے وقت
سے ملاقات کا سلسلہ جاری کیا۔ چونکہ خودداری کے اعلےٰ فوائد سے واقف

؎ فارسی تاریخوں میں ان لوگوں کا نام ساتھ "گارڈی" لکھا ہے جنکا تعلق باڈی گارڈ سے تھا۔

تھا اور صرف ایک بہادر ہی سپاہی نہیں، بلکہ نہایت مہذب، خلیق اور زمانہ شناس شخص تھا چند ہی ملاقاتوں میں امرا کی توجہات اس پر مبذول ہوگئیں۔

ترقی ملازمت اور رجب ۱۱۶۷ھ میں ابراہیم خاں گارڈی جو[لہ] موسیٔ فرانسیسی کی جانب سے راجبندری و سیکاکول کا عامل تھا ترک ملازمت کرکے بندگانعالی نواب میر نظام علی خاں بہادر کے پاس[عہ] برار چلا گیا۔ اور نواب شوکت جنگ بہادر سے بھی حکومت سیکاکول جاتی رہی۔ تو مرزا کو ان امرا کی سفارشوں نے راجہ سیکاکول کا ملازم بنا دیا۔ اب اس نے اپنے جوہر دکھلانے شروع کئے۔ جو کام اس کو دیا گیا اس نے نہایت ہی جانفشانی سے انجام دیا۔ اور اپنی کارگزاری کی بدولت اعلیٰ تدابیر اور اصلاحات پیش کیں اور ہر وقت تعمیل فرائض میں سرگرمی دکھلا کر اپنی مستعدی اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ چنانچہ اسی کی بدولت سیتارام راج کا قبضہ تمام ملک اوڑیسہ پر ہوگیا اور وہاں کے اکثر و بیشتر زمیندار خود سری اور سرکشی سے تائب ہوئے۔

شادی اور کامرانی اس اثنا میں وقائع نگار سیکاکول مسمی سید غیرت خاں کا انتقال ہوگیا مرزا کو اس سے بہت ہی خلوص تھا۔ اس لئے اس نے مرحوم کی لڑکی سے نکاح کرلیا اور راجہ نے سید صاحب کے متعلقین کی پرورش اور مرزا کی نمایاں کارگزاریوں کے صلے میں اسے باپ کی جگہ دیدی۔

مرزا کا دھونسا لقب پانا اب مرزا ابراہیم بیگ خاں تین سو پیادے اور چار سو سواروں کا افسر ہوگیا اور چونکہ یہ اس قدر "دھونس" کا مالک بن گیا جو اس کے باپ کو

لہ انگریزی میں "مسٹر" اور فرانسیسی میں "میشور" مرادف الفاظ ہیں "میشور بوسے" کو فارسی تاریخوں میں "موسی بھوسی" لکھا ہے۔

عہ اس زمانہ میں نواب صاحب برار کے صوبہ دار تھے۔ ۱۲

زیر حکومت تھی اس لیے اس نے بھی "دھونسا" لقب پایا۔

مرزا کی پہلی فتح

چند روز کے بعد پیشگاہ بندگان حضرت سر بدیع الزماں بہادر عالی راجہ جندری دایو ریر سرفراز ہوئے اور انھوں نے اپنے بیٹے میر شہاب الدین خاں بہادر کو ایک شایستہ فوج کے ساتھ بغرض تسلط وہاں روانہ فرمایا۔ سیتارام راج فوراً مرزا کو لیکر ان کی مدافعت کیلئے روانہ ہوا۔ اور جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو مرزا نے نہایت ہی دلیری اور جوانمردی دکھلائی۔ اور اس عمدگی سے جنگ کی کہ بہت جلد حریف پر فتح حاصل ہوگئی۔ میر شہاب الدین خاں اور اُن کے بہت سے رفقاء مارے گئے۔ اور باقی فرار ہوگئے راجہ نے مرزا کی اس نمایاں کارگزاری کی بہت قدر کی۔ اور اپنے تمام درباریوں میں اُسے ایک خاص اعزاز بخشا۔

دوسری فتح

اسی اثنا میں زمینداران کھرہی وکھومیسر نے خودسری شروع کردی اور ادائی زر مالگزاری سے انکار کرکے خودمختار ہوگئے۔ راجہ سیکاکول نے ان کی گوشمالی کے لئے مرزا کا انتخاب کیا۔ اور اس کام کے لئے اپنے پاس کی ایک نہایت جرار و مستعد فوج اس کی ماتحتی میں دی۔ مرزا نے اپنی فوج کو بھی نہایت عمدگی سے ترتیب دیا۔ اور فوراً اپنے دو بڑے بھائیوں مرزا اللہ یار بیگ خاں اور بھیکو میاں کے ساتھ مہم پر روانہ ہوگیا۔ اور پانچ سال تک نہایت ہوشیاری اور بہادری سے زمینداران مذکور کا مقابلہ کرکے ان کو اپنا مطیع بنالیا اور تمام شر وفساد کی بیخ کنی کرکے مال غنیمت بعد وضع اخراجات فوج نہایت ہی دیانت سے راجہ کے پاس روانہ کیا اس لڑائی میں مرزا کے ایک بھائی (بھیکو میاں) کی موت نے اس سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ اس لئے راجہ نے اس کی بہت غمخواری کی اور اُس کی قدر ومنزلت میں اضافہ کیا۔

درباریوں کا حسد

مرزا کی روز افزوں ترقی ایسی نہیں تھی کہ بعض بزدل اور ناعاقبت اندیش درباریوں اور امرا کو اس پر حسد نہ ہوتا۔ اکثر کارپردازوں نے راجہ کے سامنے اپنی باہمی گفتگو میں ہلاکو خاں اور حیدر علی خاں کی شر انگیزی کا تذکرہ کیا اور تھوڑا سا اقتدار حاصل ہونے پر ان کے خودسر ہو جانے کی کیفیت پرخطر الفاظ میں بیان کرکر یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ مبادا ابراہیم بیگ خاں جو پانچ سال سے ایک کثیر التعداد فوج کا مالک و مختار بنا دیا گیا ہے۔ خودسری کرے اور راجہ کی اطاعت سے منحرف ہو جائے۔ اور یہ رائے دی کہ اس کے اختیارات و اقتدارات کو کم کر دینا چاہیے۔

مرزا کی معزولی

گو راجہ مرزا کو بہت چاہنے لگا تھا اور اس کی نسبت کسی قسم کی بدظنی جائز نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن اہل دول کی طبیعت ناقابل اعتبار ہوتی ہے اونکے خیالات بہت جلد تغیر پذیر ہو جاتے ہیں درباریوں کے کئی بار کہنے اور سمجھانے سے راجہ کو بھی بدگمانی ہو گئی۔ اور مرزا کی جگہ ایک دوسرے شخص کو مامور کر کے اُسے قتل کرنے کی نیت سے اپنے دربار میں طلب کیا۔

سیکاکول کو مرزا کی مراجعت

طلبی کا حکم پہونچتے ہی مرزا نے مراجعت کا ارادہ کیا اور تمام فوج کو ساتھ لیکر سیکاکول کے قریب پہونچ گیا۔ رستے میں ایک ندی حائل تھی اس لئے مرزا نے لب دریا مقام کر کے فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کیا اور روزانہ ایک ایک حصہ فوج کو ندی سے عبور کرانے لگا اس ارادہ سے کہ جب تمام فوج پار اتر جائے تو اس کو اپنے ہمراہ لیکر راجہ کے دربار میں حاضر ہو۔

حاضر دربار نہ ہو کر مرزا کا بغرض استغاثہ حیدرآباد چلا جانا۔

مرزا اپنی دیانت داری اور خیراندیشی پر نازاں تھا۔ اور فوج کو نہایت ہی

خوشی کے ساتھ ندی سے عبور کرانے میں مصروف ہی تھا کہ اس کے اقربا میر نثار علی خاں اور مرزا عاشور بیگ خاں نے اس کو حقیقت حال سے مطلع کیا اور حاضر دربار ہونے سے روکا۔ اگر وہ مجرم پر جب کوئی جھوٹا الزام لگایا جائے یا کسی خیر اندیش سے بدظنی کی جائے تو اس کی بیحد خاطر شکنی ہوتی ہے اور اس کا جو اثر اس پر پڑتا ہے وہ مدت العمر نہیں مٹ سکتا۔ اسی لئے ارباب فہم بغیر کافی ثبوت کے کسی کو زیر اشتباہ دیکھنا نہیں دیکھتے ناممکن تھا کہ اس قاعدہ کا اثر مرزا دھونسا کی حسن طبیعت پر نہ ہو۔ وہ بہت کبیدہ خاطر ہوا اور راجہ کی متعین شدہ فوج کو واپس کر کے صرف اپنے خاص ہمراہیوں یعنے تین سو پیادے اور چار سو سوار اور دو توپوں کے ساتھ [illegible] استغاثہ و بحالی ملازمت حیدرآباد چل دیا۔

مرزا کی دوبارہ طلبی

جب راجہ چندو لال کی ناعاقبت اندیشیوں کی بدولت مرزا دھونسا کا سا دیانت دار کارگزار اور جاں باز شخص اس کے ہاتھ سے جاتا رہا اور مرزا کے ارادہ سے اُسے واقفیت حاصل ہوئی۔ تو وہ اپنی غلطی پر بہت ہی نادم ہوا۔ اور اس نے اپنے معتمدین اور لائق کارپردازوں کے ذریعہ سے مرزا کو اطمینان کلی دلا کر واپسی کی خواہش کی۔ مگر مرزا کا شبہ رفع نہ ہو سکا۔ اور اس نے واپسی کا خیال تک نہیں کیا۔

سفر کی تکلیفیں اور مرزا کی بے سروسامانی۔

مرزا مردانہ ہمت اور متوکلانہ استقلال سے حیدرآباد چلا تو سہی مگر جب پالونچہ پہونچا تو اُسے زادراہ کی سخت تکلیف ہونے لگی۔ جو کچھ اس کے پاس سرمایہ تھا سب خرچ ہو گیا تھا۔ لہذا آسمی راؤ زمیندار پالونچہ سے اس نے مدد مانگی۔ مگر اس نے بلطائف الحیل صاف جواب دیا۔ اب مرزا نے مجبور ہو کر ایک توپ چودہ سو روپیوں میں فروخت کر ڈالی اور اخراجات فوج کا فی الجملہ انتظام کر کے حیدرآباد کا رخ کیا۔ باقی آئندہ

محمد عبد الوہاب عندلیب حیدرآبادی

نیکی

کرتے رہو جہاں میں لیل و نہار نیکی — کوشش کرو تم اس میں ہمت نہ ہارنے کی

پھر بدی ہے بیشک وجہِ دمار نیکی — ہوتی یہی ہے نفس سرکش کو مارنے کی

دیکھو دکھاتی ہے پھر کیا کیا بہار نیکی — کوشش جو اس طرف ہو دل کو اُبھارنے کی

ہے کون جز نکوئی مونس بری گھڑی میں — آتی ہے نوبت آخر رب کو پکارنے کی

ہم کو بنایا اشرف پھر دولت خرد دی — کیسی بڑی عنایت پروردگار نے کی

گر عقل ہے عزیزو باغ جہاں میں سمجھو — فصل خزاں بدی ہے فصل بہار نیکی

نیکی اگر کروگے دنیا میں نام ہوگا — کام آئیگی تمہارے زیر مزار نیکی

نیکی اگر کروگے ہر دل عزیز ہوگے — سوچو کہ ہے پسند پروردگار نیکی

نیکی کی خوبیوں کو نیکوں سے جاکے پوچھو — تم بھی بنا کے دیکھو اپنا شعار نیکی

حاجات دین و دنیا وابستہ ہیں اسی سے — بے شک ہے دو جہاں کی حاجت برار نیکی

نیکی بشر کے حق میں ہے زیور شرافت — کوشش کرو عزیزو خود کو سنوارنے کی

مرغوب اُسے ہے نیکی توفیق جس کو رب دے — نااہل ہی کو ہوتی ہے ناگوار نیکی

خو اس کی صلح کل ہے بے درد کی یہ بل ہے — رکھتی نہیں کسی کے دل میں غبار نیکی

غیروں کے نیک و بد سے مطلب نہ رکھ جہاں میں — لے بار بار لذت کر بار بار نیکی

رہتا ہی دائم اس سے سرسبز باغ ہستی — ہے بہر مزرع عمر ابر بہار نیکی

بدنام ہوکے جینا ہے موت سے بھی بدتر — کرتے رہو ہر اک سے تم بار بار نیکی

کردار کا پھل اچھا پاتے ہیں نیک نیت — جب نخل آرزو میں لاتی ہے بار نیکی

بس ہے یہی شرافت بھولو نہ اسکا احسان — تم سے اگر کسی نے کی ایک بار نیکی

کیا ہے بدی نہ پوچھو ہے خارزار وحشت — جی بھر کے سیر دیکھو ہے لالہ زار نیکی

یارو وہ خزاں بدی ہے جس کی بہار علوا — جس کو خزاں نہیں ہے وہ ہے بہار نیکی

تو دشمنوں کے آڑے آجا بری گھڑی میں — جائیگا پھر نہ خالی تیرا یہ وار نیکی

کیا غم ذہین ہم کو دنیا کی آفتوں کا — جب وقت بد میں اپنی ہو غمگسار نیکی

حجاز ریلوے

مسلمانان زائرین و حجاج کو حجاز ریلوے کے باعث جس قدر آسانی ہوئی وہ خارج از بیان ہے۔ اور اسی وجہ سے ہر اسلامی دنیا کے ہر کونے سے اس مبارک ریلوے کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی جاتی رہی ہے اور اسی لئے اگر اس ریلوے کے کچھ ضروری حالات سفر سے لکھے جائیں تو یقین ہے کہ وہ عام دلچسپی حاصل کرینگے۔ اگرچہ جناب حاجی غلام محمود صاحب طاہر تحصیلدار نے حجاز ریلوے گائیڈ لکھکر اردو میں اس کے ضروری حالات پیش کر دیئے ہیں جو ہر طرح کارآمد و قابل تعریف ہیں لیکن جس زمانہ میں ہم نے سفر کیا تھا تو اس ابتدائی حالت کی بہ نسبت ترقی ہو کر بہت بڑا بین فرق ہو گیا تھا اور اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ریل کی یہ ترقی یافتہ حالت بھی پبلک کے روبرو پیش کی جائے۔

مدینہ منورہ سے دمشق تک اب حجاز ریلوے برابر بے کھٹکے چلنے لگی ہے چونکہ بکثرت غیر آباد مقامات راستہ میں واقع ہیں اور مسافرین و مال کی کثرت اس قدر نہیں ہوئی ہے کہ روزانہ ٹرین کا سلسلہ جاری ہو لہذا ہفتہ میں تین روز یعنے شنبہ سہ شنبہ پنجشنبہ کو ٹرین کی آمد و رفت ہوتی ہے ۱۳۲۶ھ ہجری میں صرف دن کے وقت ریل چل کر شب کو ٹھہر جاتی تھی مگر ۱۳۲۸ھ ہجری میں جبکہ ہم نے سفر کیا تھا شب و روز چلنے لگی تھی۔ تین شبانہ روز مسافت طے کرنے کے بعد چوتھے روز شہر دمشق پہونچتے ہیں۔

ہم نے ماہ شعبان ۱۳۲۹ھ ہجری میں سفر کیا تھا اس زمانہ میں کسی مقام پر کوئی قرنطینہ نہیں تھا۔

مسافت مدینہ منورہ سے دمشق تک (۶۷) اسٹیشن ہیں اور مسافت (۱۳۰۳) کیلومیٹر کی ہے ایک کیلومیٹر مساوی ہے ایک ہزار میٹر کے اور

ایک میٹر برابر ہے ۳ فٹ ۳ ۳/۸ انچ کے۔

ان (۶۷) اسٹیشنوں میں العلا[1]۔ مداین صالح[2]۔ تبوک[3]۔ معان[4] خاص طور سے تاریخی مقام ہیں۔ معان[5]۔ اپنی آبادی کے لحاظ سے۔ اور درعا[6] جنکشن ہونے کے باعث مشہور ہیں۔

دمشق سے مدینہ منورہ تک بیابان ہے۔ اس میں پہاڑ یا ریت کے میدانوں کے سوا پانی کا نظارہ آنکھوں کو بہت کم طراوت بخشتا ہے۔ ایسے لق و دق بیابانوں میں جو ہر قسم کے خطروں سے گھرے ہوئے تھے ریل کا تیار کرنا درحقیقت زمانہ کی فراست سمجھنی چاہئے۔ چند سال پہلے تک جو ابھی حافظہ سے محو نہ ہوئے ہونگے کوئی شخص خیال بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ایسے لق و دق میدانوں میں ریل کی تیز رفتاری سے ایک نیا عالم پیدا ہو جائیگا۔ بہادر ترکوں کی ہمت اور سلطان عبد الحمید خان جیسے اولو العزم حکمراں کی سرپرستی تھی کہ ایسے مقام میں ریل تیار ہوئی اور وہ زمانہ نہ صرف صفحات تاریخ پر یادگار رہ گیا۔ جب کہ اس راستہ کی سختی، پانی کی قلت، اور بدویوں کے خوف کے باعث اس راستہ سے ہر وقت قافلہ کا گزرنا مشکل تھا۔

ہر سال نائب السلطان حج کے لئے محمل شاہی کے ہمراہ آتے تھے انھیں کے ہمراہ تجار اور حجاج کی ہر سال صرف ایک مرتبہ آمد و رفت ہوا کرتی تھی۔

اس قافلہ کے ساتھ فوج، آلات حرب، توپیں اور پانی کے پچاس اونٹ رہا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ سے شہر دمشق تک اسی راستہ سے جس پر اب حجاز ریلوے جاری ہے صرف مذکورہ بالا سلطانی قافلہ کے علاوہ دوسرے کی گذر مشکل تھی پر وہ مسافرین جو خوفناک مقامات پر بلا اندیشہ سفر کرتے ہیں وہ بھی یہ راستہ چلنے سے بوجہ قلت آب مجبور تھے غرض بصد مشکل سلطانی قافلہ کے زبردست اونٹ تیس چالیس روز کے عرصہ میں

اس پر خطر بیابان کو سٹے کر تے تھے جن کو ابتدائی مبارک ریلوے کے بدولت صرف چار دن میں طے کیا جاتا ہے اور امید ہے کہ آئندہ اس سے بھی کم مدت میں طے کیا جائیگا

اگرچہ مسلمانان ہند کو ابھی جدہ سے ریل میں بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا تاہم بہت کچھ سہولت زیارت مدینہ شریف میں حاصل ہوتی ہے کوئی شخص جو اس ریل پر سفر کرے ناممکن ہے کہ وہ سلطان عبد الحمید خاں کا نام شکر گزاری کے لہجہ میں نہ لے جس کی عظیم الشان یادگار ثابت کرتی ہے کہ گو اس کی ذات میں کیسے ہی عیوب کیوں نہ بتائے جائیں مگر کوئی شک نہیں کہ وہ ایسا اولو العزم سلطان تھا جس نے ایسے مشکل کام کو عالم خیال سے فعلیت میں پہونچا دیا اور اس کی علحدگی سے اور باتوں سے قطع نظر یہ نقصان تو ضرور ہوا کہ حجاز ریلوے کا بڑھتا ہوا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اہل ہند کی جدہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک ریل پر سفر کرنے کی امیدیں زیر تجویز رہ گئیں۔

مسلمانان ہند بمبئی سے (۱۴) روز میں مدینہ طیبہ پہونچکر زیارت نبوی سے مشرف ہو سکتے ہیں۔

راستہ کی حفاظت

مدینہ منورہ سے اٹھارہویں اسٹیشن تک جو العلا کے نام سے موسوم ہے بدوی شرارت کرکے ریل کی پٹری توڑ دیتے ہیں اس لئے ریل کی محافظت پر ترکی فوج کے علاوہ (۱۰۰) سانڈنی سوار بدوی مقرر کئے گئے ہیں۔

پہاڑوں پر مورچہ باندھکر ترکی فوج حفاظت کرتی رہتی ہے۔ ترکی بیقاعدہ فوج جو کثیر تعداد میں بیکار تھی اس کو اس ریلوے کے باعث کام مل گیا ہے۔ سڑک کی تیاری اور حفاظت کا کام ترکی سپاہی خود کر لیتے ہیں۔ ہمارے سفر کے زمانہ میں کوئی امر مخالف امن واقع نہ ہوا۔

ہر اسٹیشن پر صرف ایک اسٹیشن ماسٹر ملازم ہے جس کو (کبیر المحطہ) کہتے ہیں گارڈ اور انجن ڈرائیور مسلمان شامی یا ترک ہیں اور اکثر ہندی کاریگر بھی

مقرر کئے گئے ہیں پلوں کی تعمیر میں معماروں سے مدد لی جاتی ہے۔

ریلوے ملازمین اور ترکی سپاہی مسافرین کے ساتھ اُس اخلاق اور مروت سے پیش آتے ہیں جس کے لئے وہ تمام دنیا میں مشہور ہیں۔

ریل کے درجے ریل میں صرف دو درجے ہیں جو ہندوستان کے درجہ اول وسوم کے مماثل ہیں۔

مدینہ منورہ سے دمشق تک درجہ اول کا کرایہ تخمیناً دماہیے کلدار اور درجہ سوم کا (للعہ) کلدار ہے مگر کلدار روپیہ کا اس ریل پر چلن نہیں ہے البتہ انگریزی گورنمنٹ کی صرف اشرفی لی جاتی ہے جس کو عربی میں (جنی افرنجی) بولتے ہیں اول درجہ تو ہر طرح آراستہ ہے مگر درجہ سوم کے ڈبے بھی برے نہیں ہیں ڈبوں کے کونوں میں بیت الخلا اور عورتوں کے لئے ڈبوں میں علحدہ کمرے بنے ہوئے ہیں بمقابل ہندوستان کے کرایہ کے اس ریل کا کرایہ زیادہ ہے جسکی وجہ ایک حد تک یہ ہے کہ آمدنی کم اور اخراجات حفاظت زیادہ ہیں اس قدر زیادہ کرایہ اصول ریلوے کے لحاظ سے بجا نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ اس کی ترقی کا ہارج ہے۔ کیونکہ کرایہ کی بیشی کے باعث اکثر مسافر سفر کرنے سے باز آجاتے ہیں کرایہ کی کمی سے مسافرین کی لامحالہ زیادتی ہوگی اور آمدنی بڑھیگی بہرحال اس مسئلہ پر ہنوز گورنمنٹ ترکی نے توجہ نہیں کی ہے۔

مدینہ منورہ میں گیہوں اور ترکاری وغیرہ کی جس قدر کاشت ہوتی ہے وہ حجاج وغیرہ کے لئے ناکافی ہے اس لئے غلہ (مثل چانول گیہوں ہر قسم کی دال مصر اور بمبئی سے جہاز کے ذریعہ سے رابع یا ینبع تک جاکر وہاں سے اونٹوں پر مدینہ پہونچتا تھا۔ مگر اب اس ریل کے ذریعہ سے تمام غلہ اور پارچہ روانہ ہوتا ہے اس ریل سے ملک شام کی تجارت کو ترقی ہوئی ہے اور بمبئی وکلکتہ سے جو غلہ روانہ ہوتا تھا اُس میں کسی قدر کمی آگئی ہے۔

اوقات ریلوے لاین کے اوقات بھی عربی ہیں یعنے غروب آفتاب سے

اُن کا حساب شروع ہو کر دوسرے دن غروب آفتاب پر ختم ہوتا ہے غروب کے وقت (۱۲) بجتے ہیں اور صبح کو بھی مسافرین نماز اور حوائج ضروری کے لئے اسٹیشن پر بلا روک اُتر جاتے ہیں۔

رعایت

حجاز ریلوے کی تعمیر میں چونکہ چندہ کی تعداد بھی بکثرت شریک ہے اس لئے اکثر ممالک کے زائرین ترکی گورنمنٹ کی اجازت سے کرایہ کی معافی کے ساتھ بھی سفر کرتے ہیں۔

چنانچہ ربیع الاول ۱۳۲۶ ہجری میں مولوی حاجی عبد الرحیم صاحب قافلہ سالار سرکار عالی کی تحریک پر (۲۵۶) اشخاص کو معافی کرایہ سفر کی اجازت دی گئی تھی جو غریب مسافر ایک دو اسٹیشن تک حجاز ریلوے پر بلا اجازت سوار ہو کر سفر کرتے ہیں اُن سے بھی رعایت کر کے کرایہ کی رقم وصول نہیں کی جاتی ہے۔

اسباب ہمراہی

ہمراہی اسباب زیادہ ہو تو لگیج پر وزن کر کے اہالیان ریلوے اپنی تحویل میں لیتے ہیں باستثناء اسباب خوردنی جملہ اسباب کا وزن کیا جاتا ہے درجہ سوم کے ہر شخص کو (۲۰) اوقہ معاف ہے ایک اوقہ سوا سیر کے مساوی ہے بقیہ اسباب کا کرایہ لیا جاتا ہے جس کی مقدار یہاں کے نرخ لگیج کے قریب قریب ہے۔

ہندی زائرین جو اس ریل پر سفر کرنا چاہیں اُن کو مدینہ منورہ تک پہنچنے کے حساب سے چانول اور ہندی مصالح مثلاً مرچ۔ ہلدی۔ دھنیا۔ زیرا وغیرہ بمبئی سے ہمراہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہاں چانول وغیرہ بوجہ عدم استعمال اچھے نہیں ملتے اور جو ملتے بھی ہیں تو گراں۔ اسی طرح مدینہ منورہ سے واپس ہونے والے اصحاب کو مدینہ منورہ سے اشیاء مذکورہ کا خرید لینا مناسب ہے روٹی بسکٹ۔ پنیر۔ سالن بھی ریل پر ہمراہ رکھنا چاہئے چھوٹے اسٹیشنوں پ

یہ اشیاء بھی نہیں ملتی ہیں۔

ہندوستان سے آسان راستہ

مسافران ہند جو مدینہ منورہ کو جانا چاہتے ہیں اُن کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ بمبئی سے پورٹ سعید تک معمولی جہاز یا کمپنیوں کے جہازمیں سوار ہو جائیں

پورٹ سعید سے یافہ حیفا۔ بیروت (بنادر شام) کو روزانہ جہاز جاتے ہیں۔

یافہ میں ان لوگوں کو اُترنا چاہئے جو بیت المقدس کو بھی جانا چاہتے ہیں۔

پورٹ سعید سے حیفا جاکر (جہاں ریل موجود ہے) مدینہ منورہ کو چلے جائیں تو حیفا سے مدینہ منورہ تک (صہ) کلدار کرایہ ہوگا لیکن اگر دمشق کی اسلامی یادگاروں کی سیر منظور ہو جو خلفائے بنی امیہ کا پایۂ تخت اور نہایت آباد و سرسبز وشاداب ہونے کے علاوہ انبیار اور اصحاب کرام کے مدفن ہونے کا بھی شرف رکھتا ہے تو پورٹ سعید سے جہاز پر بیروت جاکر بیروت سے ذریعۂ ریل دمشق سے مدینہ طیبہ کو جاسکتے ہیں جس میں کرایہ کی رقم (صہ) حسب صراحت حاشیہ صرف ہوگی۔

از بیروت تا دمشق	صہ ۲
از دمشق تا مدینہ منورہ	صہ

بیروت سے یافہ (۱۲) ساعت اور پورٹ سعید (۲۴) ساعت کا راستہ ذریعہ جہاز ہے۔

جدہ کو جانے والے حجاج اگر وہ راست جدہ کو نہ جائیں تو سویس سے بھی جدہ کو جاسکتے ہیں۔ سویس سے جدہ (۳) روز کا راستہ ہے۔

بمبئی آنے والے مسافروں کو بجائے سویس کے پورٹ سعید سے جہاز پر سوار ہونا مناسب ہے۔ جس میں رقم کم صرف ہوتی ہے اور جہاز بھی

قریب کھڑا ہوتا ہے۔ پورٹ سعید سے سویس تک ریل کے ذریعہ سے سفر کر کے سویس میں جہاز پر سوار ہونے میں اخراجات کسی قدر زیادہ لاحق ہوتے ہیں۔

ٹکٹ ہر مقام پر جہاز کا ٹکٹ علیحدہ خریدنا چاہئے دلالوں کے دھوکہ سے جہاز کے ٹکٹ ایک ساتھ خریدنے سے یہ مشکل ہوتی ہے کہ جس کمپنی کے ٹکٹ خریدیں اُس کمپنی کے جہاز کے انتظار میں توقف کرنا پڑتا ہے مثلاً مدینہ منورہ کو جانے والے اصحاب جہاز کا ٹکٹ بمبئی سے پورٹ سعید تک لیں اور پورٹ سعید سے بیت المقدس جانے والے مسافر یافہ تک ٹکٹ خریدیں اور پھر یافہ سے حیفا یا بیروت کا ٹکٹ علیحدہ لیں۔ ان مقامات پر جانے میں صرف ریل اور جہاز کا کرایہ گراں ہے مگر اشیاء خوردنی اور مقامات سکونت ارزاں ہیں۔ یافہ۔ پورٹ سعید۔ بیروت۔ دمشق میں مسافروں کے آرام کے لئے لوکندہ (ہوٹل) بکثرت ہیں جن میں آرام بجد ملتا ہے۔ اور روزانہ صرف (۸) (۱۰) فی اسم علاوہ خوراک لاحق ہوتا ہے لوکندہ پاک وصاف اور اُس کے کمرے دو تین۔ چار آدمی کے لئے سجے ہوئے رہتے ہیں۔

ہر کمرہ میں ہر ایک شخص کے لئے پلنگ بر بچی یا آہنی مسہری دارمعہ توشک وتکیہ ولحاف۔ کرسی۔ تپائی۔ برش۔ آئینہ۔ کنگھی۔ لیامپ۔ صابون رہا کرتا ہے غریب مسافر اشخاص کے لئے سرکاری مسافر خانے ہیں جن کو تکیہ کہتے ہیں فقط

قادر مرتضیٰ حسین

لطیفہ

ایک صاحب کا زندگی ہی میں ۔۔۔ مقبرہ بن کے جب ہوا تیار
پوچھا اب اس میں کچھ کمی تو نہیں ۔۔۔ متفق ہو کے بولے سب معمار
جسم والا کی اک ضرورت ہے ۔۔۔ اور نہیں اس میں کوئی نبے درکار

سید شریف الحسن از ہگنشہ

رباعیات عشرہ

(۱)
ہونے کو ہے دنیا میں اُلٹ پھیر یہ کیا
اُلٹی ہے ہر اک بات مسلمانوں کی
سب جینے سے ہو گئے ہیں دل سیر یہ کیا
افسوس مچا ہوا ہے اندھیر یہ کیا

(۲)
ہر بات میں اُلٹا جو سراسر پائے
ہو عید تو جی بھر کے یہ خوش ہو نہ سکیں
سمجھائے تو کیا خاک کوئی سمجھائے
ہاں عید منائیں گر محرم آئے

(۳)
ہو سبطِ پیمبر کا نہ کچھ غم افسوس
کیسی کمی بڑھ جائے مسرت کی ترنگ
اسباب خوشی کچھ بھی نہوں کم افسوس
اس طرح سے کٹے ماہ محرم افسوس

(۴)
حق کیلئے تھی ذاتِ خوش انجام حسینؑ
حق پر رہو حق سے استقامت چاہو
حق کیلئے تھے راحت و آرام حسینؑ
لیتے نہ رہو منہ سے فقط نام حسینؑ

(۵)
پروا نہیں آفت سے گھبرانا گھر جائے
ناحق پہ بھی اتفاق ہو جاتا ہے
کیا فکر ہے ڈوبے یا قبیلا تر جائے
حق سے نہ پھرو چاہے زمانہ پھر جائے

(۶)
یاران وطن نے جب نہ کینا چھوڑا
کیا موت سے کچھ کم ہے وطن کا چھٹنا
شبیر نے غم میں کھانا پینا چھوڑا
مجبور تھے مجبور مدینا چھوڑا

(۷)
بے فکر کہاں سید مغموم رہے
اللہ ری مجبوریاں حج کرنے نپائے
کعبہ کے سے مامن میں بھی مظلوم رہے
احرام تلک باندھ کے محروم رہے

(۸)
اک لال ہی شبر کا نہیں تھا پیاسا
اک قطرہ مسلمانوں نے پانی نہ دیا
سادات کے گھر تھا بچہ بچہ پیاسا
تھا ساقیٔ کوثر کا نواسا پیاسا

(۹)
قاسم سا جری حیدرِ ثانی نہ رہا
شبیر کے دل اور جگر سوکھ گئے
اکبر سا جوان زیب جوانی نہ رہا
رونے کے لئے آنکھوں میں پانی نہ رہا

(۱۰)
سادات کو ذوق شادمانی نہ ملا
کیا ملتا شہادت کے سوا پیاسوں کو
افسوس کہ لطف زندگانی نہ ملا
پانی نہ ملا پینے کو پانی نہ ملا

شبلی حیدرآبادی

اصلاح اُردو

اُردو کا جنم بھوم

اس باب کے آغاز میں نہایت مناسب اور ضروری تھا کہ اُردو کی جنم بھوم کی تحقیق کی جاتی۔ شکر ہے کہ ہمارے دوست جناب تسلی صاحب حیدرآبادی نے ہمیں یہ مضمون عنایت کر کے اس ضرورت کو پورا کیا۔

اس مضمون میں جو بات ثابت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اُردو بجائے دہلی کے دکن کی پیداوار ہے۔ اور پہلے دکن کی زبان تھی۔ اور دکن کی آبادی کے ذریعہ سے دہلی پہونچی اور وہاں رائج ہوئی تھی۔ ضمناً یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ بعض لوگ دلی کو گجراتی کہتے ہیں اور یہ بے بنیاد ہے۔

اس مضمون کو وہ صاحبان قلم ضرور پڑھیں جنھیں زبان کی چھیڑ چھاڑ میں مزا آتا ہے۔ اور جنھوں نے اپنے رسالہ کا مقصد زبان کی اصلاح و ترقی قرار دی ہے ورنہ یہ سمجھا جائیگا کہ انھوں نے اس مضمون کو تسلیم کر لیا۔ اور پھر ان کو یہ کہنے کا کوئی حق نہ ہوگا کہ دہلی کو مسقط الراس اُردو ہونے کا فخر و شرف حاصل ہے۔

اڈیٹر

ہم نے بہت دن ہوئے "ریختہ یا اُردو" کے عنوان سے ایک مضمون مرحوم نسیم دکن میں لکھا تھا جس میں اس بات کے واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی ریختہ یا اردو کا جنم بھوم (جو آج ہم سب ہندوستانیوں کی زبان ہے) خاک پاک دکن ہے اس مضمون میں ان دو امور پر خاص طور سے زیادہ زور دیا

گیا تھا۔

(۱) جب یہ ایک مسلّم امر ہے کہ مسلمانوں کے ہندوستان آنے کے زمانہ میں ہر حصہ ہند میں مختلف پراکرتیں بولی جاتی تھیں تو فارسی۔عربی۔ترکی وغیرہ کا اثر ملکی پراکرتوں پر الگ الگ اور ان کے امتزاج کا نتیجہ ضرور جدا جدا ہوگا اس لیے یہ دریافت کرنا ضروری ہے کہ موجودہ اُردو کا ڈھانچ کس موثر پراکرت کے امتزاج کا نتیجہ ہے کیونکہ شمالی ہند میں اس وقت برج بھاشا اور جنوبی ہند (دکن) میں تلنگی مرہٹی اور یا تامل وغیرہ زبانیں بولی جاتی تھیں۔

(۲) اگر بفرض غلط ولی کو اُردو کا باوا آدم تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی باصول ارتقا یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ولی کس سوسائٹی کا پروردہ یافتہ ہے اور کس طرح اس نے ایک مکمل مبسوط زبان اپنے دیوان کے ذریعہ اہل دہلی کی نذر کی، اُس کے قبل کی ایسی یادگاریں ضرور ہونی چاہئیں جو زبان ولی کی بنیاد قرار پا سکیں۔

انھیں دو امور کی بنیاد پر ہم نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ جب ولی دکنی ہیں اور ان سے قبل صدہا شعرائے اُردو دکن کے مختلف شہروں میں گزر چکے ہیں[۱] یقیناً اُردو کا ڈھانچ دکن کی مختلف پراکرتوں اور فارسی، عربی، ترکی وغیرہ زبانوں کے امتزاج کا نتیجہ ہے اس لیے اُردو کا جنم بھوم دکن ہے۔

باوجود متوجہ کرنے کے ایک زمانہ تک کسی نے ادھر دھیان نہ دیا حال میں مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے گلشن ہند کا مقدمہ لکھتے ہوئے بجائے اس کے کہ اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالتے جس کا انھیں کافی موقع تھا شمس العلما مولانا آزاد سے وطن پرست سے جنھوں نے ولی دکنی کے احسانات کا مجبوراً اعتراف کیا ہے چار قدم آگے بڑھ گئے اور مقدمہ مذکور میں یہ بلا دلیل دعوے کر دیا کہ "دہلی کو جہاں یہ فخر ہے کہ اُردو نے اس میں جنم لیا وہاں اس کا

---

[۱] آپ کو اس کا ثبوت دینا چاہئے۔ اڈیٹر

یہ فخر بھی بجا ہے کہ جتنے اعلیٰ شاعر ہوئے ہیں سب یہیں کے[1] تھے"

اب کیا تھا یاروں کو نیا شگوفہ ہاتھ آیا اس پر حاشیہ چڑھنے شروع ہوئے ہم تو "مخزن" کا سرورق ہی دیکھ کر حیرت ہوا کرتے تھے کہ اس میں حیدرآباد کو لاہور کا ہم پلہ قرار دیکر دکن کے حقوق ایجاد سے کنایۃً انکار کیا جاتا ہے مگر یہ حیرت انتہا کو پہونچ گئی جب ہم نے "المسلم" میں جو حیدرآباد سے نکلکر بند ہو چکا ہے "ولی گجراتی" والا مضمون پڑھا۔ مضمون مذکورہ بالا میں مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے۔ کے مندرجہ بالا فقرہ پر خوب خوب حاشیہ چڑھا کر داد تحقیق دی گئی ہے جس میں صاحب مضمون مندرجہ ذیل دعاوی دہلی کی جانب سے پیش کرتے ہیں

(۱) چونکہ کسی زمانہ میں بروئے تقسیم جغرافیائی گجرات دکن میں شامل نہیں کیا گیا نہ کبھی شاہان و راجگان دکن کے ماتحت رہا ہے اس لئے وہ دکن میں شامل نہیں کیا جاسکتا نہ ولی کو جو گجراتی ہیں دکنی کہہ سکتے ہیں۔

(۲) ولی پہلے فارسی کے شاعر تھے اور دہلی میں آنے کے بعد حسب ہدایت شاہ سعداللہ گلشن۔ اردو شعر کہنا شروع کیا اس لئے ولی کا دیوان دہلی کی زبان میں ہے۔

ہمارا اب بھی ارادہ نہ تھا کہ ان بے دلیل دعاوی کی طرف توجہ کریں مگر بعض احباب کے حد سے زیادہ اصرار سے چند سطریں لکھی جاتی ہیں انشاءاللہ اس مسئلہ پر دکن کے اردو شعرا کے تذکرہ میں جو زیر ترتیب ہے بالتفصیل کافی روشنی ڈالی جائیگی۔

ہم اس بحث میں تو پڑنا نہیں چاہتے کہ گجرات از روئے جغرافیہ طبعی شمالی ہند میں شامل ہے یا جنوبی ہند (دکن) میں کیونکہ وہ دونوں سے مثل بنگالہ خارج ہے اور نہ ہمیں سے ولی کے گجراتی ہونے ہی سے ہم کو انکار ہے ہاں امر مابہ النزاع کی تحقیقات ضروری ہے اور مواد مندرجہ بالا کی بنا پر ذیل

[1] اگر دکن میں نہیں تو کیا لکھنؤ میں بھی کوئی اعلیٰ شاعر نہیں ہوا ۱۲ – اڈیٹر

کی چند تنقیحیں تصفیہ طلب قرار دی جا سکتی ہیں۔
(۱) ولی کہاں کا باشندہ ہے۔
(۲) ولی نے اُردو شعر کہاں سے کہے۔
(۳) ولی کی زبان دہلی، گجرات، دکن تینوں میں سے کہاں کی ہے۔
ان کے تصفیہ سے معاملہ خود بخود روشنی میں آجائیگا۔

تنقیح اول کے متعلق میر تقی میر، میر حسن، حسن، لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی وغیرہ قدیم تذکرہ نویس متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ ولی اورنگ آباد کے رہنے والے تھے اور اسی بنا پر میر صاحب نے صاف صاف کہہ بھی دیا ہے ؎

خوگر نہیں کچھ یونہیں ہم ریختہ گوئی کے
معشوق جو اپنا تھا باشندہ دکن کا تھا

میر کے ہمعصر قائم گو ولی کی تضحیک کرتے ہیں مگر کہتے ہیں ؎

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اک بات لچرسی بزبان دکنی تھی

متاخرین میں سے بعض نے جن میں مولانا آزاد بھی شامل ہیں نہیں معلوم کس روایت کی بنیاد پر ولی کے گجراتی ہونے کا دعوے کیا ہے تاوقتیکہ وہ اپنے دعوے کا ثبوت نہ دیں ولی گجراتی نہیں ہوسکتا پس باصول روایت متاخرین کا صرف دعوے ہی دعوے قدیم تذکرہ نویسوں کے مقابلہ میں جو ولی سے قریب زمانہ میں گزرے ہیں اور متفق اللفظ ہیں کسی طرح صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا۔

تنقیح دوم کے متعلق مولانا آزاد آب حیات کے صفحہ ۸۰ میں فرماتے ہیں "یہ اپنے وطن سے ابوالمعالی کے ساتھ دہلی میں آئے یہاں شاہ سعد اللہ گلشن کے مرید ہوئے "شاید" ان سے شعر میں اصلاح لی ہو مگر دیوان کی ترتیب فارسی کے طور پر "یقیناً" ان کے اشارہ سے کی" آگے چلکر صفحہ ۸۳ میں فرماتے ہیں "انکا ابتدائی عہد عالمگیر کا آخری زمانہ ہوگا اور وہ معہ اپنے دیوان کے سنہ ۲ جلوس محمد شاہی میں دہلی پہونچے" ان دونوں فقروں میں جو تناقض ہے وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے اور لفظ "شاید" ولی کی شاگردی کا پردہ فاش کررہا ہے

اور "معہ دیوان" دہلی میں آنا ظاہر کرتا ہے کہ "یقیناً" والی روایت میں کسقدر جان ہے اور وہ عمارت جو "شلید" اور "ممکن ہے" کے اینٹ چونے سے ولی کا دہلی میں شعر کہنا ثابت کرنے اور ولی کی زبان کو دہلی کی زبان تبلانیکے لئے بنا کر کھڑی کیگئی ہے کے منٹ قایم رہ سکتی ہے۔

دوستو! اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ ولی سنہ دہلی جاکر اردو شعر کہنے ہوں بطابقت سنین سنہ ۲ جلوس محمد شاہی ۱۱۴۲ کا مطابق ہو تو "روضة الشہدا" کو جو ۱۱۹۰ کی لکھی ہوی اور مطبوعہ موجود ہے **تبلاؤ!** کس کی اور کس زبان کی تصنیف کہا جائے اور مولانا آزاد کے تناقص بیان کو کیونکر رفع کیا جائے۔

تنقیح سوم کے متعلق مولانا آزاد فرماتے ہیں "ان کا (ولی کا) دیوان امرعہد کے مشاعروں کی بولتی تصویر ہے کیونکہ اگر آج دریافت کرنا چاہیں کہ اس وقت کے امرا شرفا کی زبان کیا تھی؟ تو اس کی کیفیت سوا دیوان ولی کے اور کوئی نہیں بتلا سکتا" یہی فقرہ شاید مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے اور ان کے فقرہ سے فقرہ میں آکر بلادلیل دعویٰ کرنے والوں کا اصل اصول ہے ورنہ جب ولی کا معہ دیوان دہلی میں آنا مسلم اور بقول مولانا آزاد سوا دیوان ولی کے اور کہیں زبان دہلی کا نمونہ ملنا ناممکن ہے تو نہیں معلوم کس بنیاد پر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ولی کی زبان "دہلی کی زبان" ہے مولانا آزاد نے ولی سے پیشتر کے شعرائے دلی کا کلام جس قدر ملا ہے آب حیات میں درج کر دیا ہے چاہے وہ کتنا ہی مختصر ہو مگر موجود ہے اور اس بات کے ثابت کرنیکے واسطے کافی ہے کہ برج بھاشا اور فارسی میں اسوقت تک کس قدر امتزاج ہوا تھا میر معز فرماتے ہیں۔

ازز لف سیاہ تو بدل دوم پڑی ہے
درخانۂ آئینہ گھٹا جوم پڑی ہے

محمد قزلباش خان امید ملک الشعرائے عالمگیری کا یہ ایک شعر آب حیات میں درج ہے

بامن کی بیٹھی آج مری آنکھ موں پری
غصہ کیا و گالی دیا اور دگر لری

یہ کتاب اردو میں ولی کی لکھی ہوی ہے۔ اڈیٹر

اس کے بعد یہ شعر تذکرۂ گلشن ہند میں معہ واقعات درج ہیں بفرض غلط اگر امید کے اشعار بھی دہلی ہی کے سمجھ لئے جائیں کیونکہ وہ ہماری نظر میں ان کے ایک زمانہ دراز تک دکن میں رہنے کا نتیجہ ہیں تو بھی کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مندرجہ بالا اشعار امید:- ولی کا یہ شعر ؎

یک دل نہیں آرزو سے خالی ہر جا ہے محال اگر خلا ہے

تین ایک ہی شہر اور ایک ہی زبان بولنے والے باشندوں کے طبعزاد ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

بدلائل مندرجہ بالا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ولی کی زبان اسوقت کی دہلی کی زبان نہ تھی پھر بھی یہ کہنا ممکن ہے کہ شاید وہ گجرات کی ہو کیونکہ ولی کے بزرگ وہیں کے رہنے والے تھے مولانا آزاد نے اس امر کے تصفیہ کیلئے بھی ہم کو زیادہ تحقیقات و تلاش کے فرائض سے سبکدوش کر دیا ہے جہاں مولانا نے ولی کو گجراتی قرار دینے کیلئے احمد گجراتی ہمعصر ولی کا تذکرہ کیا ہے وہیں اس کے اشعار بھی لکھ دئے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

گر بیضۂ زاغ کسے در زیر سیمرغ نہد از اصل خود نا یہ بروں آخر کلیلا ہوئے

گر طفلکے بازیگرے خواند ہو عالم شود اصلیکہ دارد کے رود آخر زنبورا ہوئے

گر بچۂ شیرے کسے با شیر رو بہ پرورد مردی کہ دارد کے رود آخر گیلا ہوئے

یہ ہے اسوقت کی گجرات کی زبان جس کو ولی کا وطن کہا جاتا ہے اب ان اشعار کا مقابلہ مندرجہ ذیل اشعار سے کرو دیکھو کس نتیجہ پر پہونچتے ہو۔

جس وقت اے سریجن تو بے حجاب ہوگا ہر ذرہ تجھ جھلک سوں جوں آفتاب ہوگا

مت آئینہ کو دکھلا اپنا جمال روشن تجھ مکھ کی تاب دیکھے آئینہ آب ہوگا

رکھتا ہے کیوں جفا کوں مجھ پر روا اے ظالم محشر میں تجھ سوں آخر میرا حساب ہوگا

ملاقات نے یوں دیا ہے مجھکو ولی بشارت اسکی گلی میں جا تو مقصد شتاب ہوگا

اب ولی کے اشعار کا مقابلہ سراج اورنگ آبادی کے کلام سے کر دیکھئے

متعلق ہمارا نہیں دکن کا دعوی ہے کہ وہ نہ صرف ولی کا ہمعصر و ہم وطن ہی ہے بلکہ اپنی جادو بیانی کے سبب ولی پر ایک[1] خاص فوقیت رکھتا ہے دیکھو ولی کہتے ہیں۔

جب صنم کو خیال باغ ہوا
طالب نشہ فراغ ہوا

دل عشاق کیوں نہ ہو روشن
جب خیال صنم چراغ ہوا

اے ولی گلبدن کو باغ میں دیکھ
دل ہر برگ باغ باغ ہوا

بیتاب آفتاب ہے تجھ لب کی تاب کا
پیاسا ہوا اس جہاں میں ترے لب کی آب کا

تجھ شوق سوں مدام لبالب ہے جام میں
شیشہ میں دل کے جوش ہے نت اس شراب کا

روح بخشی ہے کام تجھ لب کا
دم عیسی ہے نام تجھ لب کا

میری طرف سے جا کے کہو اس حبیب کوں
گر مجھ کوں چاہتا ہے تو مت دل دُکھا

اب سراج کی نغمہ سنجی سنو اور اس کا مقابلہ اوپر کے اشعار سے کرو۔

میرے جگر کے درد کا چارہ کب آئیگا
یکبار ہو گیا ہے دوبارا کب آئیگا

ہے شاد اپنے پھول سی ہر بلبل اے سراج
وہ یار نو بہار ہمارا کب آئیگا

نقش قدم ہوا ہوں محبت کی راہ کا
کیا دلکشا مکاں ہے مری سجدہ گاہ کا

جب سجن میری طرف آنے لگا
دل کی بیتابی سیں جی جانے لگا

اگرچہ بار سے پہونچیں سلام ہونے کا
کہاں ہے ہوش مجھے ہمکلام ہونے کا

بیان عشق کی بیہودہ گفتگو مت کر
نہیں سراج یہ قصہ تمام ہونے کا

مجھ میں غم دست و گریباں ہوا تھا سو ہوا
چاک سینہ کا نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

آہ سوزاں سو مرے دامن صحرا میں سراج
قفس مجنون پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

---

[1] مولانا آزاد نے جہاں ولی کو اولیت کا تاج پہنایا ہے وہیں یہ فرماتے ہیں "واسوخت اسوقت میں نہ تھا اُس ایجاد کا فخر میر صاحب کیلئے چھوڑ گئے" حالانکہ سراج نے ایک ترکیب بند بنام واسوخت لکھا ہے جو اُس کے دیوان میں موجود ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:-

اے گل بوستان ناز و ادا
دیکھ احوال بلبل شیدا

ایک ہم ردیف وہم قافیہ شعر کا بھی مقابلہ کرو اور بتلاؤ کہ کس کا کیا درجہ ہے اور دونوں ایک زبان بولتے ہیں یا نہیں۔ **ولی**:۔

ہوا ہے سیر کا مشتاق بیتابی سوں من میرا
چمن سوں آج آیا ہے مگر گل پیرہن میرا

سراج:۔ جگر کے داغ سوں از بسکہ پرُ خوں ہو بدن تنگ
ہوا ہے خون پر طاؤس رنگیں پیرہن میرا

دوستو! کیا اب بھی کہو گے کہ ولی گجراتی ہے اور اردو کا جنم بھوم دکن نہیں گجرات یا دلی ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی سراج پر انحصار سمجھ بیٹھے ذرا دلی کے اشعار کا ذیل کے اشعار سے مقابلہ کرو جو عاجز نے ان سے بہت پہلے کہے ہیں۔

اس زندگی میں یارو سارا ہو دم کا جھگڑا
جاوے تو جی کا جھگڑا آوے تو غم کا جھگڑا

جنجال زندگی سو کیا ہو گیا جو چھوٹے
عاجز ابھی پڑا ہے ملک عدم کا جھگڑا

عاجز کی زبان کی صفائی دیکھو مثنوی لال و گوہر میں فرماتے ہیں۔

الہی دے مجھے رنگیں بیانی
عطا کر مجھ کوں یاقوت معانی

سخن کا لعل دے میری زباں کوں
در معنی بیں بھر میرے بیاں کو

در معنی کا مجھ کوں جوہری کر
سخن بھوں کو میرا مشتری کر

مجھے کر عندلیب باغ الفت
مری رنگیں سخن کو بخش شہرت

مرے دل کوں بنا کر چاک چوں گل
کر اپنے عشق کے گلشن کا بلبل

مرے آنسو کو دے پل پل روانی
مری انکھوں سے مت رکھ دور پانی

مجھے انکھوں کے پانی میں ڈبا رکھ
ہنگ بحر غم مجھ کوں بنا رکھ

دل سوزاں دے اور دے چشم پرنم
رکھا ایسے آب و آتش میں مرا دم

اگر اب بھی کچھ شک باقی ہو تو ہم ایک اور ثبوت آب حیات سے بتاتے چلیں جس سے شاید پوری **تسلی** ہو جائے مولانا آزاد آب حیات صفحہ ۷۹ میں فرماتے ہیں ''ولی نے اپنے کلام میں ایہام اور الفاظ ذو معنی سے اتنا کام نہیں لیا خدا جانے ان کے قریب العہد بزرگوں کو پھر اس قدر شوق

اس کا کیونکر ہو گیا" کیا کوئی تبلا سکتا ہی کہ ولی اور ان کے ہمعصر شعرائے دکن میں یہ یکسانی کیوں ہی؟ **آؤ!** ہم تبلائیں یہ بھی ایک ثبوت اس امر کا ہی کہ ولی کسی اور سوسائٹی کا پرورش یافتہ ہی اور اہل دہلی کسی اور سوسائٹی کے تربیت یافتہ ہیں۔ ولی کا تخیل اپنی سوسائٹی کے اثر سے پہونچا ہوا ہی ولی دہریں کی باتیں اشعار میں درج کرتا ہی اور دہلی والے بہاشا والے اور بیرونی انداز پر گلفشانی کرتے ہیں جس پر مولانا آزاد نے یہ کہہ کے گواہی کی مہر لگادی ہی کہ شاید وہ بیرون کا انداز جو ہندوستان کی زبان (برج بہاشا) کا سبزہ خود رو تھا اوس نے اپنا رنگ دکہایا۔

دوستو! اصل بات یہ ہی کہ زبان تو دہلی سے آئی مگر بیٹہا اور رنگ آیا دکن کی سوسائٹی کا پہر ولی کا تخیل ملتا تو کیسے ملتا؟

دوستو! آؤ ایک اور نظارہ دکہلائیں جو اس سے بھی زیادہ دلفریب خوشنما اور تسکین بخشنے والا ہی کیا کوئی اس بات سے انکار کرسکتا ہی کہ فعل کی حالت ماضی میں فاعل کے لحاظ سے ہونا ثل سید الالسنہ عربی یعنی دکن کی یادگار ہی؟ جس سے دور اول و دوم کا سب اردو شاعری گہرا ہوا ہی کیا لفظ نے کا استعمال فاعل کے ساتھ دہلی میں پہلے ہوتا تھا جب کہ ایسا ہی ہوتا تو کہتے ہیں۔

یوں کہا عہد کیا تہا کیا بات · · · کے کہنے لگا کیا وہ نہیں

کوئی تبلائے کہ یہ کس زبان کی یادگاریں ہیں یہ نادر کرشمے دکن ہی میں ریختہ بحیثیت ایک کامل زبان کے ولی کے ذریعہ مروج ہوی۔

دوستو! ہم آسانی کے ساتھ اس بات کے ثابت کرنے کو تیار ہیں کہ کس طرح یہ زبان بتدریج دکن میں ترقی پاتی ہوی عاجز' سراج' ولی' اور ان کے ہمعصروں تک پہونچی اور مسلسل رفتار ترقی کی درمیانی کڑیاں کون کون ہیں کیونکہ ولی سے سیکڑوں برس قبل تک کے شعرائے دکن کا کلام بلدۂ فرخندہ بنیاد حیدرآباد میں مدون محفوظ اور موجود ہی مگر مضمون بہت طویل ہو گیا انشاء اللہ پہر کبہی فقط

تسلی حیدرآبادی

ریویو پر ریویو

——— (✤) ———

بندہ پرور! باغ نواز! تسلیم بصد تکریم عین انتظار میں آج صحیفہ بابتہ بہمن سنہ ۱۳۲۰ ف

پہونچا - اور میں بالاستیعاب مطالعہ کے باعث - دوسرے گھنٹے میں اسفندیار کے پرچہ کا منتظر ہو گیا
اس میں شک نہیں کہ جو ریویو میرے ناول "عاشق سراغ" پر آپ نے اپنے باوقعت
رسالہ صحیفہ میں اپنی عالی حوصلگی سے فرمایا ہے وہ میری شان اور حوصلے سے بدرجہا بڑھکر ہے
میرے پاس ایسے اچھوتے انمول لفاظ نہیں ہیں کہ قابل قدر ریویو کے معاوضہ میں
یہ پیرایہ شکریہ ادن کا استعمال کروں اور نہ یہ ممکن ہے کہ میرا ہر موئے تن زبان ہو جانے
کے بعد بھی ادائی شکریہ سے سبکدوشی حاصل کرسکوں -
یہ کتنی بڑی بات ہے کہ جس ستایش کا میں مستحق نہ تھا - آپ نے پبلک میں اوس کی شہرت
دیدی اور مجھ ہیچمیرز کی کلاہ افتخار کو عروج افلاک پر پہونچا دیا -
اس موقع پر میں کہہ سکتا ہوں کہ بیشک آپ نقّاد مضامین و سخن ہیں اور ابنائے
ملک کی قدر افزائی میں سب سے پہلا نمبر آپ کا ہے -
چونکہ یہ ریویو میری اپنی تصنیف کے متعلق ہے اس لئے میں اپنی زبان سے
تو نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ گہر افشانی آپ نے فرمائی ہے وہ بالکل واقفیت کا پہلو لئے
ہوئے ہے لیکن یہ کہے بغیر نہ رہونگا کہ (اوس عام خیالی کو دور کرنیکی غرض سے
کہ میں صحیفہ کا خریدار اور مضمون نگار ہوں اور پھر یہ کہ بالکلیہ صحیفہ ہی کا ہوں -
اور عام طور سے دماغوں میں جم جانے والے اوس پندار کو رفع کرنیکے خیال سے
کہ اکثر غرض مند اخبار اور رسالے والے مونہہ دیکھے کی خوشامدانہ بکواس کر دیتے اور
خواہ مخواہ کسی مصنف یا مولف کو عام اس سے کہ وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو جھنڈے
چڑھا دیا کرتے ہیں) جس قدر دماغ پاشی - عرق ریزی - دور اندیشی - ناجانب داری
سے اس ریویو میں اہنگ ہو کر آپ نے کام لیا ہے اوسکی سچی اور حقیقی داد میرے
دل میں ہے اور ایمان کی تو یہ ہے کہ اصلی اور فی الحقیقت حقیقی ریویو اسی کا نام ہے
جو لوگ ہیچمدانی پر بھی "من ہم چیزے ہستم" کا خیال پکاتے رہتے ہیں اور جو
لوگ اپنے علم و لیاقت کے زعم میں غرور کیا کرتے ہیں اون سب سے
علیحدہ میری طبیعت واقع ہوی ہے - اور میں اوس شخص سے بے انتہا خوش

ہوتا ہوں جب وہ میری کسی غلطی پر مجھکو آگاہ کر دیتا ہی - اور اگر واقفیت کے ساتھ
کوئی میرا معترض ہوتا ہی تو میں جواب میں اپنی ممنونیت اور شکوری کی سوغات پیش
کرتا ہوں اور ہونا بھی یہی چاہئیے کیونکہ ماں کے پیٹ سے تو ہم معلومات کا ذخیرہ
لیکر نہیں آئے پھر یہ کیا ضرور ہی کہ سب کچھ ہمیں کو معلوم ہو اور دوسرے کو نہ ہو۔
اور اگر کسی دوسرے نے محض بخیال ہمدردی و یگانگت کوئی ایسی بات بتائی
جس سے ہمارے کلام یا مضمون کا نقص فی الواقع دور ہوتا ہو اور قبایح محاسن سے
بدل جاتے ہوں تو ہماری شرافت اور ہمارے اخلاق کا فریضہ ہی کہ ہم تشکر و امتنان
کے ساتھ اوس کو قبول کریں اگر ہم ایسا نہیں کرتے ہیں اور جہل مرکب کے شکنجہ میں واہی
قید اختیار کرنا چاہتے ہیں - تو یہ ہماری کم عقلی - کوتاہ بینی بلکہ میں بلا خوف تردید
کہوں گا کہ ہمارا خلقی نقص ہے -
جب کہ ہم نے ابتدا میں کسی معلّم کے اگے زانوے ادب تہ کیا ہی جبکہ ہم نے
تقلید کی بیڑیاں بہ رضا و رغبت پہنی ہیں اور جب کہ ہم کو شوق ہی کہ شایستہ اور
علم دوست دنیا میں ہمارا نام تحسین و آفرین کے ساتھ لیا جائے اور جبکہ اپنی کم استعدادی
اور کم مائگی کا خود ہم کو احساس ہوتا ہی تو ہم کو نہ کسی سے کچھ استعلام کی شرم کرنی
چاہئیے اور نہ کسی عمدہ مشورہ دینے والے سے بخیال انانیت و خود پسندی تکدر و کجی
پیدا کرنی چاہئیے - کیونکہ ایسے اخلاق اور ایسی عادتیں معلومات کے دائرہ کو ہرگز وسیع
نہیں کرسکتیں اور نہ ہمارا کوئی مضمون کوئی کلام شایستگی کا اعلیٰ زینہ اختیار کرسکتا ہی
میں ایسے کوتاہ خیال والوں کو نا عاقبت اندیش کہنے سی باز نہ رہوں گا اسلئے میری کتاب
میں متعلق الفاظ اور مشکل پیرایہ بیان کے متعلق آپکی بے لوث صلاح کاری اور یگانگت کے ساتھ
سبق آموزی کا بدل مشکور ہوں لیکن ساتھ ہی ساتھ مجھکو یہ بھی کہنے کی اجازت دیجئے کہ
جو امتیاز معلم اور متعلم میں فی الواقع ہی وہی امتیاز میری ناول کی عبارت اور اوس کے
پڑھنے والے میں ہی کیونکہ میرے ناول کا موضوع تعلیم سراغرسانی ہی قصہ گوئی نہیں ہے -
جب فن کی تعلیم ہمارا مرکز و مقصود اصلی ہی تو جب تک قایم کردہ اصطلاحات کے مرکز پر بیان

کا تسلسل نہ ہوگا انشائے اصلی بالکلیہ فوت ہو جائیگا اور اگر روزمرہ عام فہم بول چال کا لباس اصولی بیان کو پہناؤں تو اپنے دعوے پر ہرگز قایم نہ رہ سکوں گا۔

یہ میں خود بھی جانتا ہوں کہ ناول کی زبان بیشک اغلاق و دشوار گذاری کی متحمل نہیں ہے اور اس خیال سے تعلیم فن سراغرسانی کے دعوے میں ناول کے پیرایہ کا اوس درجہ مجبوراً میں نے اختیار کیا ہے کہ قانون سے جی چرانے والی طبیعتیں اوسکے خشک مضمون کی طرف اتنا بھی راغب نہ ہونگی اور تعلیم کی آسانی میں تجربہ اور تکلم و خیل کار ہو جائیگا بہرین ہم آپکے فرمان کی مطابق اگر زمانہ ساتھ دیگا تو آیندہ حتی الوسع سلاست بیانی کی کوشش کرونگا انشاء اللہ۔

میری کتاب کے بعض کھٹک جانے والے الفاظ کی بنا پر اردو زبان میں غیر فصیح متصور شدہ الفاظ کی جو پُر لطف بحث آپ نے ریویو میں چھیڑی ہے میں بے صبری کے ساتھ اوس کے نتیجے کا متمنی اور اولوالعزم مدعیان زبان کے فیصلہ کا منتظر ہوں کیونکہ تقلیدی حیثیت سے میرا پاؤں نہیں بڑھتا ہے کہ اس میدان میں قدم رکھوں۔

سلسلہ سراغرسانی کے دوسرے حصوں کی تصنیف کی جو ترغیب کتاب آپنے مجھے دی ہے اور خریداری کی نسبت شایقین کی خدمت میں جو پرزور سفارش آپنے فرمائی ہے میں اوسکی قدر کرتا ہوں لیکن حضرت میں کروں تو کیا کروں بقول آپکے ملک کی آب و ہوا ایسے یا اس جیسے مضامین کے پھولنے پھلنے کیلئے بالکل موافق نہیں ہے اور قدردانی کا یہ حال ہے کہ پورے سو نسخے بھی خرچ نہیں ہوے۔ مجھکو زیادہ تر امید شایقین علم و فن سے تھی کہ اونکی قدرشناسی کے ہاتھوں اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی نوبت آئیگی اور میں معلومات کے کافی ذخیرے اور فن آموزی کے پورے سامان کے ساتھ تیار تھا کہ یکے بعد دیگرے کتابوں کی اشاعت ہوتی رہیگی اور ناول بینی کے ساتھ فن آموزی ہم خرما و ہم ثواب کا مزہ دی جائیگی لیکن میں مجبور ہوں کہ شایستہ دلوں میں حصول فن کی آرزو اور بصیر آنکھوں میں قدردانی کی روشنی نہیں پیدا کر سکتا اور ابھی سے میری ہمت جواب دے رہی ہے کہ بے توجہی بے ذوقی اور ناقدردانی کے طعنے تو میں آپکی زد میرے دل میں سجائیگی اور ملکی ہونیکی حیثیت سے ملک کی خدمت نہ کر سکنے کا الزام بے سبب بھی مجھ پر عاید ہو جائیگا چونکہ عام مقبولیت کو اشاعت صحیفہ پر ناز ہے اس لئے کچھ امید بندھتی ہے کہ عاشق سراغ کے عاشق پیدا ہو جائینگے اور خریداری کی پرزور سفارش رنگ لائے بغیر نہ رہیگی اور صاحبان ذوق میرا حوصلہ بڑھانے اور ایک ناچیز اشاعت میں میرا ہاتھ بٹانے میں دریغ نہ فرمائیں گے۔ آپ کا خیر اندیش بازغ از سہکنڈہ

کے سرکاری تذکرہ سے لکھا گیا تھا اب سر جارج برڈ وڈ کی کتاب انڈسٹریل آرٹس آف انڈیا سے دو قالینوں کے حالات ذیل ظاہر ہوئے ہیں۔

"پرنس آف ویلز (اڈورڈ ہفتم) کے ہندوستانی نوادرات میں ایک ورنگل کا بھی قالین ہے۔ مگر یہ قدیم زمانہ کا بنا ہوا نہیں ہے اس کے رنگ بہت گہرے ہیں۔

پیرس کی نمایش ۱۸۷۸ء میں مسٹر وی رابنسن نے بہت سے ہندوستانی قالینوں کے ساتھ ایک ورنگل کا قالین پیش کیا تھا جو سولھویں عیسوی صدی کے اواخر یا سترھویں صدی عیسوی کے اوایل کا بنا ہوا تھا۔ اور وہ صنعت بافندگی کے عجائبات میں سے تھا اس کے ہر ایک مربع انچ میں ۴۰۰ گرہیں دی گئی تھیں اور کل قالین میں ۵۰ لاکھ گرہیں تھیں۔ اور اس طرح پیچ در پیچ بنایا گیا تھا کہ ہر گرہ پر سوئی کا بدلنا لازمی تھا جب ان گرہوں کا حساب کیا جاتا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ سات سال سے کم عرصہ میں یہ قالین تیار نہ ہوا ہوگا بلکہ دس سال کی مدت صرف ہونی بھی ممکن ہے اوس پر جو نقشے اتارے گئے ہیں وہ بھی عمدہ ہیں لیکن رنگوں میں گو ہنرمندی کے ساتھ تناسب کا خیال رکھا گیا ہے زیادہ خوشنمائی نہیں ہے کہا جاتا ہے کہ کسی ایک ترکی سلطان کی لاش حمام سے جہاں وہ مار ڈالا گیا تھا اسی قالین پر باہر لائی گئی تھی اور خون کے دھبوں کی وجہہ سے رنگ بگڑ گیا۔

سر جارج برڈ وڈ جنھوں نے مصنوعات ہندوستان کی تحقیقات میں اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کر دیا تھا اسی کتاب میں یہ لکھتے ہیں۔

"سال ۱۸۵۱ء کی نمایش گاہ اعظم لنڈن میں پہلے پہل انگلش پبلک انڈین گورنمنٹ کی مہربانی سے ہندوستانی قالینوں سے روشناس ہوئی۔ افسوس ہے کہ اوس کے بعد ہی سے قالین بافی کی ہر ایک ترکیب اور ہر ایک ہنر میں عظیم انحطاط ہونے لگا ہے اسکی ایک وجہہ تو یہ ہے کہ انگلش تاجر ارزان قالین جو عجلت میں تیار کئے جاتے ہیں خریدنے لگے ہیں۔ مگر سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ گورنمنٹ کے ہندوستانی محابس تباہ کن مقابلہ دیسی بافندون کے ساتھ کرنے لگے ہیں۔

حیدرآبادی قالین بھی نمایش گاہ ۱۸۵۱ء کے بعد سے محابس کے اثر سے متاثر ہوئے ہیں

ہیں اور اسی وجہ سے یہ امر حیرت انگیز نہیں ہو کہ ورنگل کے (جو کسی زمانہ میں قدیم ہندو خاندان کی راجدھانی تھا اور اوس کے بعد تلنگانہ کے راجاؤں کا مستقر تھا) شاہانہ قالین محابس میں ٹھگوں کے بنائے ہوے قالینوں کے سبب سے معدوم ہو جائیں۔

گورنمنٹ آف انڈیا جس نے کثیر رقم ساؤتھ کنگسٹن اسکول آف آرٹس میں ہندوستانی مصنوعات داخل کرنے کے لئے صرف کی ہو باآسانی ایک سالانہ رقم عمدہ ترین مصنوعات ہند کو وہاں کے مقامی صناعوں سے خریدنے کے لئے معین کر سکتی ہے۔ اور وہ چیزیں دیسی روسا و شرفا کو جنھیں اعزاز عطا کرنا منظور ہو بہ طور تحفہ دئے جا سکتے ہیں اور اس طرح صرف چند ہزار پونڈ کے سالانہ مصارف بہت بڑا عمدہ اثر ان حرفتوں پر ڈال سکتے ہیں۔ جو ہندوستان میں نسلاً بعد نسل چلے آرہی ہیں اور اب مٹ رہی ہیں"

سر جارج برڈ وڈ نے یہ خیالات اب سے تیس سال پیشتر اوس وقت ظاہر کئے ہیں جب سرکار عالی کے محابس میں قالین بافی کے کارخانے جاری نہ تھے اور ریاست بھر میں کوئی سرکاری مقابلہ قالین بافوں کے ساتھ نہیں کیا جاتا تھا آج جب کہ گلبرگہ اور ورنگل کے محبسوں میں یہ کام زور شور کے ساتھ ہوتا ہے اور اسکی کامیابی کے تذکرے سرکاری رپورٹوں میں ہوتے رہتے ہیں میں یہ لکھنے کی جراءت کر سکتا ہوں کہ سرکار عالی کے محبسوں نے قدیم خاندانی پیشہ ور قالین بافوں پر اس قدر برا اثر ڈالا ہو کہ وہ اس صنعت کو اب چھوڑ چکے ہیں۔ بیرونی نمایش گاہوں کو چھوڑ کر خود سرکار عالی کی نمایش باغ عام میں جہاں انعام حاصل کرنے کیلئے بیرونی صناعوں کا مقابلہ کرنے کی ضرورت نہ تھی قالین پر انعام سوائے محبس گلبرگہ کے کوئی حاصل نہ کر سکا اور وہ بھی صرف درجہ دوم کا تمغہ ایک سوتی قالین پر لے سکا ہی۔ اگر پانچ سات سال تک اور غفلت قالین بافی کی صنعت سے کیجائیگی اور محابس سرکار عالی میں مقابلہ میں جاری رکھا جائیگا تو یقیناً کل ریاست بھر میں سوائے محابس کے اور کسی جگہ قالین باف نہ ملیں گے قیدی تار کر باندھے کام کرتے ہیں اور چونکہ وہ رہائی کے بعد اس کام کو بطور خود بوجہ کثرت مصارف نہیں کر سکتے اس لئے وہ کوئی خاص دستگاہ اس میں پیدا کرنیکی کوشش نہیں کرتے۔

حال میں جو کارخانہ حیدرآباد میں قالین بافی کیلئے قایم ہوا تھا اوسکے بالکوں کو بھی کاریگروں کے نہ ملنے کی شکایت تھی مجبوراً امرتسر سے کاریگر بلائے گئے تھے جو چند دن کے بعد ہر کام میں غفلت کرنے لگے اور آخرش کارخانہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مدارس حرفت سرکار عالی کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ ہز اکسلینسی عماد السلطنت کے دور وزارت میں بہت سی کاغذی تجاویز اس کیلئے سوچی گئیں مگر ایک بھی جاری نہ ہوسکی۔ ہز اکسلینسی سر آسمانجاہ کے زمانہ مدار المہامی میں نواب آصف یار الملک بہادر نے کونسل آف اسٹیٹ میں ایک یادداشت صنعتی تعلیم کی ضرورت کے متعلق پیش کی وہ سررشتہ تعلیم میں بلحاظ مناسبت کیلئے آئی تو نواب عماد الملک بہادر نے جو اسوقت سررشتہ تعلیم کے افسر اعلیٰ اور کونسل آف اسٹیٹ کے معتمد بھی تھے صنعتی تعلیم کی ضرورت تسلیم کرکے تین چھوٹے مدرسوں کے قیام کی تجویز پیش کی جسمیں مصارف فی مدرسہ (مالر ماہوار) رکھے گئے تھے دو ڈیڑھ سال تک اس امر کی بحث درپیش رہی کہ ان مدارس کے اخراجات کیلئے رقم کیونکر مہیا کیجائے۔ آخرش ایک کمیٹی جس میں نواب محسن الملک مرحوم۔ نواب اعظم یار جنگ مرحوم۔ نواب وقار الملک۔ نواب عماد الملک مسٹر ڈنلاپ مسٹر سیٹن شریک تھے۔ قایم ہوی اور اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد حسب تجویز کمیٹی کسیقدر زیادہ مصارف سے ورنگل و اورنگ آباد میں مدارس حرفت سی قایم ہوے اس کے بعد وقتاً فوقتاً جو تغیرات ہوے ہیں اون کی تفصیل گذر چکی ہے۔

مدارس حرفت کے قایم کرنے کیلئے جو یادداشتیں نواب آصف یار الملک بہادر اور نواب عماد الملک بہادر نے مرتب کی ہیں وہ دلچسپ اور قابل لحاظ ہیں چونکہ یہ اب تک پبلک میں شایع نہیں ہوی ہیں اس لئے اونکا کچھ اقتباس اس مقام پر درج کیا جاتا ہے۔

نواب آصف یار الملک کی تحریر کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"در بافضال آلہی و اقبال حضرت بندگانعالی بابت تعلیم و تربیت رعایا و برایا کے واسطے محفوظ ہے اور اشاعت علم جیسی چاہیے بلدہ اور اضلاع میں جاری ہے

اور اونکا عدہ نتیجہ سرکار و رعایا کو حاصل ہو رہا ہے۔ لیکن تعلیم علم ہی سے ترقی ملک و دولت واصلاح حالت رعایا نہیں ہو سکتی جب تک رعایا کو صنعت و حرفت میں تعلیم من جانب سرکار عالی نہ کیجائیگی نہ ترقی صنعت و حرفت ہوگی نہ افزونی تجارت ملک ورنہ یہی افلاس و فلاکت صناعوں پر طاری رہیگا۔ کس واسطے کہ ایک مدت دراز سے ملک کی صنعت و حرفت میں بہت بڑا تغیر ہوگیا ہے جس کا انسداد سرکار پر فرض ہے اور دستگیری و ترحم و مراعات لازم ہے تا اصلاح حالت رعایا ہو جاوے اور پھر ملک میں صنعت و حرفت کا بازار گرم ہو اورنگ آباد میں پہلے کسقدر صنعت و حرفت ترقی پر تھی اور تجارت کی کیا حالت تھی۔ اظہر ہے اب وہ بات باقی نہیں رہی ہے۔ علی ہذا اگدوال۔ نارائن پیٹھ۔ دیورکنڈہ۔ نلگنڈہ۔ ورنگل۔ یادگیر۔ امرچنتہ۔ ناندیڑ۔ بہنوارہ۔ دھنوارہ۔ انکول و دیگر کھمم وغیرہ وغیرہ مقامات جہاں بڑے بڑے کارخانے جاری تھے وہاں اب تجار و صناع پریشان حال اور مفلوک ہیں نہ اپنی حالت کی اصلاح کر سکتے ہیں نہ اون میں کوئی طاقت باقی رہی ہے ایسی صورتوں میں بجز سرکار کی توجہ کے اونکا غرض اور مقصد دلی پورا نہیں ہو سکتا اور آج تک رعایا و سرکار کا نقصان بسبب کاسنگی تجارت و تعلیم بہت کچھہ ہوا ہے۔ بس سرکار صناعاں و تجاران ملک کے حال پر ایکبار دلی نظر توجہ فرمائے تو تلافی مافات ممکن ہے۔ اعلیحضرت مدظلہ العالی تو ایسے ابواب کے اجرا کو جسمیں ملک کی بھلائی ہو بدل چاہتے ہیں اس واسطے مناسب ہے کہ فی الحال چند مدارس تعلیم صنعت و حرفت مقامات مناسب پر قایم کئے جائیں اور اون مدارس میں تعلیم اہل ملک ہوا کرے اور اونکی تعلیم کے واسطے لائق لائق اشخاص جو ان فنون کے ماہر ہوں مقرر کئے جائیں اور سرکار کی اوس پر پوری نگرانی رہے تو چند ہی سال میں پھر ملک میں صنعت و حرفت پہلے سے زیادہ جاری ہو جائیگی اور ترقی تجارت بھی ہوگی۔

اور نواب عمادالملک بہادر کی یادداشت کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

"سررشتہ تعلیمات سرکار عالی کی بنیاد اون ہی اصول پر جاری ہے جن کی پابندی قدیم سے چلی آتی ہے۔ غور کیا جائے تو (مدارس سرکاری کی) نوعیت سب کی یکساں ہے۔

غریب۔ امیر۔ عہدہ دار۔ ساہوکار۔ مزارع۔ اہل حرفہ۔ سبھی کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے یا وہ علوم جن سے لکھنے پڑھنے میں مدد ملے اور دفتر یا حجرہ میں بیٹھکر دماغ سے کام لینے کی عادت پڑ جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ تعلیم کا فرض کر لینا ہے کہ امیر و غریب سب کو دنیا میں بآزادی یا بآسایش معیشت کرنے کیلئے فقط دماغ ہی سے کام لینا بس ہے۔ املاو انشا کا فن ساری مشکلوں کو حل کر سکتا ہے جبر و مقابلہ کا کوئی سوال حل کر لینا اقلیدس کی کسی شکل کا ثبوت پہونچا دینا کسی زبان میں بفصاحت تحریر و تقریر کرنے پر قادر ہونا کسب معیشت کے واسطے کافی ہے کچھ شک نہیں کہ یہ صفات جن کا ذکر اوپر ہوا بجائے خود کسب کے قابل ہیں اور نہایت درجہ مفید ہیں اور بلاشک جو لوگ صاحب معاش ہیں یا نوکری پیشہ ہیں دفتروں میں کام کرتے ہیں یا سرکاری عہدوں پر مقرر ہیں اون کے واسطے اس قسم کی تحصیل کی اشد ضرورت ہے مگر شاید تمام آبادی ملک کا اگر حساب کیا جائے تو سو میں پانچ بھی ایسے نہ نکلیں گے جن کو انشا و املا سے کام لینے کی بالعادت ضرورت رہتی ہو۔ پس عامہ خلایق کا تمام تعلیمی وقت ایسے فنون کی تحصیل میں صرف کرانا اصول تعلیم کے خلاف ہے۔ عموم رعایا کو اس قسم کی تعلیم دینا چاہیے جو کسب معیشت میں اونکو مدد پہونچائے اور اون کے اذہان کو اس قدر صیقل دیدیوے جس سے وہ اپنے روزمرہ کے معاملات کو جلد سمجھ سکیں اور ان تمام معاملات میں جو مشکلیں پیش آئیں اونکو اپنی فہم و فراست سے حل کر سکیں۔ غیر کے محتاج نہ رہیں جو بچے فقط چشم و دماغ سے پڑھنا اور ہاتھ سے لکھنا سیکھتے ہیں اور اون اعضا سے اور کوئی کام نہیں لیتے اون سے کیونکر امید کیجا سکتی ہے کہ وہ سن رشد کو پہونچکر ناگردست چلالیں گے یا کوئی دستکاری کا کام بہتر کر سکیں گے اور بالعکس جو اہل حرفہ فقط ہات سے کام لیتے ہیں کسی قسم کی دماغی تعلیم نہیں پاتے یا کبھی اپنے صنعت و حرفت میں دماغ سے مدد لینے کی قابلیت حاصل نہیں کر سکتے حاصل تقریر یہ ہے کہ مزارعین و اہل حرفہ وغیرہ کی اولاد کو محض کتابی تعلیم نہ دینا چاہیے بلکہ ایک معتدبہ حصہ

اون کے تعلیمی وقت کا صناعت اور حرفت کے سکھانے میں صرف کرنا چاہیے کتابی تعلیم اونکو فقط اس قدر اور اس غرض سے دینا چاہئے کہ وہ لکھنے پڑھنے میں دوسرے کے محتاج نہ رہیں اور اپنی صنعت و حرفت میں دوسرے کے محتاج نہ رہیں اور اپنی صنعت یا حرفت میں عقل و فہم سے کام لے سکیں ۔ اور اوس میں اختراع و ایجاد کرنے پر قادر ہوں ۔

ہنمکنڈہ ۔ اورنگ آباد ۔ حیدرآباد میں تین مدرسے حرفت کے کھولے جائیں جنمیں ذیل کی یا اون میں سے بعض ابواب کی تعلیم دی جائے ۔

نجاری ۔ آہنگری ۔ رنگسازی ۔ چرم سازی ۔ برنجی کام ۔ باغبانی ۔ یہ امر (مدارس حرفت) صیغہ تعلیمات کے ضروری کاموں میں سے ہے اور فقط لکھنا پڑھنا سکھانے سے کوئی زیادہ فایدہ ملک کو نہیں پہونچ سکتا بلکہ بعض نقصانات کا بھی احتمال ہے ۔ یہ کام تبدیج کرنے کا ہے ۔ ذو تین مدارس کھولے جائیں اور اون میں ملک کی ضرورت کا تجربہ اور خرچ کا اندازہ حاصل کرلینے کے بعد تعداد مدارس حرفت کی زاید کیجائے تو مناسب ہوگا "

آنریبل نواب عماد الملک بہادر کی اس یادداشت کے ساتھ یہ لکھنا خلاف واقع و بے محل نہ ہوگا کہ نواب صاحب کے عمل اور قول میں بعض وقت اسقدر اختلاف نظر آتا ہے کہ اوس میں تطبیق نہیں دی جاسکتی آپ اون مضامین اور لکچروں میں جو علی گڈہ کالج و کانفرنس کے متعلق ہوتی ہیں نہایت زور کے ساتھ یہ ظاہر کرتے رہے ہیں کہ ہندوستانی یونیورسٹیاں ہماری ضرورت کے مطابق تعلیم نہیں دیا کرتی ہیں اور جب تک محمڈن یونیورسٹی نہ قایم ہوگی اور مسلمان یونیورسٹی کی غلامی سے آزاد نہ ہونگے ترقی نہیں کرسکتے ۔ مگر آپ اپنے تمام زمانہ کارفرمائی سررشتہ تعلیمات حیدرآباد میں ہمیشہ اسی امر پر زور دیتے رہے کہ ریاست سرکار عالی تعلیمی تعلق کے لحاظ سے برٹش انڈیا کی یونیورسٹیوں کے تابع رہے ۔ اسی طرح مدارس حرفت کے قیام کے لئے

جہاں اونھوں نے اسقدر زبردست و پرزور یادداشت پیش کی وہاں اون کی علمی کوششیں جہاں تک مجھ کو علم ہے بہ منزلہ صفر کے ہیں دونوں مدارس قایم ہو جانے کے بعد پھر اونھوں نے اون میں نہ تو کوئی اصلاح کی نہ ترقی کیلئے کوشش۔ ایک زمانہ دراز کے بعد مدرسہ اورنگ آباد میں کسی قدر اسٹاف بڑھایا گیا مگر وہ صرف ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب کی مسلسل اور ان تھک کوششوں اور تحریکوں کا نتیجہ ہے۔ سررشتہ تعلیمات حیدرآباد کے پس ماندہ حالت کی ذمہ داری بہت کچھ آنریبل نواب صاحب ہی پر عاید ہوتی ہے اور اسی کا اثر ہر ایک تمدنی و اقتصادی حیثیت پر پڑا ہے۔

اب دوسرے باب یعنے تذکرہ مصنوعات کو ختم کیا جاتا ہے جو بمقابل دوسرے بابوں کے نہایت طویل ہو گیا ہے لیکن بہ لحاظ اوس روزافزوں تنزل کے جو مصنوعات کو ہوتا جا رہا ہے ضرورت تھی کہ اس باب کو طوالت دی جائے تاکہ محبان ملک کو یہ محسوس ہو کہ اون پر کیسی اہم ذمہ داریاں احیائے مصنوعات کیلئے عاید ہو رہی ہیں۔

اگرچہ جہاں تک ممکن تھا ہر قسم کے اعداد معلومات واقعات درج کتاب کئے گئے ہیں اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اب تک جس قدر روشنی مصنوعات دکن کے متعلق مختلف کتابوں میں ڈالی گئی اوس سے زیادہ تفصیل اس کتاب سے معلوم ہو سکے تاہم میں خود یہ اعتراف کرتا ہوں کہ بہت سی امور کا تذکرہ فروگذاشت ہو گیا مثلاً کاریگروں کے نام اونکی مالی حالت مصنوعات کی قیمتیں۔ اون کا رتبہ بمقابل مصنوعات دیگر بلاد ہند اونکے نقص۔ مقدار فروخت گذشتہ و موجودہ زمانہ میں۔ تدابیر ترقی و اصلاح اور مصنوعات کے فوٹو اور ان سب کو میں اپنی کتاب میں اس لئے درج نہ کر سکا کہ اوس کے لئے اضلاع اور ہندوستان کے صنعتی مرکزوں میں جانے مصنوعات کو بہ چشم خود تیار ہوتے ہوے دیکھنے سرکاری دفاتر میں پھر کر مواد جمع

کرنے - واقف کار حضرات سے خط و کتابت کرتے ریفرنس کی کتابوں کو خریدنے اور کثیر رقم کی ضرورت ہی جس کا سرانجام مجھ سے بحالت موجودہ ناممکن ہے تاہم اگر ملک میں یہ تصنیف پسند ہوجائیگی اور سرکار عالی سے تھوڑی سی بھی مدد ملجائیگی تو میں مکمل تحقیقات کے بعد اس کتاب کا دوسرا با تصویر حصہ بہت جلد شایع کرسکوں گا۔

باب سوم

تجارت

فصل اول دکن کی تجارت ہندؤوں کے زمانہ میں جس ملک میں آبادی کثرت سے ہویدا اور بافراط ہوتی ہو۔ صنعت و حرفت بھی موجود ہو وہاں تجارت کا وجود بھی لازمی ہے اور اسی وجہ سے دکن جیسے آباد و زرخیز ملک کے تجارتی تعلقات بیرونی دنیا کے ساتھ نہایت قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں۔

دکن کے قدیم تجارتی حالات "پیری پلس" کی کتاب سے ظاہر ہوتے ہیں جو تیسری عیسوی صدی کے وسط میں تالیف ہوی ہے۔ اوس سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ حضرت مسیح سے ڈھائی سو سال پیشتر دکن ممالک غیر کے ساتھ تجارت کرتا تھا۔

اسی زمانہ میں ٹولیمی فرمانروائے مصر نے اپنا ایک سفیر جنوبی ہند میں روانہ کیا تھا اسکے بعد ہی سے مصری اور بعدازاں یونانی تاجروں کی توجہ کو دکن کی زرخیزی نے اپنی جانب مبذول کرلیا۔

اوس وقت کے مشہور اور مرکز تجارت شہروں کے نام جو دکن میں واقع تھے قدیم کتابوں میں پالٹیانہ اور تگرا بتائے گئے ہیں یہ لکھا ہوا ہی کہ بروچ سی جانب

جنوب بیس میل کی مسافت پر پالٹیانہ اور وہاں سے بجانب شرق دس دن کی مسافت پر تگرا واقع تھے۔ ان شہروں کے ناموں کی تحقیق یوروپین مصنفین نے کی ہے اور آخر ش یہ قرار دیا ہے کہ پالٹیانہ پٹن کا نام ہے جو اب ضلع اورنگ آباد میں اسی نام کے تعلقہ کا مستقر ہے اور تگرا بیڑ۔ ناندیڑ۔ گلبرگہ کے شہروں میں سے کسی ایک کے قریب تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ پہلے تگرا پھر پٹن اور اوس کے بعد دیوگڑھ (دولت آباد) دکن کی راجدھانی بنتے گئے اور اسی کی بدولت تاجروں کے مرجع وماوی ہوگئے۔

پہلی عیسوی صدی میں ستا کرنی خاندان کے راجہ سالیواہن کی حکومت دکن میں بہت وسیع رقبہ پر ہوتی تھی۔ کوکن کا بندر اوس کے ہی قبضہ میں تھا۔ اوس کا پایۂ تخت پٹن تھا اس زمانہ میں پٹن دکن کا سب سے بڑا تجارت گاہ اور خوب رونق پر تھا اوس کی تجارت نہ صرف ہندوستان کے دیگر حصص کے ساتھ جاری تھی بلکہ براہ خلیج فارس۔ بحیرۂ قلزم۔ خلیج بنگال ممالک غیر کے ساتھ بھی وسیع پیمانہ پر ہوتی تھی۔ اوس وقت کے بیرونی تاجروں میں بڑا حصہ یونانیوں اور مصریوں کا تھا۔ انکے علاوہ عرب ایران۔ چین۔ دیگر ممالک مغرب سے بھی اچھی تجارت ہوتی تھی۔

اوس وقت کے بڑے بڑے اشیائے درآمد و برآمد کی تفصیل یہ ہے۔

درآمد اٹلی و عرب کی بنی ہوی شراب۔ عطر۔ تانبا۔ پیتل۔ ٹن۔ سیسہ۔ مرجان پارچے۔ نقروی وطلائی سکے۔ نقروی ظروف۔ بلوری سامان۔ خوبصورت کنیزیں۔

برآمد۔ تیل۔ شکر۔ شیشم۔ چاول۔ ادرک۔ نیل۔ لاکھ۔ ریشم۔ ریشمی پارچے سوتی پارچے۔ سونا۔ ہیرا۔ زمرد۔ اور دوسرے قیمتی پتھر اور دیگر نفیس اشیا۔ جب تک ستا کرنی راجاؤں کی حکومت دکن میں رہی اور کوکن کا بندر اون کے قبضہ میں تھا خلیج فارس اور بحیرۂ قلزم کی تجارت بھی عروج پر رہی مگر کوکن کا بندر ان کے ہات سے نکل جانے پر بحری تجارت میں بہت کچھ نقصان آگیا۔ جو راجہ کوکن پر حکمران تھا اوس نے بحری تجارت خصوصاً یونانیوں اور مصریوں کی تجارت کو

سخت نقصان پہونچایا ادن کے جہازوں کو گرفتار کرلیا آخرش چھٹی عیسوی صدی میں مصر یونان کی تجارت بالکل بند ہوگئی اسی کے ساتھ ہی مغربی ہند کے سواحل کے ذریعہ ایران کے ساتھ تجارت ترقی پاگئی پھر عرب اورافریقہ کے ساتھ تجارت بڑھنے لگی۔ ساتویں عیسوی صدی میں دولت آباد (دیوگڑھ) تجارتی رونق پیدا کرنے لگا اور نویں صدی میں وہی راجدھانی ہوگیا اور سترھویں عیسوی صدی تک دکن کا سب سے بڑا تجارتی بازار وہی رہا اسکے تمول وتمدن کے چرچے دور دور تک مشہور ہوگئے جب مسلمانوں کے حملے دکن پر ہونے لگے تو ہند راجاؤں کو گھوڑوں کی سخت ضرورت پڑنے لگی اور براہ کوکن دس دس ہزار گھوڑے عرب وایران سے آنے لگے۔

ابتدا میں دکن کا تجارتی مال تگارا اور پٹن میں جمع کیا جاتا تھا اور پھر یہاں سے براہ اجنٹا کوکن آتا اور جاتا تھا جہاں سے خلیج فارس اور بحرہ قلزم کے ذریعہ مصر عرب ایران سے تجارت ہوتی تھی نیز بروچ خاندیس سورت برہان پور سے شمالی ہند کو جاتا آتا تھا ادھر ورنگل چھلی بندر اور وہاں سے کرناٹک تلنگانہ ممالک یورپ تک تجارت ہوتی تھی۔

دولت آباد کے رونق پانے سے پیشتر اجنٹا گھاٹ دکن اور ہندوستان کے رسل ورسایل کا بہت بڑا مرکز تھا وہاں کے عظیم الشان غار نمایاں شہادت اجنٹا گھاٹ کی رونق وآبادی کی ہیں چھٹی صدی سے اجنٹا گھاٹ کی رونق کو زوال شروع ہوگیا اور اوس کے عوض ایلورہ کے گھاٹ ترقی کرنے لگے اور ہندوستان ودکن کا بڑا راستہ ادھر سے قائم ہوگیا اور جب دولت آباد آباد ہوکر رونق پاگیا تو صدیوں تک یہی راستہ گذرگاہ خاص وعام رہا مسلمانوں کے زمانہ میں بھی ادھر ہی سے آمد ورفت ہوتی تھی مگر انگریزی حکومت کی بدولت بتدریج دوسرے راستے بننے لگے اور آخرش ریلوے لاین نے گذشتہ زمانہ کے راستوں کو بالکل معمولی حیثیت میں لا چھوڑا۔

فصل دوم

(ﷺ)

اسلامی دور میں دکن کی تجارت

(ﷺ)

اسلامی فاتحوں کے قدم دکن میں آنے کی بدولت دکن کی تجارت ہندوستانی صوبوں کے ساتھ بہت کچھ ترقی پذیر ہوگئی نیز ایران افغانستان وسط ایشیا سے خشکی کے راستوں سے تجارت ہونے لگی اور تمام ملک میں مسلمان تاجر پھیل گئے شاہان تغلق کی عملداری جب تک رہی دولت آباد ہی دکن کا دارالسلطنت تھا۔ اس لئے اوسکی تجارتی رونق بھی بدستور باقی رہی۔ محمد تغلق شاہ کے زمانہ میں ابن بطوطہ دولت آباد آیا تھا وہ لکھتا ہے "دولت آباد بہت بڑا شہر ہے دہلی کا مقابلہ کرتا ہی اس شہر کے ہندو سوداگری کرتے ہیں اکثر جواہرات کی سوداگری کرتے ہیں اور بہت مالدار ہیں اون کو شاہ (ساہوکار) کہتے ہیں یہاں اہل طرب کا ایک بازار ہے جسکو طرب آباد کہتے ہیں یہ بازار بہت خوبصورت اور وسیع ہے۔ دوکانات بھی بہت ہیں ہر ایک دوکان میں ایک دروازہ گھر کی طرف کھلتا ہے اور گھر کا دروازہ دوسری طرف بھی ہوتا ہے دوکان میں بہت مکلف فرش ہوتا ہے"

بہمنی فرماں رواؤں کے دور میں گلبرگہ اور بعد ازاں بیدر دارالحکومت بنگئے اس لئے دولت آباد کی رونق کم ہونے لگی۔ اور گلبرگہ و بیدر کو وہی تجارتی منزلت حاصل ہوگئی جو پٹن و دولت آباد کو تھی۔

بہمنی فرماں رواؤں کو ترقی تجارت کا خاص طور پر خیال تھا چونکہ اونکی عملداری میں گوا اور چول کے بندرگاہ بھی تھے اس لئے ایک طرف مصر عرب و ممالک یورپ کے ساتھ بحری تجارت ہونے لگی۔ دوسری جانب خشکی کے راستہ

سے ہندوستان ایران افغانستان وسط ایشیا میں مال آنے جانے لگا بحری تجارت کے لئے خاص شاہی جہاز بنائے گئے تھے جو مصنوعات دکن غلہ و میوہ لیکر ممالک غیر کو جاتے تھے اور پھر وہاں سے منتخب اشیاء لیکر پلٹتے تھے

بہمنی دور میں ہی یورپین تجار ملک میں آنے لگے۔ سر ٹامس رو سفیر انگلستان اور دوسرے سیاح لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں تجارت دکن بہت ہی عمدہ اور نہایت ہی ترقی یافتہ حالت میں تھی۔

سولھویں صدی میں بہمنی حکومت کے خاتمہ پر گولکنڈہ اور پھر جب حیدرآباد بسا تو وہ دکن کی تجارتی منڈی بنا اور براہ مچھلی بندر مشرقی سواحل ہند اور ممالک یوروپ۔ پیگو۔ سیام۔ اراکان۔ چین۔ مکہ معظمہ۔ ہرمز۔ جنایرنڈ گاسکر سماترا۔ ملاس وغیرہ سے اور براہ دولت آباد دیگر ممالک ہند افغانستان ایران وسط ایشیا سے تجارت ہوتی تھی نیز دولت آباد سے براہ سورت ممالک غیر کو جہازوں کے ذریعہ مال آتا جاتا تھا۔ یورپین وارمنی تاجر بھی ملک میں کثرت سے آنے لگے تاجروں کی آسانی اور تجارت کی ترقی کیلئے تمام ملک میں سڑکیں اور کارواں سرائیں بنائی گئیں مال تجارت بیلوں ٹٹوؤں بنڈیوں کے ذریعہ پہونچایا جاتا تھا اسی تجارت کی بدولت ہمیشہ وسط ایشیا اور ایران سے چھوٹے بڑے تاجر آئے تھے جو رفتہ رفتہ دربار شاہی میں توسل پیدا کر لیتے اور اعلیٰ عہدوں پر مامور ہو جاتے تھے ان میں سے بعض اپنا تجارتی سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے۔ خود فرمانروایان قطب شاہیہ کا مورث اعلیٰ تاجر بھی تھا جو بہمنی دربار میں رسائی پیدا کرنے کے بعد رفتہ رفتہ گولکنڈہ کا فرمانروا ہو گیا میر جملہ بھی ایران کا ایک غریب شخص تھا وہ ایک جوہری کے پاس جو گولکنڈہ کو تجارت کے لئے آتا جاتا تھا ملازم ہو گیا اور اوسی کے ساتھ دکن میں آکر تجارت کے ذریعہ مالدار ہو گیا آخر میں دکن کا وزیر اور بعد ازاں عالمگیر کا مشہور سپہ سالار ہو گیا۔ برنیر فرنسیسی سیاح میر جملہ کے نسبت یہ لکھتا ہے کہ اگرچہ وہ خاندانی امیر نہ تھا۔ لیکن نہایت ہی قابل اور ذی لیاقت انسان تھا سپاہ گری میں

کامل تھا ویسا ہی معاملات تجارت کو خوب سمجھتا تھا۔ اوس نے اپنی دولت جو بہت تھی صرف گولکنڈہ کی متمول سلطنت کی وزارت سے پیدا نہیں کی بلکہ اپنی وسیع تجارت کے ذریعہ سے جو اکثر ملکوں میں جاری تھی اور ہیروں کی کانوں کے ٹھیکوں سے حاصل کی تھی۔ اوس کے ہاں قاعدہ تھا کہ ہیروں کو شمار نہ کیا جاتا تھا بلکہ ہیروں سے بھری ہوئی ٹاٹ کی تھیلیوں کو گنوا لیا جاتا تھا اسی طرح اور بھی بہت سے ایرانی امیروں کے حالات تاریخوں میں ملتے ہیں جو تاجر تھے اور تجارت کا سامان لیکر وطن سے نکلے اور دکن میں آکر امرائے سلطنت میں شامل ہوگئے ہر طرف امن وامان کا دورہ تھا اور دور دور سے تاجر بلا کھٹکے تجارت کا مال لیکر آتے جاتے تھے اسی زمانہ میں دکن کے ہیروں کی ہر جگہ شہرت تھی لاکھوں مزدور اور تاجر اسی کام میں مصروف تھے ہیروں کے علاوہ ململ اور چھینٹ کی بھی دور دور تک قدر تھی۔

سنہ ۱۶۱۱ء میں انگریزوں نے پہلے پہل مچھلی بندر میں تجارتی کوٹھی قایم کی اور گولکنڈہ سے تجارت کرنے لگے ہیرے ململ چھینٹ اور دوسرے ریشمی وسوتی کپڑے اوس زمانہ میں بکثرت یوروپ وغیرہ کو جاتے تھے۔ انگریزی کوٹھی قایم ہوجانے سے ڈچوں کو رشک وحسد پیدا ہوا کیونکہ انکی بھی ایک کوٹھی وہاں تھی۔ اوس وقت ڈچ تاجروں کو دکن اور خاصکر ساحل کارومنڈل پر بہت رسوخ ہوگیا تھا انکی متعدد تجارتی کوٹھیاں مختلف مقامات پر قایم تھیں۔ اور سیکڑوں ڈچ شاہی ملازمت میں تھے اس رسوخ کی بدولت وہ انگریزوں کو ستانے لگے اس سے مجبوراً انگریزوں نے اپنی کوٹھی آرنگم میں لاکر ڈالی مگر وہ تجارتی اغراض کیلئے موزوں نہ تھا۔ آخرش اونھوں نے سنہ ۱۶۳۲ء میں شاہ گولکنڈہ سے دادرسی چاہی تو اوس نے ایک فرمان صادر کیا جو "سنہری فرمان" کے نام سے مشہور ہے اور اس کی رو سے تمام قلمرو گولکنڈہ میں آزادی تجارت کرنے کی انگریزوں کو اجازت دیگئی اور ساتھ ہی مچھلی پٹن کے راجہ کو حکم دیا گیا کہ وہ انگریزوں کو تکلیف نہ دے اور نہ مقامی حکام کو اس کی اجازت دے اس کے ساتھ ہی انگریزوں پر لازمی کیا گیا کہ وہ ایرانی گھوڑے اور دوسری

قیمتی چیزیں جنہیں شاہ گولکنڈہ پسند کرتا ہے فروخت کیلئے دکن میں لایا کریں اس کے چھ سال بعد ایک نیا فرمان صادر ہوا اور انگریزوں کو اپنی تجارت میں وسعت دینے اور مچھلی پٹن سے جانب شمال ۴۰ میل کے فاصلہ پر ایک نئی کوٹھی کھولنے کی اجازت ملی کہا جاتا ہے کہ ان سب امور کے بعد بھی وہ ڈچوں کی رقابت سے تکلیف اٹھاتے رہتے تھے آخرش اونھوں نے مدراس میں زمینیں حاصل کیں اور قلعہ سنٹ جارج تیار کرایا اور وہاں بھی تجارتی کاروبار جاری کئے اس زمانہ میں انگریزوں ڈچوں وغیرہ کے جہازوں کے علاوہ خود شاہ گولکنڈہ کے جہاز بھی سمندروں میں چلتے تھے جو مچھلی بندر سے سواحل ہند و ایران تک چھینٹ اور ململ کو فروخت کرنے جاتے تھے جہاز رانی و راہ نمائی کے لئے ہر جہاز پر چار پانچ ملازم رہتے تھے اور ان کے علاوہ سب ملازم ہندوستانی و دکنی ہوتے تھے مال تجارت کے علاوہ تاجر و مسافر بھی اوس میں سفر کرتے تھے اپنے ملک کا مال فروخت کرنے کے بعد وہ دوسرے ملکوں کا سامان لاتے تھے۔

سنہ ۱۶۴۵ء سے سنہ ۱۶۵۲ء تک ٹیورنیر فرانسیسی تاجر نے ہیروں کی تجارت کے لئے دکن کا سفر کیا یہ وہ زمانہ تھا جب مغلیہ سلطنت کے حملے دکن پر شروع ہو چکے تھے دولت آباد اور اوس کے ساتھ بہت سا رقبہ ملک مغلیہ سلطنت میں شامل اور اورنگ آباد صدر مقام صوبہ بن چکا تھا۔ اس وقت اگرچہ دکن میں جنگ و جدل کا بازار گرم ہو چکا تھا تاہم تجارت پر کوئی اثر پڑا نہ تھا۔ اور مسافر ۲۷ دن میں آسانی و آرام سورت سے گولکنڈہ پہونچتے تھے۔ ٹیورنیر نے جو سفر نامہ لکھا ہے اوس میں دکن کے تجارتی حالات بھی کسی قدر صراحت کے ساتھ لکھے ہیں اوس نے ایک ایسے قطب شاہی جہاز کا بھی ذکر کیا ہے جو فارس کو مال لیکر گیا تھا اور وہاں سے ایک سو ایرانی و ارمنی تاجروں کو واپس لیکر آیا تھا۔ اسی جہاز میں ۵۵ گھوڑے تھے جن کو شاہ ایران نے شاہ گولکنڈہ کو بطور تحفہ روانہ کیا تھا۔ ٹیورنیر اس جہاز پر سوار ہو کر کیپ کامرن سے مچھلی پٹن کو آیا اوس نے اپنے سفر نامہ میں یہ بھی لکھا ہے

کہ اوس زمانہ میں مسافر کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ سفر میں توشہ باندھکر لے چلے کیونکہ
کیسا ہی چھوٹا گاؤں کیوں نہ ہو۔ چاول۔ آٹا۔ مکھن۔ دودھ۔ دال۔ ترکاریاں
شکر۔ مٹھائیاں خشک و ترسب۔ کثرت سے ہر جگہ موجود ہوتی تھیں وہ ہیروں کی
کانوں پر بھی گیا تھا اور اپنی کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ وہاں کے
واقعات لکھے ہیں۔ اوس کے سفر نامہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اوس وقت
گولکنڈہ میں ممالک غیر کے فوت شدہ تاجروں کا لاوارث مال نہایت احتیاط و
خبرگیری سے رکھا جاتا تھا۔ ٹیورنر ایک یوروپین کے پاس اپنا مال رکھکر کہیں باہر گیا
تھا جب وہ واپس ہوا تو اوس کا انتقال ہوگیا تھا اور اوسکے مکان پر قاضی اور
شاہ بندر (ناظم تجارت) کے مہروں کے توڑے لگے ہوے تھے۔ اور حفاظت
کیلئے کوتوالی کا پہرہ رکھا گیا تھا۔ ٹیورنر نے جب حکام سرکاری سے اپنا مال واپس
کرنے کی درخواست دی تو باضابطہ پورا ثبوت لیکر مال پر قبضہ کرنے کا حکم
ملا جب اوس نے اسکی جھڑتی لی تو بلا کم وکاست ہر چیز کو اپنی جگہ پر موجود پایا
اس وقت اوس سے قبضہ مال کی رسید لیگئی اور اخراجات تجہیز و تکفین
متوفی و حفاظت مکان کی بابت صرف ۱؎ اوس سے لئے گئے۔ ٹیورنر نے
لکھا ہے کہ یوروپ کے ممالک میں ایسا اتفاق ہوتا تو بہت سے مقامات
ایسے تھے جہاں اس آسانی سے اوس کو ہرگز چھٹکارا نہیں ہوسکتا تھا۔
ٹیورنر کے بعد موسیو تھونو نامی ایک اور فرانسیسی تاجر نے دکن میں
۱۶۵۵ء سے ۱۶۶۹ء تک سیاحت کی اس نے بھی اپنا سفر نامہ مرتب کیا ہے
یہ وہ زمانہ تھا جب کہ قطب شاہی سلطنت چراغ سحری ہوگئی تھی ہر طرف
بدامنی پھیلی ہوی تھی۔ اسی وجہ سے تاجروں اور مسافروں کو سخت محصول
جا بجا ادا کرنے پڑتے تھے۔ اور اوسکی شکایت تھونو بھی کرتا ہے۔ باوجود
اس سختی کے تاجر آتے رہتے تھے چنانچہ خود تھونو لکھتا ہے کہ دو سورت سے
اورنگ آباد کو آتے وقت راستہ میں ہمیں جا بجا قافلے ملتے تھے جن میں

کثرت سے اونٹ اور بیل ہوتے تھے۔ بعض قافلے تو آگرے سے آتے ہوئے ہم نے دیکھے جن میں ایک ہزار بیل سے زاید کپڑے لادے ہوئے تھے۔

خوبصورت سے دیگر فرانسیسیوں اور ۳۸ خدمتگاروں ۱۲ گاڑیوں کے قافلہ میں اورنگ آباد آیا تھا۔ اوس نے ٹیورنیر کے برخلاف راہ میں انڈے اور مرغیوں کے برابر نہ ملنے کی شکایت کی ہے اورنگ آباد کے متعلق وہ لکھتا ہے وہ شہر تجارت کی منڈی ہونے کی وجہ سے خوب آباد ہے۔ دولت آباد تجارت کی بہت بڑی منڈی تھا مگر اب یہاں کی تجارت اورنگ آباد میں منتقل ہو گئی ہے کیونکہ اورنگ زیب نے بہ زمانہ صوبہ داری دکن اس امر کی بڑی کوشش کی کہ دولت آباد کی جگہ اورنگ آباد تجارت کی منڈی بن جائے اوس زمانہ میں اجنبی تاجر مقامی تاجروں سے تعارف حاصل کر کے اثنائے راہ میں ٹھہرنے کا انتظام اور راستہ کے حالات دریافت کرتے تھے بعض مسلمان تاجر جمعہ کے دن کاروبار تجارت نہ کرتے تھے۔

اورنگ آباد سے وہ حیدرآباد کو آیا اور شہر کے اندر ایک سرا میں فروکش ہوا جس میں ماہوار دو روپیے ایک کمرہ کا کرایہ ادا کرنا پڑتا تھا اوس کو ہندوستانی تاجروں کے علاوہ بہت سے ایرانی یا ارمنی یا یوروپین سوداگر نظر آئے یوروپین تاجروں کے متعلق وہ حسب ذیل حالات لکھتا ہے۔

"یوروپینوں میں پرتگالیوں کی تعداد زیادہ ہے جو اپنے ملک سے سنگین جرایم کی بدولت یہاں بھاگ کر آباد ہو گئے ہیں۔ انگریز اور ڈچ حال ہی میں آئے ہیں اخرالذکر کو یہاں بڑے فواید ہو رہے ہیں انھوں نے تین سال سے یہاں ایک کوٹھی بنائی ہے۔ یہ لوگ کمپنی کے لئے چھینٹ وغیرہ کپڑا خریدتے اور ہندوستان سے دوسرے مقامات پر فروخت کرتے ہیں مچھلی پٹن سے یہ لوگ حیدرآباد اور مقامات میں فروخت کے لئے۔ مونگ۔ سیاہ مرچ۔ الائچی۔ چاندی۔ تانبا۔ ٹین۔ سیسہ وغیرہ

ضمیمہ تعلیمات

(ش)

ارباب تعلیمات کی خواہش پر عرصہ سے خیال تھا کہ ایک ضمیمہ صحیفہ کے ساتھ ایسا شایع کیا جائے جسمیں خاص طور پر تعلیمی مضامین پر بحث ہوا کرے اور اس کے ضمن میں تعلیمات کے احکام و گشتیات اور خبریں جو عام طور پر دیہاتی مدرسوں کو یا تو سرے سے معلوم ہی نہیں ہوتیں یا بہت دیر کے بعد معلوم ہوتی ہیں۔ درج کیجائیں۔

اس خیال کی علیت۔ افسران سررشتہ تعلیمات کی مدد پر موقوف تھی باوجود متواتر کوشش کے افسوس ہو کہ کوئی باضابطہ امداد اس وقت تک نہیں مل سکی۔ اسی وجہ سے اب تک یہ خیال تکمیل کو نہیں پہونچ سکا۔ لیکن اب ہم نے ارادہ کرلیا ہو کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس خیال کو عمل میں لائے بغیر نہ رہیں گے۔ چنانچہ اس مہینہ کے رسالہ سے یہ ضمیمہ شایع کیا جاتا ہو۔ اگر خوش قسمتی سے آیندہ محکمۂ سررشتہ تعلیم سے باضابطہ مدد ملنے لگی تو یہ ضمیمہ ارباب تعلیم کیلئے بے حد مفید ثابت ہوگا اور مدرسین و طلاب رسالہ کی کوشش سے مستقل طور پر فائدہ اٹھانے لگیں گے۔

اڈیٹر

گشتیات و احکام

(ش)

گشتی نشان (۸) محکمۂ معتمدی صرفخاص و پیشی خداوندی اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی۔
واقع سلخ ذی حجہ ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۹ بہمن ۱۳۲۰ف

مقدمہ

منجانب محمد عبدالرحیم بیگ منصرم معتمد انتظام تعلیمات
برائے اطلاع جمیع عہدہ داران صرفخاص

بوصول مراسلہ معزز کمیٹی انتظام امور صرفخاص نشان (۳۰۰۷) واقع ۴ بہمن ۱۳۲۰ف

بمقدمہ صدر رتر قیم ہو کہ آیندہ صرفخاص میں کوئی تعطیل مقررہ کا دن جمعہ واقع ہو تو دوسرا دن تعطیل ایسے جمعہ کے معاوضہ میں دینا ضرور نہیں ہو لہذا ایسے معاوضہ کی تعطیل آیندہ صرفخاص میں نہیں دیجائیگی - پس حسبہ عمل کیا جائے - شرحہ دستخط

عبدالرحیم بیگ - معتمد صرفخاص

گشتی صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۲۰ اسفندار ۱۳۲۰ف نشان ۱۱۵۷

منجانب ڈاکٹر سید سراج الحسن ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی
بخدمت صدر مہتمم صاحبان مدارس بلدہ و اضلاع و مدرسۃ دارالعلوم صدر مدرس صاحبان } داخلہ مدرسین اضلاع بمدرسہ تعلیم المعلمین

مقدمہ

اس سال تجربہ سے معلوم ہوا کہ اون مدرسین میں سے جو کہ نارمل سکول سے مستفید ہونے کیلئے منتخب اور نامزد کئے جاتے ہیں - بیشتر انواع و اقسام کے عذر و حیلہ کر کے تعلیم سے بچنا چاہتے ہیں اس سے ایک طرف تو تعلیمات کے محکموں کا فضول رسل و رسایل میں وقت ضایع ہوتا ہے - دوسرے نارمل سکول کی جماعت بندی اور تعلیم میں ہرج واقع ہوتا ہے - لہذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیندہ سال کیلئے ابھی سے نوٹس دیدیا جائے کہ جو مدرس تعلیم نارمل سکول کیلئے نامزد کیا جائیگا اگر وہ بلاوجہہ موجہ عذر و حیلہ کرے یا رخصت طویل لیکر شرکت نارمل سکول سے بچنا چاہے - وہ حسب صوابدید صدر مہتمم متعلق یا تو برطرف کیا جائے یا کم سے کم اس وقت تک کی ماہوار جب تک کہ وہ کسی طرح دوسرے موقع پر شریک نارمل سکول کیا جائے اوس شرح سے ملیگی جو کہ بحساب شرکت نارمل سکول ملنا چاہیئے فقط شرحہ دستخط

سید حسین صاحب - مددگار تعلیمات

مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۲۲ اسفندار ۱۳۲۰ف نشان ۱۱۸۱

منجانب ڈاکٹر سید سراج الحسن ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی
بخدمت صدر مہتمم صاحب مدارس مستقر و اسمات علاقہ سرکار عالی -

بگزارش ہے کہ ... سے اکثر و بیشتر تجربتاً پایہ ثبوت کو پہونچا کہ بعض اشخاص جو سررشتہ جات سرکار عالی میں خدمت مدرسی پر مامور ہوتے ہیں - تقرر کے چند ہی روز بعد - بہ عذر علالت غیر حاضر ہو جاتے ہیں اور بہ ترسیل صداقت نامجات طبی سلسلہ علالت جاری رکھ کر

طول طویل رخصت بیماری سے استفادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ بغور دیکھا جائے۔ تو یہ غیر حاضری محض مبنی بر تعارض ہوتی ہے۔ اور اصل مقصد غیر حاضروں کا یہ ہوتا ہے کہ خدمت مدرسی کو قوت لایموت قرار دیکر کوئی دوسرا کام دھندا کریں۔ یا ادھر ادھر تگ و دو کرکے سعی و سفارش کی چٹھیاں بہم پہونچائیں۔ اور سرکار عالی کے دیگر سررشتوں یا علاقہ انگریزی میں کوئی دوسری ملازمت حاصل کریں اور نصف یا ثلث یا ربع ماہوار سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ چنانچہ دیکھا جارہا ہے کہ مسٹر آغا بزرگ شیرازی اور مسٹر عبدالحمید اگرچہ تندرست ہیں اور اُن کی تگا پو جاری ہے۔ اس پر بھی وہ بیماری رخصتوں سے عرصہ دراز سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اُن کا طرز عمل نہ صرف نقصان سرکار کا موجب اور تعلیم طلبہ کا مانع و مزاحم ہے بلکہ بدیں وجہ کہ بجائے اُن کے اُنکی جزماہوار پر ہر وقت ایک لائق و موزوں مدرس کے نہ ملنے سے مدرسہ کا انتظام حسب دلخواہ قایم نہیں رہ سکتا ہے مدرسہ کے سالانہ نتایج پر ایسا بڑا اثر پڑتا ہے کہ جسکی تلافی من قبیل محالات ہے۔ چونکہ بنظر اغراض ترقی تعلیم اس رخصت مذموم کا انسداد ضروریات سے ہے۔ لہذا بہ کرم آپ صاحبان رخصت بیماری عطا کرنے سے قبل اس کا اطمینان کرلیا کریں کہ جو لوگ کہ حال میں سرکاری ملازمت میں داخل ہوئے ہیں وہ سرکار کے ترحم و رعایت سے غیر واجبی فائدہ تو نہیں اٹھاتے ہیں۔ اور اگر وہ واقعی بیمار ہیں تو اُن کو سرکاری ڈاکٹروں سے رجوع ہونا چاہئے۔

مثنےٰ بخدمت ناظم صاحب طبابت سرکار عالی مرسل و نگارش ہے کہ براہ مہربانی آپ کے محکمہ سے ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ ملازمین سررشتہ ہذا کو بلا وجہ موجہ محض رعایت سے بیماری کی طویل رخصت کے سارٹیفکٹ عطا نہ کیجائیں یا کوئی ایسا بورڈ مقرر فرمایا جائے جو مدرسین کا طبی امتحان لینے کے بعد اُنکی بیماری رخصت کی سفارش کرے

مثلث اطلاعاً خدمت معتمد صاحب سرکار عالی علاقہ عدالت و کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی مرسل ہے فقط شرحہ دستخط

سید الطاف حسین صاحب۔ پرسنل مددگار تعلیمات

اعلان دفتر نظامت تعلیمات سرکار عالی۔

چونکہ مدرسہ دار العلوم میں جدید نصاب کے موافق تعلیم جاری ہو چکی ہے اس لئے گذشتہ امتحان میں ناکامیاب شدہ طلبہ کی رعایت سے جنھوں نے قدیم نصاب میں امتحان دیا تھا السنہ مشرقیہ کا ایک اور آخری امتحان نصاب قدیم میں باتباع ضوابط موجودہ ماہ تیر ۱۳۲۰ف کے پہلے شنبہ سے لیا جائیگا۔ شرکت کی درخواستیں آخر ماہ فروردی سنہ رواں تک جملہ شریک ہونے والوں سے لیجائیگی۔ اس امتحان میں وہی امیدوار شریک ہو سکیں گے جو گزشتہ امتحان السنہ مشرقیہ میں ناکام رہے ہوں یا از سر نو پرائیوٹ طور پر شریک ہونا چاہتے ہیں وہ طلبہ نہ شریک کئے جائیں گے جو گذشتہ امتحان ہی میں کامیاب ہو کر اس سے بڑے درجہ میں امتحان دینا چاہتے ہونگے فقط۔ شرح دستخط

سید الطاف حسین صاحب سپرنٹنڈنٹ مددگار تعلیمات

نتیجہ امتحانات السنہ مشرقیہ ملک سرکار عالی بابتہ سنہ ۱۹۱۰ء

نمبر رجسٹر	نام امیدوار	نام امتحان	نمبر رجسٹر	نام امیدوار	نام امتحان
	مدرسہ دار العلوم شریک ۶ کامیاب ۲				
			۱۳	ابو العلا سید احمد حسینی	مولوی عالم
۵	محمد سعادت اللہ خاں	مولوی فاضل	۱۴	احمد عبداللہ صدیقی	ایضاً
	المعروف بہ ممیز خاں		۱۷	سید عالم	"
۶	سید محمود	ایضاً			
	مدرسہ فخریہ شریک ۳ کامیاب ۱			مدرسہ فخریہ شریک ۱ کامیاب ۳	
۹	محمد بہاؤ الدین خاں	"	۲۱	محمد رحیم الدین	"
	مدرسہ دار العلوم شریک ۷ کامیاب ۳		۲۳	شیخ محمد	"

نمبر	نام	امتحان
۲۶	محمد اکبر علی	مولوی عالم
	مدرسہ انصاریہ شریک ۱ کامیاب ۱	
۲۹	خواجہ عبدالعزیز	ایضاً
	مدرسہ دار العلوم شریک ۱۹ کامیاب ۱۱	
۳۰	محمد عبدالسلام	مولوی
۳۱	میر چراغ علی	ایضاً
۳۲	محمد عبدالحکیم	//
۳۳	سید خدا بخش	//
۳۴	حیدر خاں	//
۳۶	سید آغا حیدری	//
۳۷	محمد حسام الدین	//
۴۲	محمد غوث الدین	//
۴۵	محمد عبدالکبیر خاں	//
۴۶	محمد ریاست علی	//
۴۷	غلام محبوب	//
	مدرسہ فخریہ شریک ۵ کامیاب ۲	
۴۹	اسد اللہ بیگ	مولوی
۵۰	شیخ احمد	//
	مدرسہ فوقانیہ مشرقیہ اورنگ آباد شریک ۳ کامیاب ۱	
۵۶	محمد خاں پرائیوٹ	مولوی
۵۷	فقیر محمد	//
۵۸	سید فضل الرحمان شطاری	//

نمبر	نام	امتحان
	مدرسہ دار العلوم شریک ۹ کامیاب ۶	
۶۴	سید اولیا قادری	منشی فاضل
۶۵	محمد عبدالسلام	//
۶۸	میر ریاضت علی	//
۷۰	محمد حبیب اللہ وفا	//
۷۱	سید عالم	//
۷۲	غلام محمد خاں	//
	مدرسہ فخریہ شریک ۱۴ کامیاب ۳	
۸۱	حافظ محمد امام	//
۸۴	محبوب خاں	//
۸۵	اسد اللہ بیگ	//
	پرائیوٹ طلبا	
۸۷	شیخ محبوب	//
۸۸	سید محمد حسین	//
۸۹	محمد عبدالغنی المعروف محمد عبدالنبی	//
۹۱	خواجہ محمد وحید الدین خاں	//
۹۲	قادر محی الدین فاروقی	//
۹۳	سید محمد عبدالسلیم	//
	مدرسہ دار العلوم شریک ۶ کامیاب ۴	
۹۵	محمد اسد اللہ	منشی عالم
۹۷	مرزا محی الدین بیگ	//
۹۹	محمد اسمعیل	//
۱۰۰	مرزا سردار بیگ	//

مدرسہ فخریہ شریک ۵ کامیاب ۳

۱۰۱	محمد یعقوب صدیقی	منشی عالم
۱۰۳	سید لطیف الدین	״
۱۰۴	سید فرید الدین	״

مدرسہ منصبداران رکاب عالی شریک ۴ کامیاب ۳

۱۰۶	احمد بشیر الدین	״
۱۰۷	غازی الدین احمد	״
۱۰۹	محمد منور علی خاں	״

مدرسہ اسلامیہ مٹھواڑہ شریک ۹ کامیاب ۴

۱۱۳	سید حسین	״
۱۱۶	سید شاہ صاحب	״
۱۱۷	سید محمود	״
۱۱۸	سید ابراہیم	״
۱۱۹	میر اکبر علی پریوٹ	״

مدرسہ دار العلوم شریک ۲۲ کامیاب ۹

۱۱۲	اعظم علی بیگ	منشی
۱۲۳	ابو البرکات محمد زین العابدین	״
۱۲۵	میر نیاز علیخاں	״
۱۲۶	محمد انور الدین علی	״
۱۲۸	مرزا قدرت علی بیگ	״
۱۳۱	غلام محبوب	״
۱۳۴	محمد منیر الدین احمد	منشی
۱۳۶	محمد ابراہیم	״
۱۳۹	محمد یٰسین	״

مدرسہ فخریہ شریک ۳۵ کامیاب ۱

۱۴۴	سید عبد السلام	منشی
۱۵۰	سید عبد الصمد	״
۱۵۵	سید عبد القدیر	״
۱۵۷	راما سنجراؤ	״
۱۶۱	...نگ راؤ	״
۱۶۲	پرشوتم راؤ	״
۱۶۴	مرزا احمد علی بیگ	״
۱۶۵	محمد عبد القادر	״
۱۷۳	میر فاروق علی	״
۱۷۵	سید امیر علی	״

مدرسہ بازار گھانسی شریک ۱۱ کامیاب ۶

۱۷۹	میر دلاور علی ہاشمی	״
۱۸۰	محمد عبد الرزاق	״
۱۸۲	محمد عباس	״
۱۸۳	محمد احسن الدین انصاری	״
۱۸۴	سید الطاف حسن	״
۱۸۵	غلام محمد خاں	״

مدرسہ انصاریہ شریک ۱۱ کامیاب ۵

۱۸۹	محمد عطاء الرحمن	״

۱۹۰ محمد یوسف سہ
۱۹۱ میر فیاض علی سہ
۱۹۴ محمد حیدر سہ
۱۹۶ محمد حسین سہ

مدرسہ غوثیہ شریک ۴ کامیاب ۴

۲۰۰ محمد احمد علی سہ
۲۰۱ سید عبدالغنی سہ
۲۰۲ محمد غوث الدین //
۲۰۴ شیو منگل سنگھ //

مدرسہ منصبداران رکاب عالی
شریک ۱ کامیاب ۱

۲۰۵ محمد فیض الدین سہ

مدرسہ اسلامیہ سٹھواڑہ شریک ۶ کامیاب ۶

۲۰۸ عبدالرزاق //
۲۱۲ سید عباس سہ
۲۱۶ افضل بیگ سہ
۲۲۰ عبدالرحیم سہ
۲۲۴ سید یوسف

مدرسہ فوقانیہ مشنریہ مکتھل شریک ۲ کامیاب ۲

۲۲۶ محمد مرتضیٰ
۲۲۷ محمد عظیم الدین

مدرسہ فوقانیہ مشنریہ اورنگ آباد
شریک ۴ کامیاب ندارد

مدرسہ مڈل بھونگیر شریک ۲ کامیاب ۱

۲۳۵ محمد مومن علی منشی
۲۳۶ غلام احمد سہ

مدرسہ ایڈ مڈل ہنگولی شریک کامیاب

۲۳۹ شیخ رکن الدین سہ
۲۴۱ محمد سلطان پرایویٹ سہ
۲۴۶ غلام محی الدین خاں سہ سہ
۲۴۸ محمد عبدالقادر سہ سہ
۲۵۴ میر محمد تقی سہ سہ
۲۵۳ میر محمد ہادی // سہ
۲۵۶ سید محمد جعفر // سہ
۲۵۷ سید قاسم حسین // سہ
۲۶۳ سید عبدالحی // سہ
۲۷۰ محمد عبداللطیف عرف شیخ ندار // //
۲۷۱ سید عبداللہ حسینی // سہ
۲۷۳ محمد مولانا سہ سہ
۲۷۵ غلام محبوب سہ سہ
۲۷۹ محمد عبدالغفور سہ سہ
۲۸۳ سید یوسف سہ سہ
۲۸۶ احمد علی سہ سہ
۲۹۰ محمد جلال الدین خاں سہ
۲۹۲ نوازش علیخاں سہ

۳۰۰	سید شاہ رکن الدین	پرائیوٹ	منشی	۳۱۶	محمد اکبر علی	پرائیوٹ	منشی
۳۰۱	محمد ابراہیم	"	"	۳۱۷	شیخ احمد	"	"
۳۰۵	سید ظہیر الدین	"	"	۳۲۰	محمد عبدالعزیز	"	"
۳۰۹	سید سراج الدین	"	"	۳۲۱	شیخ ابراہیم	"	"
۳۱۲	محمد جان عالم	"	"	۳۲۶	احمد عبدالحکیم	"	"
۳۱۳	سید محمد حسین	"	"	۳۲۹	مرزا نثار علی	"	"
۳۱۴	سید محمد عبداللہ	"	"	۳۳۰	محمد جان	"	"
۳۱۵	محمد جلال	"	"				

منظوریات

— سرکار سے سنٹ آرنیج سکول سکندرآباد کے نام ماہانہ اسی روپیہ کی امداد منظور ہوئی ہے

— مدرسہ نسوان اعزہ حیدرآباد (نامپلی) کے طلبا کو انعام دینے کیلئے ڈھائی سو روپیہ سالانہ کی منظوری ہوئی ہے

— ایجوکیشنل جرنل (ایک تعلیمی پرچہ پنجاب سے شائع ہوتا ہے) تمام ملکی سکولوں کیلئے بصرف سرکار خرید کیا گیا۔

— سرکار سے ممالک محروسہ سرکار عالی کیلئے بجائے امتحان میٹرک کے سکول لیونگ سرٹیفکیٹ کا جو امتحان مقرر ہوا ہے اسکے پرچہ جات کی ترتیب نیز دیگر انتظامات متعلقہ کیلئے [illegible] کی منظوری صادر ہوئی ہے۔

— مولوی عبدالجبار صاحب مدرس مدرسہ اعزہ حیدرآباد کو تاریخ دکن کی تین جلدوں کی تالیف کی بابت گذشتہ دو سالوں میں سرکار سے چھ ہزار سکہ مجموبیہ عطا ہوئے تھے اب پھر صاحب موصوف کی درخواست پر بقیہ چار جلدوں کی ترتیب و تدوین کیلئے آٹھ ہزار سکہ مجموبیہ کے عطا کرنے کی منظوری صادر فرمائی گئی ہے۔ علاوہ بریں تاریخ کی تدوین میں مدد دینے کیلئے ایک محرر مواجبی پچیس ماہانہ کے تقرر کی بھی منظوری صادر ہوئی ہے۔

— نظام کالج حیدرآباد میں ایک ٹینس پلاٹ کی تعمیر کیلئے پیشگاہ سرکار سے [illegible] ہزار

چار سو پچیس کی منظوری صادر ہوئی ہے۔

خبریں

عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات نے سرکار میں تحریک کی ہے کہ چار افسران سررشتہ تعلیمات کو نمایش الہ آباد میں سرکاری طور پر تجربہ و معلومات حاصل کرنے کیلئے روانہ کیا جائے۔ ابھی تک منظوری نہیں آئی۔

سنا گیا ہے کہ مسٹر رامچندر کلٹے بی۔اے مہتمم تعلیمات صوبہ میدک نے ۶ ماہ کی رخصت لی ہے ان کی جگہ مولوی عبد الحق صاحب بی۔اے مترجم دفتر معتمدی عدالت و امور عامہ کا تقرر عمل میں آیا ہے۔

مسٹر ایل۔پی کنیا ہیڈ ماسٹر ہائی سکول ورنگل کے منتقل سررشتہ مردم شماری ہونے سے ہیڈ ماسٹری ہائی سکول تقرر طلب تھی۔ ناظم صاحب تعلیمات نے کسی اور شخص کا تقرر کیا تھا۔ مگر سرکار سے جناب ظہور علی صاحب بی۔اے ہیڈ ماسٹر ریذیڈنسی مڈل سکول حیدرآباد کا تقرر منظور فرمالیا گیا۔ طلبائے ریذیڈنسی اسکول کو جب معلوم ہوا کہ ان کے ہیڈ ماسٹر یہاں سے جانے والے ہیں تو او لڑکوں نے ایک ڈیپوٹیشن کی شکل میں جناب مہتمم صاحب تعلیمات مدارس مستقر بلدہ و جناب نواب فخر الملک بہادر وزیر تعلیمات سے درخواست کی کہ جناب ظہور علی صاحب کو یہیں رکھا جائے۔ اس پر سرکار سے اسپیشل ڈیوٹی کی منظوری دیگئی۔ ظہور علی صاحب کو ورنگل کی گنجایش سے (۱۵۰) ملیں گے۔

مولوی سید الطاف حسین صاحب پرنسپل مددگار تعلیمات نمایش الہ آباد کی سیر سے واپس تشریف لائے۔

ایک ہفتہ کا عرصہ ہوا کہ مسٹر میہو مشیر تعلیمات دورہ سے واپس آئے۔

جناب ناظم صاحب تعلیمات نمایش الہ آباد کو بغرض خریدی سامان صنعت و حرفت تشریف لیجاتے ہیں۔

مدارس صرف خاص میں آئندہ سے جمعہ کا معاوضہ نہ دیا جائیگا۔

سنا گیا ہے کہ جملہ کتب درسیہ کے چھاپنے اور فروخت کرنے کی اجازت ایک انگریز بہادر کو عطا کیگئی ہے۔

ناظم صاحب تعلیمات نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے کہ اگر موسمی تعطیلات کے بعد رخصت اتفاقی لیجائے تو دیجا سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر ۵ صحیفہ جلد ۶

ملک کافور اور دکن

دوسرا حملہ علاء الدین خلجی نے جو ہند دروازہ کھولا تھا اُس کو پوری طور سے سلطنت اسلام کے دامن میں لانے والا ملک کافور ہے۔ ملک کافور کا دوسرا حملہ ۷۰۹ہجری میں ورنگل پر ہوا۔ اس سے پہلے بنگال کے راستہ سے ورنگل پر فوج کشی کی گئی تھی لیکن اس میں ناکامی ہوئی۔ فوج تباہ و خستہ ہو کر واپس آئی تھی۔ اب کافور دیوگڑھ (دولت آباد) کے راستہ سے بھیجا گیا۔ تلنگانہ کا راجہ بھی اُسی ضعف و پستی سے بہتر حالت میں نہ تھا جو مرہٹواری کے راجہ کی تھی۔ درحقیقت راجہ اپنے اصلی مصداق میں انتظام کے قابل نہ رہا تھا رعایا خوش نہ تھی اور موجودہ زمانہ کے سیاسی لغت کے لحاظ سے ہندوستان کی اعلیٰ حکومت باغراض بہبودی ہندوستان اس امر کی مستحق تھی کہ وہ اس راج کو دہلی کی امپیریل طاقت تسلیم کرنے پر مجبور کرے۔ چنانچہ ملک کافور کو اس مہم کے متعلق جو ہدایت دی گئی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فوج کشی محض وحشیانہ لوٹ مار کی غرض سے نہ تھی جیسے یوروپین تصانیف نے نوخیز نسلوں کو سبق دینا چاہا ہے بلکہ اسی اعلیٰ تمدنی غرض کیلئے جس پر کسی یوروپین مصنف کی مجال نہیں ہو سکتی کہ اعتراض کی انگلی اٹھائے۔ ہدایت یہ تھی "اگر لدر دیو (ورنگل کا راجہ) پیش کش گذرانے اور سالانہ خراج کا ذمہ دار ہو جائے تو مہم کی کارروائی طے شدہ سمجھی جائے ورنگل اور مملکت تلنگانہ کے مفتوح کرنے کی ضرورت نہیں" اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ملک کافور کے ساتھ خواجہ حاجی ایک لائق منتظم

(یا منسٹر) بھی متعین کیا گیا تھا اور کافور کو ہدایت تھی کہ معاملات کے بندوبست میں اس کی رائے پر کاربند ہوا کرے۔ اگر محض وحشیانہ لوٹ مار مقصود ہوتی تو کسی منتظم افسر کی کوئی ضرورت نہ تھی ایک منتظم افسر کی ہمراہی اس امر کا ثبوت ہے کہ فوج کشی کے ساتھ انتظام لازم تھا۔

رام دیو کی تائید دیوگڑھ پر رام دیو نے ملک کافور کا استقبال کیا۔ پیش کش گذرانا مہمانی کے لوازم ادا کیے۔ کیمپ میں بازار جایا۔ اور تاکید کی کہ تمام اجناس علائی[۱] نرخ کے مطابق فروخت کریں۔ وہ روزانہ سایہ بان لعل (نائب ملک کے اجلاس) میں آتا۔ اور جب دیوگڑھ سے اسلامی فوجیں آگے بڑھکر ان مقامات میں جانے لگیں جہاں اب تک کسی مسلمان فاتح نے قدم نہ رکھا تھا تو رام دیو خود چند منزلوں تک ساتھ آیا اور اپنے علاقہ کے بہت سے سوار و پیدل لشکر کی حفاظت اور راستہ بتانے کیلئے ساتھ دئے اور اپنی قلمرو کے تمام سوداگروں۔ رعایا۔ بقالوں کے نام احکام جاری کیے کہ غلہ وغیرہ ہمیشہ اردو (کیمپ) میں پہونچاتے رہیں۔ جب ملک نائب پرگنہ اندور (نظام آباد) میں پہونچا۔ جو تلنگانہ کی حد تھی تو اس نے حسب عام قواعد و مصالح جنگی کشت و خون۔ گرفتاری کی اجازت دی۔ کسی نے لشکر کا مقابلہ نہ کیا۔

محاصرہ ورنگل اور آخر کافور ورنگل کے سامنے پہونچ گیا۔ لدر دیو نے ورنگل کے اندرونی قلعہ میں جو پتھر کا بنا ہوا ہے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے راجاؤں نے بیرونی قلعہ میں جو مٹی سے بنا ہوا تھا پناہ لی۔ ملک نائب نے حسب دستور سخت محاصرہ کیا۔ محصورین چند لڑائیاں لڑے لیکن آخر کار بیرونی

[۱] علاء الدین خلجی نے ترکی سلطان سلیمان اعظم قانونی کی طرح تمام اجناس کے نرخ معین کیے تھے۔ اگرچہ حامیان فری ٹریڈ اپنے ملک کی سرکاری ضرورتوں کے لحاظ سے نرخ کو مناسب تسلیم نہ کریں۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ فی الواقع ہر ایک جگہ یہ امر نامناسب ہے۔ اصولاً اس مسئلہ پر اور کسی وقت بحث کیجائیگی۔ ۱۲

قلعہ فتح ہوگیا۔

صلح اب لدر دیو نے صلح منظور کر لی (۳۰۰) ہاتھی (۷ ہزار) گھوڑے بہت ساز رو جواہر پیش کش کیا اور سالانہ پیش کش کا بھی وعدہ کیا۔ اس طرح یہ مہم پوری کامیابی کے ساتھ طے ہوی اور جب ملک نائب دہلی میں واپس گیا تو سلطان علاءالدین خلجی نے چبوترہ ناصری تک اس کا استقبال کیا۔

کافور کا تیسرا حملہ کرناٹک پر ۷۱۰ھ

ملک کافور اور حاجی خلیفہ اب اقصائے دکن میں پھر کثیر جمعیت کے ساتھ دھورسمند (دوارسمدر میسور) اور معبر کارومنڈل پر بھیجے گئے۔ یہ سفر بھی دیوگڑہ کے راستہ سے ہوا۔ اب یاروفادار رام دیو دنیا سے رخصت ہوچکا تھا۔ اور اُس کا بیٹا اسکی جگہ راج کر رہا تھا جسکی وفاداری مشتبہ تھی لہذا انتظاراً احتیاطاً قصبہ جالنہ کے قریب ایک سردار متعین کیا گیا اور اسلامی فوجیں اپنی ہی راہ نمائی اور بند و بست سے آگے بڑھیں کنڑے علاقہ سے گذرتی ہوئیں تین مہینہ کے عرصہ میں بنادر دریائے عمان (سواحل ہند) و اقصائے بلاد دکن میں جا پہونچیں بلال دیو راجہ کرناٹک کو گرفتار کیا۔

صرف اسی سفر میں بیان کیا گیا ہے کہ بت خانہ توڑے گئے۔ لیکن اول تو صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ بت خانوں کے توڑنے سے کیا مراد ہے؟ آیا عمارتوں کو منہدم کرنا مراد ہے یا اُن کے اندوختہ کو ضبط کرنا؟ پہلی صورت غالبًا واقع ہی نہیں ہوی اس لیٔے کہ جو عظیم الشان قدیم تاریخی بت خانے آج بھی کرناٹک میں موجود ہیں وہ زبان حال سے گواہی دے رہی ہیں کہ فاتحین اسلام نے ہمیں نقصان پہونچانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ رہی دوسری صورت وہ کوئی قابل تعجب نہیں ہے جبکہ انھیں مورخوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اس وقت برہموں میں باہم نا اتفاقی۔ ذاتی خواہشوں کا بازار گرم ہوگیا تھا اور وہ اس حملہ کو غنیمت سمجھکر خود ہی بت خانوں کا قدیم اندوختہ لوٹ رہے تھے تو ایسی حالت میں فوج کا اندوختہ کے لحاظ کر

مرقع مورتوں پر ہاتھ ڈالنا قابل اعتراض نہیں ہو سکتا جب کہ انیسویں صدی کے علم و تہذیب کے دور میں جرمنی سپہ سالار نے چین کے رصد خانہ کو برباد کر کے دنیا کو خوحیرت بنا دیا۔

مسجد علائی سیت بندرامیشور کے پاس پہونچکر ایک چھوٹی مسجد گچ اور پتھر سے بنائی گئی اور اس طرح کافور عظیم الشان آرین ہیرو رام چندر جی کے نقش قدم پر جا پہونچا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ ساحل دکن مسجد علائی سے پہلے فوجی سپہ سالاروں کے ہات سے بنائی ہوئی مساجد مالک بن دینار کی پرامن اذان کی آواز سن چکا تھا اور آج بھی وہ زبان حال سے سنا رہا ہے کہ اسلام فوجی طمطراق کے ساتھ ساحل پر پہونچنے کے پہلے ہی پرامن طریقہ سے ساحل پہ قدم رکھ چکا تھا اور گو وہ فوجی طمطراق باد فنا کے ہات سے بچ جائے لیکن جو پر شوکت روحانی نہ مٹنے والا اثر اس نے ساحل پر چھوڑا ہے وہ نامور ہیرو رامچندر جی کی تلقینات کے اثر سے کچھ کم نہیں ہے۔

یہاں سے کافور معبر (کارومنڈل) کی طرف پلٹا اور (۶۱۲) ہاتی۔ ۲۰ ہزار گھوڑے۔ ۱۰ ہزار تنگہ زرسرخ موتیوں سے بھرے ہوے صندوق محل ہزار ستون میں علاء الدین کے روبرو پیش کیے گئے۔ جو اس سے پہلے کبھی کسی بادشاہ دہلی کے روبرو پیش کش نہیں کیے گئے تھے۔

چوتھا حملہ سنہ ۷۱۲ ہجری

وہی معمولی سازشیں جنھوں نے عربی اور مغلی سلطنتوں کا شیرازہ بکھیرا ہے علائی دربار میں بھی موجود تھیں ملک نائب کافور فاتح دکن کا روز افزوں اقتدار دربار میں دیکھکر اسکی مخالف پارٹی قایم ہوگئی جس طرح علاء الدین اپنے چچا کے زمانہ میں ملکہ جہاں اور ارکلی خاں کے انفلوینس سے ڈرتا تھا اسی طرح ملک نائب خضر خاں ولیعہد سلطنت اور اسکی ماں کے انفلوینس سے دل ہی دل میں ڈر رہا تھا۔

اور چاہتا تھا کہ موقع پاکر دربار سے دور نکل جائے۔ چنانچہ جب ورنگل کے راجہ نے لکھا کہ حسب وعدہ سالانہ لعل تیار ہو چکا ہے اس کے لینے کیلئے کوئی شخص بھیجا جائے تو کافور خود درخواست کرکے کہ وہ نہ صرف اس کام کو پورا کریگا بلکہ رام دیو کے بیٹے کو جو علائی امپائر سے منحرف ہے ہٹا کر دکن کو علائی سلطنت کا صوبہ بنا دیگا دیوگڑھ جا پہونچا اور باغی راجہ کو قتل کرکے مرہٹواڑی کے اکثر علاقہ جات کو گلبرگہ۔ مدگل رائچور تک بالکل صاف اور بعض علاقہ جات تلنگانہ و کرناٹک کو شامل کرکے راست علائی گورنمنٹ کا ایک صوبہ بنا دیا جس کا صدر مقام دیوگڑھ تھا۔ اور جس کا وہ پہلا ناظم تھا

کافور کی ناموری میدان جنگ میں اس قدر نہیں ہے جس قدر انتظام میں۔ درحقیقت جو انتظام کا خاکہ اس نے جمایا وہی مابعد اسلامی سلطنتوں میں مرعی رہا بلکہ اب تک بھی وہی اصول قایم ہیں۔ اور اسکی وجہ یہی سمجھنی چاہیئے کہ وہ کھنبایت کی خاک میں نشو نما پاکر دہلی اور نیز ممالک دکن کی بدنظمی کو پوری طرح دیکھ اور سمجھ چکا تھا کہ اس ابتری کی اصلاح کیلیے ایک زبردست ہات اور ایک قوی نظم و نسق کی ضرورت ہے اب علائی طاقت کے زیر سایہ حاجی خلیفہ کی امداد سے جسکو اس نے پورا کردیا۔ دوسرے ترکی و افغانی جنرلوں سے ان لوکل حالات کے علم اور اس کے مطابق انتظام کی مشکل امید کیجا سکتی تھی اور یہی مقامی واقفیت ہے جس سے کافور کی کامیابی کا راز کھلتا ہے بے شبہہ۔ یہ اسلام کی ہمہ گیری تھی اور اس نبی عربی علیہ السلام کی مبارک تعلیم مساوات جس نے ایک گجراتی مجہول النسب خواجہ سرا کو اس قابل بنا دیا کہ وہ دکن میں اسلامی سلطنت کے زیر سایہ انتظام قایم کر سکے۔

علاء الدین اور کافور کی موت

اب وہ وقت قریب آرہا تھا کہ قانون قدرت علاء الدین کو جلال الدین کے قتل کا بدلہ دے۔ علاء الدین کی طرح کافور کو چتر سفید یا خیال شہریاری اپنا متوالا بنا رہا تھا اس کی سازشی باتوں سے دھوکہ کھاکر ترکی سلطان سلیمان بایزید ثالث کی ایک درجہ کم جنھوں نے اولاد کو قتل کرا دیا تھا علاء الدین نے اپنے بیٹوں ولیعہد سلطنت

خضر خاں۔ شادی خاں۔ اور اُن کی ماں کو محبوس کر دیا۔ الپ خاں۔ جیسا نامور سپہ سالار اور اس کا بھائی نظام الدین قتل کر دیے گئے۔ اس بیہودگی کی بدولت بدنظمی پیدا ہونی شروع ہو گئی تھی (چنانچہ دکن میں بھی رام دیو کے داماد ہرپال دیو نے اکثر تھانہ جات اٹھا دیئے) کہ ۶۔ شوال ۷۱۶ھ ہجری کو ۱۲۔ سال کی منتظم سلطنت کے بعد یہ نامور فرد عالم بدنصیبی کے ساتھ دنیا سے چل بسا اور کہا جاتا ہے کہ کافور نے اس کو زہر دے دیا۔ کافور نے اگرچہ مہمات دکن میں ناموری حاصل کی تھی لیکن چتر سفید دکن کی طرح نہ تھا۔ بلکہ اس کے لیے ایک نہایت زبردست دل و دماغ کی ضرورت تھی جو اس خواجہ سرا میں مفقود تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ علاء الدین کے (۳۵) روز کے بعد وہ محل سرائے شاہی کی محافظ فوج کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے تمام خیالات قبر میں دفن ہو گئے۔ اور اسی سے ان دونوں ناموروں کی دماغی طاقتوں کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اگر علاء الدین نہ ہوتا تو کافور سے دنیا خبر بھی نہ ہوتی۔ حقیقت میں جو کچھ کافور نے کیا اس کی وجہ یہی تھی کہ اس کے سر پر علاء الدین جیسا بیدار مغز موجود تھا اور اس لیے فتوحات دکن کا اصل کریڈٹ علاء الدین ہی کو حاصل ہے۔ اس سے ہماری اس رائے کی بھی قوی شہادت ملتی ہے کہ دکن کو فتح کرنے میں کسی غیر معمولی چنگیزی روح کی ضرورت نہ ہوی بلکہ خود دکن کی حالت ہی اس بات کی مقتضی تھی کہ اس میں اسلامی منتظم تمدن قایم ہو۔

قطب الدین کا زمانہ قطب الدین جو اب بادشاہ ہوا ایسا غیر معمولی دل و دماغ والا بادشاہ نہ تھا جسکی ضرورت از روی اصول تاریخ شخصی سلطنتوں کے قیام کے لیے ضروری ہے معمولی اسباب تنزل کام کرنے لگے۔ علائی قواعد اور ضوابط پر عمل باقی نہ رہا۔ بہر حال اس نے اپنے جلوس کے ساتھ دیوگڑھ کا رخ کیا۔ کیونکہ ہرپال دیو نے دکنی راجاوں کی تائید سے پھر کچھ اپنی حکومت کا نقشہ جمایا تھا اور شاہی ملازم جابجا سے

نکال دیے تھے۔ اور دیوگڑھ کا (جو صوبہ دکن کا صدر مقام تھا) محاصرہ کر رکھا تھا
شاہی فوج کے آتے ہی باغیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ رپایال دیو گرفتار ہوا اور اس کا
پوست کھینچکر دیوگڑھ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ بے شبہہ یہ ایک وحشیانہ سزا
تھی جسکی ذمہ داری صرف قطب الدین کی ذات پر عاید ہونی چاہیئے۔ بہرحال
اب پھر صوبہ دکن اسلامی صوبہ بن گیا اور جا بجا تھانے یا فوجی چھاونیاں قایم
ہوگئیں۔ امرا کو جاگیریں عطا کی گئیں۔ اس نے دیوگڑھ میں ایک مسجد بنائی اور
اس نامور باپ کی تقلید میں اپنے مقلد نمک حرام ہندی الاصل خسرو خاں کو چتر اور دورباش
کے ساتھ معبر (کارومنڈل) پر بھیجا اور خود دہلی واپس گیا۔ ایک واقعہ اس زمانہ
کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فوج کی آمد سنکر راجہ محفوظ مقاموں پر چلے گیے تھے معبر میں
ایک نہایت مالدار تاجر خواجہ تقی نام رہتا تھا اس خیال سے کہ اسلامی فوج اس کو
مزاحمت نہ کریگی لیکن بدنام خسرو نے اوسکو مار ڈالا۔ بہرحال اس واقعہ سے یہ
ثابت ہوتا ہے کہ سواحل پر اس وقت مسلمان تاجر موجود تھے۔ جیسا کہ ہم نے
اپنے سلسلہ مضمون "مسلمانوں کے سواحل ہند پر توطن" میں بشد و مد ثابت
کیا ہے معبر سے خسرو خاں لنکا کو گیا اور وہاں کے راجہ سے (۱۰۱) ہاتھی اور
دوسرے تحفے لیکر تلنگ میں پہونچا جہاں سے ہاتھی اور [illegible] کا مال اس کو ہات
لگا۔ یہاں سے پھر وہ معبر میں واپس آیا۔ اور کسی کو مزاحم نہ دیکھکر چاہتا تھا
کہ یہیں خود مختار بن جائے لیکن اس کے اسٹاف افسروں نے اسکی بات نہ مانی
مجبوراً اوس کو یہ علاقہ معبر امرا عمدہ کے سپرد کرکے دہلی آنا پڑا جہاں اس نے
اس بوالہوس ضعیف الرائے بادشاہ کی محبت سے فایدہ اٹھاکر نہ صرف اپنے
ارادہ کے مخالف افسروں کو معتوب بنادیا بلکہ اسکی جان بھی گویا اس کی محبت کے
معاوضہ میں لے لی لیکن اسلامی تخت زیادہ عرصہ تک ایک منافق کے ہات میں
نہ رہ سکتا تھا آخر کار ایک اور نیک نفس عالی دماغ ترکی بہادر سپہ سالار تغلق
غازی ملک غیاث الدین نے ۷۲۰ھ ہجری میں اس تخت دہلی پر قدم رکھا جو

اس کی مبارکباد کے لیئے تیار تھا۔

دکن تغلقی دور میں

تخت دہلی پر وہی شخص قدم رکھ سکتا تھا جو اس کی قابلیت رکھتا ہو اور جب کسی خاندان میں قابلیت مفقود ہو جاتی تھی تو دوسرے خاندان کی باری آتی تھی یہ انقلاب خاندان نظم و نسق پر کوئی اثر نہیں ڈالتے تھے اڈمنسٹریشن وہی قایم رہتا تھا۔ اس لحاظ سے دکن بدستور تغلقی عملداری میں رہا۔ باقی پھر

محمد مرتضیٰ

غزل

سبق پڑھنے کو ہم عشق و محبت کے دبستاں میں
گئے۔ پہلے کتابِ عقل رکھ کر طاقِ نسیاں میں

ملے کیا خاک راحت تیرے مجنوں کو بیاباں میں
وہاں تو کوہ بھی پتھر لیے بیٹھے ہیں داماں میں

ہماری چاکِ دامانی پہ کیا ہنستے ہو دیوانو
ذرا ہاتھ ڈالکر تو دیکھ لو اپنے گریباں میں

عزیزو دیکھنا نیرنگیاں عشق و محبت کی
زلیخا بھیجتی ہے حضرت یوسف کو زنداں میں

علاجِ زخم اے چارہ گر مرہم سے کیا ہوگا
نمک کے ساتھ تھوڑا مشک بھی رکھ دے نمکداں میں

زباں سے ذائقہ دیوانگی کا کہہ نہیں سکتا
کوئی کھا کر تو دیکھے کیا مزہ ہے سنگِ طفلاں میں

نہ لگتا عہدِ طفلی ہی میں چسکا عشقبازی کا
نہ پڑھتا بابِ ختم کاش سعدی کی گلستاں میں

پسِ مردن بھی تیری جستجو میں کیا ہے لیلیٰ
بگولے بنکے خاک اڑتی ہے مجنوں کی بیاباں میں

بلانے سے جو آپ آئے عیادت کو تو کیا آئے
عنایت ہے عنایت میں یہ احساں ہے احساں میں

جدائی میں نہ پوچھو دل کی بے چینی و بیتابی
کہ ہر اک سانس نشتر بنکے چبھتی ہے رگِ جاں میں

خدنگِ یار دل میں ڈوب کر کیا منہ سے نکلا
جو دھنسے تھے لہو سے بنکے جوہر سے پیکاں میں

گلے ملتا ہے طوق اور بیڑیاں بھی پاؤں پڑتی ہیں
بڑی توقیر ہوتی ہے ترے وحشی کی زنداں میں

ہو موقع تو نظر کشتی میں کر لی سیر دریا کی
تصور سے چلے آؤ کسی دن چشمِ گریاں میں

کہے احباب کی خاطر سے چند اشعار فانیؔ نے
غزل لکھی ہوئی تھی ورنہ پہلے ہی سے دیواں میں

نمایش الٰہ آباد

اس عظیم الشان نمائش کے معائنہ کے لئے بیرون اصحاب کو فائدہ پہونچانے کی غرض سے جو اس قسم کے معلومات سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں راقم مضمون قصبہ بھینی سے ۴ محرم ۱۳۲۹ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۱۱ء کو شب کی ٹرین میں نمائش روانہ ہوا بد قسمتی سے وہ زمانہ ابتدائی طاعون کا تھا اوس وقت بھینی کے اسٹیشن پر بجز فرسٹ و سکنڈ کے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ بحکم صاحب عالیشان ریذیڈنٹ بہادر بند تھا۔

علاوہ اس خرابی کے نظام گارنٹیڈ اسٹیٹ ریلوے پر نمائش میں جانیوالوں کو کوئی کنسیشن (رعایت) بھی نہیں دیا جاتا تھا جی۔ آئی۔ پی ریلوے پر جو رعایت تھی وہ بھی بیکار تھی یعنی اگرچہ بجائے (عے) کے ریٹرن ٹکٹ (عہ) میں دیا جاتا تھا مگر مدت واپسی صرف چھ یوم رکھی گئی تھی نمائش دیکھنے والے کیلئے دو ایک دن سے زیادہ ٹھہرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا الغرض تھرڈ کلاس کیلئے کوئی رعایت ہی نہیں تھی اور یہی وجہ ہے کہ پبلک تھرڈ کلاس والے بھینی سے سفر نہ کرسکتے تھے۔

منماڑ سے فاسٹ پاسنجر ٹرین تیس گھنٹوں میں براہ اٹارسی و جبل پور الہ آباد پہنچا دیتی ہے نمائش کی عمارات ۱۲۰۔ ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ عمارات مسلسل تیار نہیں کئے گئے ہیں بلکہ تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے سلسلہ تعمیر قائم کیا گیا ہے جنوبی جانب جہاں نمائش کی حد ختم ہوتی ہے دریائے گنگا و جمنا سے متصل ہے یہاں کا نظارہ نہایت ہی پر لطف ہے۔ داخلہ نمائش کیلئے آٹھ آنے کا ٹکٹ ہے مگر چہارشنبہ کے روز ۴ر کردیا جاتا ہے۔ شہری باشندے اوس روز کثرت سے آیا کرتے ہیں۔

نمائش گاہ تک جو قلعہ کے متصل ہے اسٹیشن الہ آباد سے نمائش دیکھنے کیلئے اکثر اشخاص ریل پر آیا کرتے ہیں شہر سے جو سڑک نمائش گاہ کو جاتی ہے وہ بہت خراب

خستہ حالت میں تھی خصوصاً غیر معمولی بارش کی وجہ سے بہت زیادہ خراب ہو چکی تھی

نمایش گاہ میں داخل ہونیکے شمالی راستہ پر ایک ایسا چکر لگادیا گیا ہے جو داخل ہونے والوں کی تعداد بتلا دیتا ہے۔

نمایش گاہ میں ہر قسم کا سامان بکثرت آیا ہے اور مختلف طبقوں پر منقسم کیا گیا ہے ہر شخص جو نمایش میں داخل ہوتا ہے اوسی طبقہ میں زیادہ وقت صرف کرتا ہے جس کا وہ شایق ہے پیہم آٹھ آٹھ گھنٹے یعنے کامل ۱۶ گھنٹے صرف کرنے کے بعد سرسری طور پر نمایش کا سامان دیکھا گیا مختلف عمارتوں میں ہر قسم کا تجارتی و حرفتی و تفریحی سامان جو اعلیٰ نمایش کیلئے ضروری ہے موجود ہے قبل اسکے کہ سامان کی فہرست بیان کیجائے۔

افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی بنی ہوی یا بھیجی ہوی کوئی چیز بجز دو قلمی تصاویر کے اس نمایش میں نہیں ہے ان تصویروں میں سے ایک اعلیحضرت مدظلہ العالی کی دوسری سر آسمانجاہ مرحوم کی ہے جو نواب عماد الملک بہادر کی ہمشیرہ کے ہات کی کھینچی ہوی طبقہ خواتین کے سامان میں رکھی ہوی تھی نمایش دیکھنے والوں کو صاف طور پر نظر بھی نہ آتی تھی۔

ممالک محروسہ سرکار عالی سے کسی قسم کے سامان کا نمایش میں موجود نہ ہونا بہی خواہان ریاست نیز اون لوگوں کیلئے جنکی امیدیں اس ریاست کے فلاح و بہبود سے وابستہ ہیں اگرچہ نا یوسی بخش ہے۔

مگر ریاست کے خرچ سے یا دکن کے سربرآوردہ اصحاب کے صرفہ سے اس قسم کا سامان نمایش میں مہیا کر بھی دیا جاتا تو دکن کی تجارت و صنعت کو کوئی معتدبہ فایدہ نہ پہونچ سکتا اس لئے کہ جو سامان دکن میں تیار ہوتا ہے اُسکی نسبت کاریگروں سے تعداد کثیر میں تیار کرانے اور باضابطہ اشتہاری دنیا میں لاکر فروخت کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ تاوقتیکہ تجار و سرمایہ دار اوسکی باضابطہ فروخت کا انتظام نکریں اور اشتہارات وغیرہ کے ذریعہ سے خریداروں کیلئے کوئی سہولت نہ بہم پہونچائیں صرف نمایش میں شریک کر دینا زیربار اخراجات ہونا ہے۔ مناسب ہوا کہ ریاست

اس بار سے سبکدوش رہی۔

نمائشی سامان میں دیسی ریاستوں گوالیار، کشمیر، بڑودہ، جے پور، رامپور، مالیر کوٹلہ، بیکانیر، بھرت پور، قرولی، دھولپور، شاہپورہ، دتیا، اندور وغیرہ کے کارخانوں کا بنا ہوا سامان مختلف اقسام کا موجود تھا۔

ایک عمارت میں جو اودھ ہال سے موسوم تھی نوابان اودھ کا سازو سامان اور دیسی سامان عجائبات لا کر سجایا گیا تھا ان میں مختلف قسم کے قدیم آلات حرب و پارچے خطاطی و تصاویر کے عمدہ نمونے قلمی و مطلا قرآن شریف و کتب بھی موجود ہیں۔ کچھ تو آئینوں کے اندر ہیں اور کچھ اسیطرح بے احتیاطی سے رکھے ہوئے ہیں اس ہال کی سیر میں قدیم و نایاب اشیاء کا ایک بہت بڑا ذخیرہ نظر آتا ہے۔

یہ دیکھکر نہایت استعجاب ہوا کہ ریاست بھوپال جو وسط ہند میں واقع ہے وہاں سے کوئی صنعت و حرفت کا سامان نہیں آیا ہے صرف ایک شیر والیہ بھوپال کے شکار کی یادگار ہے۔ نمائش کے کمرے میں سجایا ہوا نمائش میں رکھا ہوا تھا پتہ چلتا ہے کہ وہاں صنعت و حرفت کا وجود قریب معدوم کے ہے اس کا ثبوت اسٹیٹ بھوپال کی میوزیم دیکھنے کے بعد ظاہر ہے یہاں سوائے مختلف ممالک کے سامان کے ریاست موصوف کا کسی قسم کا قابل تذکرہ سامان نہیں دیکھا گیا۔

راقم مضمون کے خیال میں کل ریاستہائے ہند کا سامان جو نمائش میں لایا گیا تھا خواہ وہ ساختہ ریاست ہو خواہ پیداوار یا قدیم اشیاء ریاست سے ہو ممالک محروسہ سرکار عالی کو ہر طرح اوس پر سبقت حاصل ہے۔ اوس سے عمدہ سامان یہاں کے کاریگر بناتے ہیں اور اوس سے عمدہ قدیم ذخیرہ یہاں موجود ہے۔ علاوہ اوس سامان کے جو خاص دکن کے سوا اور کہیں تیار نہیں ہوتا دوسری قسم کا سامان بھی خواہ وہ چاندی یا لکڑی کا ہو یا پارچہ ہو ہندوستان کے دیگر شہروں کے سامان سے بدرجہا بہتر دکن میں تیار ہوتا اور ہو سکتا ہے۔

اس نمائش میں بہت سے بڑے بڑے کارخانہ داروں نے اپنے اپنے

کارخانوں کا سامان ہزار ہا روپیہ کے ذاتی صرفہ سے یکزبٹ کیا ہے تاکہ لوگ اون کے کارخانوں اور سامان سے واقف ہوں بہ ان کمپنی کا گماشتہ کہتا تھا ایک لاکھ روپیہ سامان کی نمایش میں کمپنی نے خرچ کیا ہے اس پر اور کمپنیوں کو قیاس کر سکتے ہیں ۔

جو سامان نمایش میں آیا ہے راقم مضمون کی دانست میں وہ تین قسم پر منقسم ہے ۔

ایک ہندوستان کے بنے ہوے قدیمی اشیا یا قدیم طرز کا سامان جو یہاں کے کاریگر طرز قدیم پر بناتے ہیں ۔ اوس کا فائدہ قانون قدرت نے اونھیں اقوام کے حق میں لکھدیا ہے جو عقلمندی سے اون میں کچھ تغیر کر دیتا اور بجائے دستی کاریگری کے دخانی کلوں سے کام لیتے اور سہل الوصول بنادیتا اور گرانی کے درجے سے نکالکر ارزانی کے اسٹیج پر پہونچا دیتے ہیں ۔

دوسرے وہ اشیا جو صناعان یورپ نے روزانہ نئے نئے اختراع و ایجادات کے ذریعہ مہیا کئے ہیں اور جن سے ہمارے طریقہ زراعت وصنعت و حرفت میں سہولت و آسانی پیدا کردی ہے جسکی ہم کو سخت ضرورت ہے اس لئے راقم مضمون نے اس تحریر میں انھیں سے زیادہ بحث کی ہے ۔

تیسرا وہ اسباب و سامان ہے جو مزارعین و اہل حرفہ کے کاروباری نقصانات کے دفعیہ کے تدابیر اور اونکی پیداوار میں سہولت پیدا کرنے کیلئے فراہم کیا گیا ۔

نباتات کی پیداوار اور اون کو موسمی نقصانات سے محفوظ رکھنے کے طریقے اور اون میں توفیر کے وسایل ۔ پیداوار کی مقدار ۔ نیز پارچہ بافی و ریشم و لسٹر وغیرہ کے متعلق بھی مفید معلومات فراہم کئے گئے ہیں ۔ اس قسم سوم کا زیادہ تر فائدہ بھی اہل ہند کو ہی پہونچ سکتا ہے ۔

چونکہ دکن ایک بہت بڑا زراعتی ملک ہے بہت سے زمینات بنجر اور گاؤں بے چراغ ہیں زراعت پیشہ اشخاص جاگیرداروں، مقطعہ داروں کے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے معلومات بہم پہونچا سکیں اور چونکہ سرکار و رعایا کا فائدہ زراعت و تجارت کی ترقی پر منحصر ہے ۔ اس لئے راقم مضمون نے اپنا بہت سا

وقت طبقہ زراعت کے دیکھنے میں صرف کیا اسکی تفصیل بیان کیجائیگی تو ایک ضخیم جلد ہو جائیگی۔ جس کے مطالعہ کا بمشکل کوئی شخص قصد کریگا۔ لہذا میں نے صرف زراعتی و حرفتی سامان کی مختصر فہرست اس مضمون کے ساتھ دیدی ہے۔ امید ہے کہ اس سے ملک کو فائدہ ہوگا سامان متذکرہ فہرست یورپ و امریکہ کے مختلف کارخانوں نیز ہندوستان کے مشہور کارخانوں کا بنا ہوا ہے اگر کسی کی خواہش ہو تو وہ مندرجہ حاشیہ کمپنیوں سے نیز بمبئی۔ کلکتہ۔ مدراس کے اس قسم کے کارخانوں سے خط و کتابت کر کے کافی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

برن اینڈ کمپنی	کلکتہ
ڈبلیو لسلی اینڈ کو	"
ٹی۔ ای۔ ٹامس اینڈ کو	"
ایجنٹ جی۔ اے۔ سٹیش ٹنڈال	بمبئی
رچارڈسن کروداس	"
فارم زراعت، کانپور	

فہرست ان اشیا اور کلوں کی جو مزارعین و اہل حرفہ کو معتد بہ فائدہ پہونچا سکتی ہیں

نام	کیفیت
(۱) ناگر آہنی مختلف اقسام کے۔	ان ناگروں سے زمین کی بہت گہرائی ہوتی ہے
(۲) پانی کے پمپ۔	ہاتھ سے کلوں سے ایک بیل یا دو بیل سے چلنے والے پمپ جو مختلف گہرائی سے پانی نکالتے ہیں یہ پمپ کانپور فارم میں بہت اقسام کے مل سکتے ہیں۔
(۳) گیہوں جوار وغیرہ دلنے اور پیسنے کی مشن	انجن اور ہاتھ کی چھوٹی بڑی ہر قسم کی ہیں
(۴) دھان کوٹنے کی مشن۔	انجن اور ہاتھ کی چھوٹی بڑی ہر قسم کی ہیں
(۵) مکائی کے دانے جدا کرنیکی مشن۔	اس قسم کی کلوں سے ایک آدمی جدا کر سکتا ہے اوسکی قیمت آٹھ روپئے تھی اور دو آدمی

ملائی نکالنے کی مشین کی قیمت (صہ۵) ہے

(۶) گیہوں صاف کرنیکی مشین — اس قسم کی مشین جو ہاتھ سے چلائی جاتی ہے وہ کانپور فارم میں موجود ہے۔ اور جو انجن کے ذریعہ چلائی جاتی ہے وہ بہت بڑی اور چھوٹی ہر قسم کی۔ یورپ کی بنی ہوئی ہے۔

(۷) تیل نکالنے کی مشین۔ — بیلوں اور انجن دونوں سے چل سکتی ہے

(۸) جانوروں کیلئے کڑبی کترنے کی کل — اسکی قیمت صہ۵ ہے ایک آدمی آسانی سے کام کرسکتا ہے۔

(۹) کنچا اور گھاس کاٹنے کی مشین — یہ مشین دو بیلوں سے چل سکتی ہے۔

(۱۰) گیہوں جوار دھان وغیرہ کاٹنے کی مشین — یہ بھی دو بیلوں سے چل سکتی ہے۔

(۱۱) گھاس کے گٹھے دبانے کی مشین — اس مشین پر بھی آدمی کام کرتے ہیں اور آسانی سے آدمی صرف دباکر گٹھہ باندھتا ہے اگر اس مشین کے ذریعہ دبایا جائیگا تو صرف تہائی حجم رہجائیگا

(۱۲) ایضاً بذریعہ انجن کے۔

(۱۳) کرگھے جاپانی و دیگر اقسام کے — اس قسم کے کرگھے بارہ بنکی کے پارچہ بافی کے ہیوٹ اسکول میں موجود ہیں نمایش میں اسکول کے مرد اور عورتیں جنکے لئے گوشہ کا بھی انتظام تھا ان ہی کرگھوں پر مختلف قسم کا پارچہ بنتے ہوئے موجود تھے۔

(۱۴) پاتابے۔ بنیان۔ گلوبند۔ وغیرہ بنانے کی مشین — یورپ کے مختلف کارخانوں کی موجود تھی۔

(۱۵) دودھ سے مکھن بنانے کی مشین — نمایش میں ایک بہت بڑا کارخانہ اس قسم کا موجود تھا جہاں انجنوں کے ذریعہ

کام ہوتا تھا اور رات سے چلانے کی بھی
مشینیں تھیں نمایش میں جو گائیں مختلف
حصص ہند سے لائی تھیں اس کارخانہ کے
قریب بطرز یوروپ ان کے رہایش کیلئے
مکان بنایا گیا تھا اور وہ نہایت صاف
ستھرے رکھے گئے تھے اور انھیں کے دودھ
سے یہ کارخانہ چل رہا تھا۔

نمایش میں جو چیزیں صنعت وحرفت ہند کو ترقی دینے والی دیکھی گئیں اُن سے امید بندھتی ہے کہ اگر مختلف حصص ہند میں کوشش کیجائیگی تو ساخت اشیاء دیسی میں بہت سی سہولتیں پیدا ہوجائینگی جو شخص دیسی اشیاء کے خریدنے کی خواہش رکھتا ہے تو اوسکو عدم دستیابی کا یا گراں ہونے یا یوروپی مال کے مقابلہ میں بھدا ہونے کا جو عذر رہتا ہے وہ دفع ہوجائیگا۔ اور وہ باسانی وارزانی خرید سکیگا ان اشیاء میں قابل تذکرہ حسب ذیل ہیں۔ اس لئے کہ یہ چیزیں مشینوں کلوں کے ذریعہ سے بنائی جاتی ہیں پرانے طریقے استعمال نہیں کئے جاتے۔

(۱) کانپور کے سوتی واونی پارچے
(۲) دھاری وال کے اونی پارچے
(۳) مدراس بمبئی کلکتہ کے سوتی وریشمی پارچے
(۴) علیگڈھ کا لوہے پیتل کا سامان۔
(۵) مظفر پور (بنگال) کمایون کے میوے جو شیشوں و ٹن کے ڈبوں میں بند رکھے ہوتے ہیں
(۶) دہلی کے بسکٹ
(۷) صابون۔ بنگال و پنجاب کا بنا ہوا۔
(۸) گورنمنٹ بلائکٹ وی ونگ اسکول مظفر نگر۔
(۹) احمد آباد گجرات کا دودھ اور مکھن۔ ٹن کے ڈبوں میں پاک کیا ہوا۔
(۱۰) ہیوٹ اسکول بارہ بنکی کی پارچہ بافی فقط

محمد عبد اللہ۔ پربھنی

جلوۂ مہر

(❁)

اے مہر تیرا جلوہ روشن گر جہاں ہے
دنیا میں نام تیرا روشن کہاں کہاں ہے

تیرا وجود اہل گیتی کو مغتنم ہے
صورت پہ تیری واللہ والشمس کی قسم ہے

تیری نمود گویا ہے شمع طور کی لو
تیری جھلک سے پیدا ہے برق نور کی ضو

ظلمتکدہ یہ روشن تیرے ہی دم قدم سے
صبح طرب ہویدا آغوش شام غم سے

تیرا ہی دم پرندے شاخوں پہ بھر رہے ہیں
تیرا ہی ذکر باغ ہستی میں کر رہے ہیں

تیری نگاہ مہر و الفت بھی کیمیا ہے
خاکی لباس صحرا پر نور ہو گیا ہے

استادہ کردہ ہر سو چادر سنہری اوڑھی
چمکے ہیں بنکے انجم تقدیر ساری ذری

کرنیں تری قیامت دریا میں ڈھا رہی ہیں
ہر دم حباب دل پر تیر سے لگا رہی ہیں

پتھر میں بھرتی ہے دم دن رات آگ تیرا
دریا میں روز موجیں گاتی ہیں راگ تیرا

تھا کل بچشم ہستی تو بہ گیا اندھیرا
کیا ڈر ہے کالے کوسوں اب رہ گیا اندھیرا

ہر سو ترے کرم سے شاداب کھیتیاں ہیں
ان گرمجوشیوں میں نیرنگیاں نہاں ہیں

جلوہ ترا نمایاں ہر ایک رنگ میں ہے
پھولوں میں گر عیاں ہے تو لعل سنگ میں ہے

شبنم کو یہ لگا سے کیا تو نے مہر رخشاں
تیری کشش کے صدقے تیری نظر کے قرباں

واللہ داغ دل کی تصویر ہو بہو ہے
تسخیر مہ رخاں کا نایاب نقش تو ہے

کیونکر نہ سب کو ہوگا یاں غدر بے کمالی
واللہ تو ہے راز سربستہ جلالی

ہے فخر تیری شمع الفت سے لو لگائے
اللہ کرے جہاں میں وہ تیری شان پائے

فرش زمیں پہ سب کو اندیشہ فلک ہو
شکل پری رخاں پہ سو بیچ کبھی کا شک ہو

جائے وہ جس طرف ہو نہ عالم کے اس طرف ہوں
ذروں کی طرح اوس سے سب طالب شرف ہوں

سید فخر الدین فخر - سب پوسٹماسٹر ٹپہ خانہ چیتا پور

شمع تربت اور اوس کا وعظ

(جو بارہ بجے شب کو گورِ غریباں میں خاص اندیشناک نے لانا)

عبرت کے واسطے کیا گیا

مجھے دیکھو میں بزمِ عالم کی جیتی جاگتی "نوری دیوی" ہوں میری ہستی گو دنیا و اہلِ دنیا کیلئے یکساں مفید ہے۔ لیکن اس سے تم یہ نہ سمجھ لینا کہ میں تمہیں محفلِ انسانی میں وقف کر دی گئی ہوں۔ میں اکثر اوقات ان خاموش ساکت مادی ہل چل سے آسودہ مخلوقات کی ابدی خلوتوں میں بھی ہوتا ہے جو شہرِ خموشاں کے ازلی دربار میں انتہائی مسرت و انبساط کے لبادے گہرے پہنے ہوئے "بقائے دوام" کی زرنگار کلغیاں اور طرے لگائے ہوئے نہایت عظمت و جبروت سے ایک خیال ایک دھن ایک لو میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اُن کی مقدس صورتیں یزدانی ہیکلیں وہاں کی روحانی کیفیتیں مجھ جیسی مضطرب کی زبان سے کسی طرح ادا نہیں ہو سکتیں۔

اے انسان! میں کیا کہوں اور کیونکر کہوں تجھے حیرت ہوگی اور حیرت ہونکی تو بات ہی ہے۔ جب تیرا گذر "تاریک راتوں میں" سیاہ ڈراونی راتوں میں ان سنسان مقاموں میں ہوتا ہے جہاں کہ باشندے فنا کی بے نشان "دیار بے نوا" پر عدم کی عالمگیر چادروں کو اوڑھے ہوئے خواب راحت کے مزے لے رہے ہیں تو سچ بتا تیرے دل و دماغ میں کیسی غیر محسوس سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں تیری امیدیں اور تمنائیں جنہیں قوت برقیہ کے طوفان پر طوفان آتے ہیں کس طرح بے حس و حرکت ہو جاتی ہیں اور تو ایک ایسے عالم میں پہنچ جاتا ہے جس کا احساس تو خود بھی نہیں کر سکتا۔ کیا تو بتا سکتا ہے؟ کیا تو اس راز کو منکشف کر سکتا ہے؟ نہیں نہیں تیری حقیقت میں خوب جانتی ہوں تیرے معلومات سے میں اچھی طرح واقف ہوں تو اونھیں امور اور اونھیں اسرار پر اپنی دماغی و حسی قوتیں دوڑاتا ہے جنکے مشاہدے یا جنکے امثال

تیرے پیش نظر ہیں تو ان غیبی رموز میں کبھی دخل نہیں دیتا جنکی سُن گُن تجھ کو لگی ہو۔ سُن اور غور سے سُن یہ سیکڑوں ہزاروں شکستہ مکانات جنکی سیر میں اسوقت تجھکو کرا رہی ہوں یہ اُن خامکاروں۔ مغروروں۔ جہانسوزوں کی تنگ و تاریک آرام گاہیں ہیں جنکی نازک دماغیوں اور سہل انگاریوں نے کبھی اس جانب خیال کرنے کا موقع بھی نہیں دیا اونکی "عیش و عشرت" کی شہر آشوبیاں اپنی غفلت آمیز رنگیلی دلفریبی سے ایک عالم کو نچلا بیٹھنے نہ دیتی تھیں گویا اون کو ناعاقبت اندیشی سے یہ خیال ہی نہ تھا کہ ایک روز ہوائے فنا کا دور دورہ اونکی تمام متموج ترقیوں کا خاتمہ کئے بغیر نہ رہیگا۔ وہ نازک اندام "شیریں ادا" "ملایک فریب" "عشوہ ساز" "برق انداز" حسینان جہاں جنکے آفتاب حسن کی شعاعیں پتھر کا جگر پانی کرنے کیلئے تیار تھیں۔ جنکے ایک ایک اشارے پر ہزاروں شہید لاکھوں قتیل اپنی گراں بہا جانیں صرف ایک تبسم نگاہی پر بھینٹ چڑھانیکے واسطے حاضر تھے یہ اونکا "ادنیٰ" اور "عاجزانہ" "نذرانہ" تھا جسکی شرف قبولیت میں گردن شکنی اور بے توجہی سے کام لیا جاتا تھا بلکہ بعض وقت اس پر اور ستم کے حاشیے چڑھائے جاتے تھے کہ "جاؤ ہم نہیں لیتے" "یہ نذر ہماری شان کے لایق نہیں" "تم نے ہماری عزت میں بٹہ لگایا" "ایسا حقیر تحفہ ہمارے سامنے کیوں پیش کیا"

آہ آج وہ کس ابدی خاموشی کے آغوش میں بحس و حرکت مجبورانہ ساغر فنا نوش کئے ہوئے ایسے سوئے ہیں کہ قیامت تک نہ چوکیں گے اب اونکی غربت اونکی تنہائی کا ہمدم ہمراز کوئی نہیں وہ جھوٹے چاہنے والے وہ بناوٹی عشاق وہ جان نثار سپاہی وہ وفادار خدام کہاں گئے کیا ہوئے جنھوں نے اپنے ادعاے وفاداری سے ایک عالم میں تلاطم مچا رکھا تھا۔ تھلکہ ڈالدیا تھا۔

اب بجز میرے اس حیرت نصیبی کا ساتھی کون ہوسکتا ہے اور میرا بھی یہ حال ہے کہ اس وحشت کدے میں تنہائیوں کی روح فرسا بلائیں برداشت کرتی ہوئی ہواؤں کی ظالمانہ دست درازیوں کو سہتی ہوں لیکن اون گذشتہ واقعات

کی یاد جبکہ میں ان آسودگان مرقد کی محفلوں میں شمع محفل کے پیارے اور محبت خیز نام سے بلائی جاتی تھی کبھی اپنے خیال سے اترنے نہیں دیتی ان کی ہستی فانی کے داداث کا اثر میری نازک طبیعت پر ایسا نہیں جو آہوں کا دھواں بنکر میرے دماغ سے نہ نکلے میں اونکی جدائی کی آگ میں جلتی ہی نہیں گھلتی ہی نہیں بلکہ اپنی ذات کے فنا کرنے میں کوئی صورت فروگذاشت نہیں کرنا چاہتی اور نہ مشرب وفاداری میں ایسے فعل کو پسند کرتی ہوں جس سے دامن وفا پر داغ لگے۔

میں نے دنیاوی نیرنگیوں کے سلسلہ میں ایسے بہت سے واقعات دیکھے ہیں جن سے میرا دل نہایت سرد ہوگیا ہے اور میں نے سمجھ لیا ہے کہ یہاں کی تبدیلیاں نظر آتا کچھ ایسی ہی واقع ہوئی ہیں جنکی شکایت زبان پر لانی بے سود ہے میری آنکھوں کے سامنے روزانہ بیوفائیونکے سیکڑوں نقشے گذرتے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ دنیا سے سفر کرنے والے سفر کرجاتے ہیں لیکن اون کے دوست واحباب عزیز واقارب مرقد تک آتے ہیں اور آگے قدم نہیں بڑھاتے۔ میں ڈینگ نہیں مارتی سچ کہتی ہوں اور سچ کہنا ہی مجھے زیبا ہے کیا وہ شیفتہ وارفتہ مجھ پر جان سے فدا ہوجانیوالا "پروانہ" قابل قدر نہیں جس نے قانون فطرت کے خلاف وفاداری ترک نہیں کی جس نے اپنی ہمت مردانہ سے راحت وغم دونوں محفلوں میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا

ای اشرف المخلوق تجھے میں نصیحت نہیں کرتی اور نہ نصیحت کرنا میرا منصب ہے مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ "محبت" "الفت" "چاہت" پروانے سے سیکھ اور اپنے چاہنے والے "ہمدردی رکھنے والے" پر ایسا ہی فدا ہوجا جیسا میرا غریب دوست مجھ پر فدا ہوجاتا ہے فقط سید ظفر حسن

(از ہائی اسکول وزمل)

رام کہانی

رباعیات

(۱)

ناکام جہاں گشتہ تقدیر ہوں میں — اک تختۂ مشق فلک پیر ہوں میں
خاموش ہوں سکتہ بھی ہے مایوسی بھی — گویا ہمہ تن رنج کی تصویر ہوں میں

(۲)

معذور ہوں شرمندۂ تدبیر ہوں میں — گویا کسی مایوس کی تقدیر ہوں میں
ہونے سے تو بہتر تھا نہ ہونا میرا — بیکار چلایا ہوا اک تیر ہوں میں

(۳)

یاروں کا گلا کیجیے تنہا کیسا — صرف ایک عزیزوں ہی کا شکوا کیسا
تنکے تنکے نے دل پہ چوٹیں کی ہیں — قسمت نے ستایا ہمیں کیسا کیسا

(۴)

ہمدرد جو رنج دینے والا بن جائے — پھر کیوں نہ ہنسی بھی لب پہ نالا بن جائے
جلدی جلدی ابھر رہی ہیں چوٹیں — کیا دور ہے دل جو آپ چھالا بن جائے

(۵)

کیا کہیے کہ کس طرح احبا چھوٹے — سچے بنے کیسے کیسے آخر جھوٹے
چپ لگ گئی ہے جو دل کی چوٹیں ابھریں — کچھ مونہ سے کہے اگر یہ چھالا پھوٹے

(۶)

یہ کر رہے ہیں عزیز سارے جلدی — سر کوئی تسلّی کا اوتارے جلدی
پوری کرے اللہ تمنا سب کی — ماری کہیں موت اسکو ماری جلدی

(۷)

اقرب جنھیں سمجھا ہوا ہے عقرب ہیں — دشمن ترے اس طرح پرائے کب ہیں
غفلت میں ہو اب تک بھی تسلی ہشیار — یہ اپنے نہیں ہیں اپنے اپنے سب ہیں

(۸)

دل میں نہیں کچھ بھی درد میرا نہ سہی — پروا نہیں اونکو میری پروا نہ سہی
پیارے ہیں مجھے جان سے بھی پیارے ہیں — میں تو عزیز ہیں میں اون کا نہ سہی

(۹)

کس مونہ سے بھلا شکوہ بیداد کروں — کس طرح تقاضائے صبر یاد کروں
دل میں ہی سکت اب نہ زباں قابو میں — طاقت نہیں اگر ہو تو نہ فریاد کروں

(۱۰)

ہاں ضبط بخیال شکوہ دل میں بھی نہ آئے — جی جلے سے بھی آلودہ زباں ہونے پائے
ہوجائے دم بازپسیں "اُف" لب پر — "نالا" جو گلے تک آئے سینہ ہی میں دبائے

محمد قطب الدین تسلی

غزل

حسینوں پر لگے جس وقت مرنے — چلے قسمت کا بھرنا ہم بھی بھرنے
نہ آئے وہ تو پھر یہ کیوں نہ آئی — کہاں آخر گئی تھی موت مرنے
دعائے غیر پر مجھ سے ملے وہ — تماشا کر دیا الٹے اثر نے
انا الحق کہہ دیا مخلوق ہو کر — غضب ہے۔ انتہا کر دی بشر نے
انھیں تڑپا دیا۔ پھڑکا دیا ہے — میری چپ نے۔ بیانِ مختصر نے
بتاؤں کیا کہ مجھ پر کیا بنی ہے — کہوں کیا جی رہا ہوں کس پہ مرنے
مزے دیدارِ جاناں کے اڑائے — مگر آنکھوں ہی آنکھوں میں نظر نے
عروج پست حالی کا برا ہو — نگونساری نہ سیکھی میرے سر نے
زبانِ حال سے کہتے ہیں آنسو — نگاہوں میں چڑھے تھے ہم اترنے
پیامی! اچھا تو دیوانہ ہوا ہے — یہ خط لکھا ہے۔ اور اوس پر قلم کرنے
سخن کو کر دیا بازیچہ زباں داں — ری جادو زبانی کے اثر نے

عورت بُری یا مرد

قاہرہ میں میرا ایک دوست تھا میں اوسکے صلاح و پرہیزگاری سے بڑھکر اوسکی لیاقت اور حسن اخلاق کا گرویدہ تھا اور اوسکی دوستانہ ادائیں مجھکو اسقدر بھاگئی تھیں کہ اوسکی موجودگی میری تسکین کا باعث ہوتی تھی۔ اسکے بعد مجھکو کبھی ایسی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ میں اوس کے چال چلن کی نسبت کچھ دریافت کرتا اور اوسکی عبادت کا ڈھنگ پوچھتا کیونکہ مجھکو اوس سے علوم شریعت پڑھنا یا اخلاقی سبق سیکھنا منظور نہ تھا میں یقیناً سمجھ چکا تھا کہ محبت کیلئے جو کچھ میں نے اندازہ لگایا ہے وہ کافی سے زیادہ ہے۔

ہماری دوستی و محبت میں ایک زمانہ گذر گیا نہ میں کبھی اوسکو کسی بات میں سنجیدہ کرتا نہ وہ کبھی کسی ناشائستہ حرکت سے مجھے صدمہ پہونچاتا یہانتک کہ میں قاہرہ سے ایک دور دراز سفر پر روانہ ہوگیا تاہم مراسلت برابر جاری رہی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد مراسلت بھی مسدود ہوگئی۔ جس سے میرے دل میں اوس دوست کی نسبت اس قسم کے خیالات اور شکوک پیدا ہونے لگے جو ایسی حالت میں پیدا ہو سکتے ہیں تھوڑی مدت میں میں پھر قاہرہ واپس آیا اور اوس عزیز دوست کی جستجو کی اوس کے گھر گیا محلہ والوں سے پوچھا۔ مجالس و محافل میں دریافت کیا۔ مگر اوس کا پتہ نہ ملنا تھا نہ ملا اور مجھکو معلوم ہوگیا کہ میں اس عزیز کو کھو چکا ہوں پس اوس روز سے میں نے سعی لاحاصل چھوڑ دی ایک دن قمری مہینہ کی آخر شب میں جنگل میں گھر کو واپس ہو رہا تھا تاریکی سے راستہ بھول گیا اور ایک اندھیری وحشتناک گلی میں نکل گیا جو آنے جانیوالوں سے بالکل سنسان تھی میں پریشانی و حیرت میں راستہ ڈھونڈ رہا تھا کہ قریب کے کسی مکان سے ایک دردناک چیخ سنائی دی اور میں سوچنے لگا

کہ یہ آواز کدھر سے آئی۔ پھر مکرر وہی آواز آئی اسکے بعد آوازوں کا تانتا بندھ گیا جس نے میرے دل پر نہایت گہرا اثر کیا میں تعجب سے کہنے لگا نہیں معلوم اس اندھیری رات کے سینہ میں کتنے مایوسوں کے اسرار اور غمزدوں کے راز پوشیدہ ہیں اگر میں اس غمزدہ کو پاؤں تو اوسکی ہمدردی سے کبھی دریغ نہ کروں اور اوسکے لئے امکانی کوشش عمل میں لاؤں ورنہ کم از کم دو آنسو تو ضرور بہاؤں یہ کہکے میں آواز کے پیچھے پیچھے اوس گھر پر جا پہنچا جہاں سے دردناک آوازوں کا منبع تھا دروازہ کو کھٹکھٹایا تھوڑی دیر کے بعد ایک کمسن لڑکی جسکی عمر دس سال سے زیادہ نہ ہوگی موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہاتھ میں ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ لئے دروازہ پر آئی اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا بدر کامل ابر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں گھرا ہوا ہے اُسکے حسن وجمال کو دیکھکر میں حیران ہوگیا اور پوچھا "نازنین لڑکی تیرے گھر میں کوئی بیمار تو نہیں" میرے اس سوال پر اوس نے ایک دردناک چیخ ماری جس سے مجھے خوف ہوا کہ کہیں اوس کے ننھے دل کے پرزے نہ اڑ جائیں وہ بولی "اے نیک مرد کیا تم میرے باپ کی مدد کرسکتے ہو جو عالم سکرات میں بستر پر پڑا ہوا دم توڑ رہا ہے" یہ کہکے وہ آگے آگے چلنے لگی اور میں اوسکے پیچھے پیچھے ہولیا۔ آخر ہم ایک تنگ وتاریک کمرہ میں پہنچے یہ کمرہ مجھے قبر معلوم ہوا اور بیمار بمنزلہ میت میں آہستہ آہستہ قدم بڑھاکر بیمار کے قریب بیٹھ گیا اُسکی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی اور اوسکا جسم ہڈیوں کا پنجرہ رہگیا تھا میں نے مریض سے دریافت کیا "اب وہ کیا چاہتا ہے" اس آواز پر اوس نے آنکھیں کھولدیں اور میرے چہرے پر نظر جمادی تھوڑی دیر کے بعد آہستہ آہستہ ہونٹوں کو حرکت دیکر نہایت پست آواز میں کہنے لگا "خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنے دوست کو پالیا" یہ سنکر میرا دل رنج وغم سے تڑپنے لگا اور صبر جاتا رہا اس وقت غم کا جو پہاڑ مجھ پر ٹوٹا اوسکے وزن

کا اندازہ نہیں ہو سکتا میری اس ملاقات نے اوسکے ٹمٹماتے ہوئے چراغ حیات کو
اکسا دیا اوسمیں کچھ توانائی آئی اور اشارہ کیا کہ اوس کو اوٹھا کر بٹھایا جائے
میں نے اپنا ہات بڑھا دیا اُسکے سہارے سے وہ اُٹھ بیٹھا اور اپنا قصہ نہایت
ناتواں آواز میں رُک رُک کر یوں بیان کرنے لگا۔

"دس سال سے زیادہ عرصہ گذرا کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ ایک مکان
میں رہتا تھا ہمارے پڑوس میں ایک مالدار امیر بھی سکونت پذیر تھا اسکے مکان
میں ایک دوشیزہ پری پیکر تھی میں کہہ سکتا ہوں کہ ایسی حسین، جمیل، شکیل
خوبصورت عورت کسی مکان میں نہو گی اوس کو دیکھنا ہی تھا کہ بے اختیار
دل ہات سے جاتا رہا۔ صبر و تحمل رخصت ہو گیا اور ہزار جان سے پروانہ وار
اوسکے شمع حسن کا شیدا و شیفتہ ہو گیا رشتہ محبت قایم کرنیکے لئے ہزاروں
تدبیریں سوچیں۔ لاکھوں منصوبے باندھے اوس کے دل پر اپنا اثر ڈالنے کیلئے
مختلف چالیں چلا ایک مدت کے بعد آہوے رم خوردہ رام ہوا اور بہت
نامہربان مہربانی کرنے لگا ایک روز اوسکو آیندہ زندگی کا سبز باغ دکھا کر
اور عہد و پیمان کی گرہ استوار کر کے میں نے چنگ پر چڑھایا اور شہود و قاضی
کے بغیر نکاح پر راضی کر لیا۔ الغرض عشق و محبت کی آخری منزل تک گو چھپے چوری
ہی سہی مگر کامیابی کے ساتھ پہونچنا نصیب ہوا۔ ہماری اس ملاقات کو تھوڑا
ہی زمانہ گذرا تھا کہ مجھکو معلوم ہوا کہ اوسکے پیٹ میں ایک ننھی اور جدید مخلوق
حرکت کر رہی ہے اس خبر سے میرے حواس باختہ ہو گئے اور میں سوچنے لگا کہ
ایفائے وعدہ کروں یا سرے سے رشتہ محبت منقطع کر دوں اس حیص بیص
میں پچھلا خیال پہلے خیال پر غالب آگیا اور میں اوس مکان سے وہاں اٹھ آیا
جہاں اے دوست تجھ سے ملاقات کیا کرتا تھا اوسکے بعد مجھے اوس نازنین
کی کوئی کیفیت معلوم نہیں ہوئی نہ میں نے کبھی دریافت کرنیکی جرأت اُٹھائی اس حادثہ
کے چند سال بعد مجھے ایک خط پوسٹ کے ذریعہ ملا اسوقت مریض نے

اپنی توشک کے نیچے سے ایک خط نکالا میرے حوالہ کیا جسمیں لکھا تھا " اگر
مجھے کوئی ایسی ضرورت محسوس بھی ہوتی کہ میں تمھیں اوس پوشیدہ عہد
وپیمان یا اوس قدیم محبت کی تجدید کیلئے خط لکھنے پر مجبور ہوتی تو بھی میں تم کو
ایک حرف تک لکھنا پسند نہ کرتی کیونکہ میں نہیں جانتی کہ ایسا عہد جیسا کہ تھا یا
دغابازانہ عہد تھا اور ایسی محبت جیسی کہ تمھاری جھوٹی محبت تھی - اس قسم کا
کوئی استحقاق رکھتی ہے کہ اوسکی تعمیل کیجائے اور اوسکی تجدید پر توجہ دلائی جائے
جسوقت تم مجھکو چھوڑکر فرار ہوئے ہو تمھیں معلوم تھا کہ میرے پہلو میں ایک
آگ بھڑک رہی ہے اور جنین اس دنیا میں آنے کیلئے نعل در آتش ہے اسکا
سبب بظاہر یہی تھا کہ تم کو اون مصیبتوں کے دیکھنے کی برداشت نہ کرنی پڑے
جو تمھارے ہی ہاتوں نازل ہوئی تھیں اور تمھارے ہاتھوں کو اون آنسوؤں
کے پونچھنے کی مشقت نہ اٹھانی پڑے جو تمھاری بدولت جاری ہوے تھے
اسکے بعد کیا میں تم کو ایک انسان تصور کرسکتی ہوں ؟ تصور تو کیا انسان
سے تعبیر بھی کرسکتی ہوں ؟ بے زبان حیوانوں - وحشی درندوں - گزندہ
جانوروں کی کوئی خصلت ایسی ہوسکتی ہے جو تمھاری خصلت کا مقابلہ
کرسکے اونکے تمام خصایل وصفات کے تم مظہر واحد ہو - تم کہا کرتے تھے کہ
"میں تم سے محبت کرتا ہوں" تم اپنے اس دعوی میں کہاں تک سچے ثابت ہوئے
تم مجھ سے محبت نہیں عداوت کرتے تھے - تم نے مجھکو اپنی شہوت رانی
کا آلہ بنایا اور مجھے ایسا ذلیل تصور کیا جس کو چھوکر تم اپنے نفس کو راضی
رکھ سکتے تھے آہ کیا تمھیں اپنا وہ وعدہ بھی یاد ہے جو تم نے مجھکو اپنی بیاہتا
بی بی بنانے کے متعلق کیا تھا ؟ تم نے اوس وعدہ کو پورا نہیں کیا ؟ ہاں تم نے
اسکو اس لیے پورا نہیں کیا کہ تم یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ایسی عورت جو خود
ہے ذلیل وخوار ہے بے اعتبار ہے اوسکو اپنے نکاح میں لانے کی عزت دو
للہ بتاو کہ اسمیں میرا کیا جرم ہے ؟ اور میں کیوں ذلیل و بے اعتبار ہوگئی -

کیا یہ تمہارا ہی جرم اور تمہارے ہی ہاتوں کی لائی ہوئی ذلت و بے اعتباری نہیں اگر تم نہ ہوتے تو میں کیوں گنہگار ہوتی۔ کیوں ذلیل و بے اعتبار ہوتی حتی الامکان میں تم سے بچنے کی کوشش کرتی رہی مگر تمہارے مقابلہ میں ہتھیار ڈالنا پڑا اور میں اوس بچے کی طرح تمہارے قدموں میں گر پڑی جو ایک قوی پہلوان کے مقابلہ میں بے بس ہو جاتا ہے۔ تم نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر میری عصمت کا خزانہ لوٹ لیا اسکے بعد میرا کانشنس مجھے ملامت کرنے لگا اور میرا دل جینے سے سرد ہوگیا میں زندگی کو الوداع اور موت کو خیر مقدم کہنے لگی

قیامت کا آنا برحق ہے۔ اور خدا کو منہ دکھانا لازمی ہے سچ کہنا۔ بھلا اوس بدنصیب عورت کو زندگی کا خاک لطف آئیگا جو نہ کسی کی بی بی بن سکتی ہے نہ کسی کی ماں نہ کسی تقریب و جلسہ میں شریک ہو سکتی ہے۔ اسکی حالت یہ ہی کہ ندامت سے سر جھکائے عزت کے مارے نگاہ زمین پر جمائے ہاتھوں سے منہ چھپائے۔ طعنہ زنوں اور رسوا کرنے والوں کے خوف سے دل مسوسے بیٹھی ہے۔

تم نے میرا چین میری راحت، میری عزت، میری حرمت، غرض میری دنیا بھر کی خوشیاں چھین لیں اس شرمناک واقعہ کے بعد مجھے اوس محل کو جہاں میں اپنے والدین کے ساتھ عشرت انگیز زندگی بسر کرتی تھی خیرباد کہنا پڑا اور ان بے شمار و بے انتہا نعمتوں کو جو میرے آس پاس جمع تھیں چھوڑ کر ایک دور دراز ویران محلہ میں اسلئے نکل جانا پڑا کہ وہاں مجھکو کوئی نہ پہچانے اور بقیہ زندگی کس مپرسی کی حالت میں بسر ہو جائے۔

اتنا ہی نہیں تم میرے والدین کے بھی قاتل ہو تمہیں نے اونکی جان لی مجھے یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ وہ میرے فرار ہو جانیکے بعد صرف میری جدائی کے صدمہ سے قبل از وقت مر گئے اس کے بعد تم میرے بھی قاتل ہو کیونکہ رنج و غم کا وہ تلخ پیالہ جو میں نے تمہارے ہات سے پیا ہے

یہ حزن والم جو تمہاری وجہ سے مجھے نصیب ہوا ہے میرے جسم و روح
پر اس طرح اثر کر رہا ہے کہ اب میں ایک دہکتے ہوئے انگارے کیطرح کانٹوں
کے بستر پر پڑی ہوئی دم توڑ رہی ہوں اور سمجھتی ہوں کہ خدا نے مجھ پر
مہربانی کی اور میری دعا قبول فرمائی کہ مجھے اس بدنصیب دنیا سے نکالکر
حیات (ابدی) اور مسرت (جاودانی) عطا کر رہا ہے۔

قصہ مختصر تم ایک جھوٹے مکار دغاباز اور خونخوار قاتل، چور
ہو اور میں نہیں سمجھ سکتی کہ [illegible] لئے بغیر تمہیں یوں ہی چھوڑ دیگا؟
میں یہ خط تمہیں اس لئے نہیں لکھ رہی ہوں کہ ایفائے وعدہ کی درخواست
کروں یا محبت کی [illegible] تمام چاہتی ہوں تم خود بھی اتنا سمجھ
سکتے ہو کہ تمہارے [illegible] میرے دل میں کیا کیا خیالات ہونگے۔ اس
وقت میں [illegible] دروازہ پر کھڑی ہوں اس زندگی اور اوسکی تمام بھلائیوں
برائیوں، خوش نصیبیوں اور بدنصیبیوں کو رخصت کر رہی ہوں
میں تم کو یہ خط اس لئے لکھ رہی ہوں کہ میرے پاس تمہاری ایک امانت
ہے جسکو تم بیوفائی سے میرے حوالہ کر گئے ہو وہ امانت مجھے پھیر دینی
ضروری ہے، اور وہ تمہاری لڑکی ہے۔ اگر تمہارے دل میں کچھ بھی پدرانہ
شفقت ہے تو چلے آؤ اور اس لڑکی کو اپنے ساتھ لیجاؤ۔ میں ڈرتی ہوں
کہ مبادا وہ بھی اس بدنصیبی سے حصہ پا جائے جس میں اوسکی بدنصیب
ماں اسکے قبل پا چکی ہے فقط"

جب میں یہ خط پڑھ چکا تو اپنے دوست کی جانب نظر کی کیا دیکھتا
ہوں کہ اسکی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ میں نے پوچھا "یہ خط پڑھنے
کے بعد کیا ہوا؟" وہ بولا "اس خط کے پڑھنے کے بعد مجھے ایسا محسوس
ہوا کہ میرے پہلو میں بادل کی گرج سی پیدا ہو گئی ہے اور دفعۃً غم و اضطراب
سے میرا دل و سینہ پھٹ رہا ہے میں فوراً خط کے پتہ پر اوس مکان کی

طرف روانہ ہوگیا اور وہ یہی مکان ہے جہاں تم مجھے اس وقت دیکھ رہے ہو
میں نے اوس معصوم کو اسی حجرہ میں جہاں میں اسوقت پڑا ہوا ہوں -
ایک جسم بے جان پایا اور اس لڑکی کو اوسکے پہلو میں بیٹھے ہوے نہایت
تلخ آنسو بہاتے دیکھا اس عبرت ناک منظر کو دیکھا کہ مجھے غش آگیا
اور عالم بیہوشی میں میرے تمام جرائم مجھے وحشی درندہ سانپ بچھو ہو کر
کاٹنے اور ڈسنے لگے -

جب مجھے کچھ افاقہ ہوا تو میں نے خدا سے پختہ عہد کیا کہ جب تک میں زندہ ہوں
اس حجرہ سے باہر نہیں نکلونگا میں نے اس کا نام ماتمکدہ رکھا ہے میری زندگی
بھی اوسی کی طرح پردرد زندگی ہوگی - اور میری موت بھی اوسی کیطرح بیکسانہ ہوگی

میں آج بے انتہا خوشی اور مسرت کے ساتھ مرتا ہوں اور میرا دل مجھے بتا رہا ہے کہ
اُن رنجوں اور اُن بدنصیبیوں کے سبب جو میں نے برداشت کی ہیں خدا نے میرے تمام گناہ معاف کر دئے"
سلسلہ سخن یہاں تک پہونچا تو اوسکی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی چہرہ زرد پڑ گیا اور
بستر مرگ پر یہ کہتے ہوئے " اے دوست میری بیٹی ترے سپرد ہے " دم توڑ دیا -
میں کامل ایک گھنٹہ تک اسکے سرہانے بیٹھا اسی رسم کو ادا کرتا رہا جو ایسے موقع پر
ایک دوست دوسرے دوست کیلئے ادا کر سکتا ہے اسکے بعد اسکے دوسرے دوستوں
کو اوسکی موت کی اطلاع دی سب جمع ہوے اور اوسکو اوسکی آخری منزل تک
پہونچا آئے -

ناظرین سچ سمجھنا - میں اسوقت یہ واقعہ لکھ رہا ہوں مگر میرا دل رونے سے تھمتا نہیں
اور میں جب تک زندہ رہونگا اوسکے یہ آخری الفاظ میری بیٹی تیرے سپرد ہے - نہ بھولونگا
اے مضبوط دل والے مردو - کمزور طبیعت والی عورتوں پر رحم کرو جب
تم اون کی عزت ، عفت ، عصمت کو لوٹتے ہو تو تم یہ نہیں خیال کرتے کہ
تم کیسے معصوم دل اور شریف خون کا ستیاناس کر رہے ہو فقط
السید مصطفی المنفلوطی (ترجمہ از اخبار المؤید مصر)
مترجمہ عبد الرزاق بسمل

سوز	نازاں ہو تو ہو دست اگر تجھکو شادمانی	کردے فلک دل خوش غمناک ایکدم میں
جرات	نہ آیا اور کچھ اس چرخ سے ہم کو آیا تو یہ آیا	گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجراں کا
قایم	کام کیا ہو کہ جسے زمانے سے تمتع کی امید	بخت دیتا نہیں جس کو یہ ہنر دیتا ہی
"	قایم ہوا شخص جو پیدا کیا جہان میں	یارب کسی بشر کے نہ پیچھے فلک پڑی
درد	ماہی سے تا بماہ ہیں سب ناکشادہ داغ	وہاں داغدار سینہ ہے یہاں داغدار پشت
مومن	ہے چرخ سے امید کشایش ہمیں عبث	کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض
غالب	مے عشرت کی خواہش ساقی گردوں سے کیا کیجے	لیے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگوں وہ بھی
شہید	شہکان کمین فلک نے جسے نامور کیا	تیر بلا سے پہلے مشبک جگر کیا
"	نے کوئی میکدہ دہر میں ہوے کیا خاک	خم پیر چرخ ہے اک مے کا کٹورا اولٹا
"	سرگشتہ بگولے کیطرح اوسکی رہی خاک	جو دائرۂ گردش افلاک میں آیا
"	سر اوسکا رہا مورد صد سنگ حوادث	جو شخص کہ اس گنبد افلاک میں آیا
"	گردش چرخ سے شکل مہ نو عالی قدر	در بدر پھرتے ہیں بہر طلب ناں محتاج
"	ستم ہے سیل حوادث کے زیر گنبد چرخ	حباب وار نہیں کوئی ایک دم محفوظ
"	پھینکتا ہے تاک کر ہر اک پہ سنگ حادثہ	آسماں دن رات رکھتا ہے فلاخن ہاتھ میں

شکایت ابنای زماں

میر	میر صاحب زمانہ نازک ہے	دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار

شکریہ

میر	زہے طالع اے میر اوس نے یہ پوچھا	کہاں تھا تو اب تک تجھے کیا ہوا تھا

شکر و صبر

(پ)

میر	شکر کر داغ دل کا اے غافل	کس کو دیتے ہیں دیدۂ بیدار
سودا	زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے	کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

نصیر — عشق بتاں میں بس ہے لب خشک و چشم تر — دی ہے خدا نے سلطنت بحر و بر مجھے
ظفر — کر نہ شکوہ کہ مجھے یہ نہ دیا وہ نہ دیا — شکر کر تو کہ دیا ہے تجھے انسان بنا
غالب — تمنائے زباں محو سپاس بے زبانی ہے — مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بیدست و پائی کا
〃 — نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے — بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایکدن
〃 — رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج — مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں
شہید — خاک سے اللہ نے انسان بنایا ہے شہید — شکر اوس کا جسنے رائی سے کیا پربت ہمیں

شادی و غم توام

(۵)

میر — دو رنگی دہر کی ثابت ہے یہاں ہی دل اوٹھا اپنا — کسی کے گھر میں شادی ہے کہیں ہنگامۂ غم ہے
درد — دل صد چاک ہے گل خنداں — شادی و غم جہاں میں توام ہیں
〃 — یہاں عیش کے پردہ میں چھپی دلشکنی ہے — ہر بزم طرب چوں مژہ برہم زدنی ہے
مصحفی — وابستۂ چمن طرب و غم بہت ہی یہاں — ہنسنے کو گل تو رونے کو شبنم بہت ہے یہاں
سوز — غم و شادی نہ توام ہو تو یہاں گل — گریباں پھاڑ کر خنداں نہ ہوتا
سودا — اس باغ میں اک گل کو خنداں جو کبھی پایا — سو غنچوں کی وہاں صبح رنگت گیر نظر آئی
انیس — مینائے مے کیطرح ہمیں تونے اے سپہر — بزم طرب میں دیکے جگہ نوحہ گر کیا
سودا — کم نیند زیر سقف فلک کیونکہ سو سکوں — ایدھر دہل بجے ہے ادھر نوحہ و خروش
نصیر — دنیا بھی ہے اے اہل نظر جائے تماشا — ماتم ہے کسی گھر میں کہیں بزم طرب ہے
ذوق — جہاں میں عرصۂ عشرت سے سوا دہ چند ہے غم کا — اگر ہے عید کا اک دن تو عشرہ ہے محرم کا
ظفر — ہیں یہاں رنج کے آثار خوشی کے باعث — اشک آنکھوں سے ٹپکتے ہیں خوشی کے باعث
〃 — غم و شادی ہیں باہم دونوں اس گلزار ہستی میں — رخ خنداں گل پر گریۂ شبنم ہویدا ہے
〃 — غم و شادی ہیں اک جا دونوں گلشن میں زمانے کے — نظر کر شبنم و گل پر یہ روتی ہے وہ ہنستا ہے
〃 — پیدا ہوئی ہیں شادی و غم باہم اے ظفر — خنداں اگر ہے برق تو ابر اشکبار ہے
شہید — چڑھاؤ کا حال کچھ نہ پوچھو کہ ساتھ اوسکے اتار آیا — سرور خاطر میں نشہ کا تھا کہ ساتھ اوسکے خمار آیا

شوق دیدار

میر	امیدوارِ وعدۂ دیدار مر چلا	آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا
جرأت	محروم ہیں اگرچہ دیدار سے یہ آنکھیں	پر حسن کا کرشمہ جی میں سما گیا ہے
مصحفی	نزع کے وقت بھی منہ کر کے ادھر دیکھ لیا	مرتے مرتے بھی اوسے ایک نظر دیکھ لیا
سوز	زندگی آخر ہوئی آیا نہ وہ دلدار حیف	مرتے مرتے بھی نہ دکھلایا مجھے دیدار حیف
"	ہے نزع میں دیکھنے کی حسرت	کیا کیا دل میں بھرا ہوا ہے
ذوق	یہ چاہتا ہے شوق کہ قاصد بجائے مہر	آنکھ اپنی ہو لفافۂ خط پر لگی ہوئی
غالب	نماطانہ تھا ہمیں خط پہ گر گماں تسلی کا	نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو
"	گوشِ مہجورِ پیام و چشمِ محرومِ جمال	ایک دل تس پر یہ ناامیدواری ہائے ہائے
"	ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں	شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے
شہید	محوِ دیدارِ بتاں ہوں یادِ رخ میں بعدِ مرگ	دیدۂ شوقِ دید میں حسرت سے وا رہ جائینگا

شفاعت

ظفر	اے ظفر شافعِ محشر کی محبت ہو جسے	کیا ہو محشر کا پھر اوس مردِ مسلمان کو خوف
شہید	اے حامیِ دو عالم کیا ہی شہید کو غم	جب آسرا ہوا وس کو روزِ نشور تیرا
"	ہے شہید ایک غلام آپکا دن محشر کے	ہے شفاعت کی اوسے مایۂ لولاک ہوس

باب الصاد

صلح کل

میر	چار دن کا ہے منجھیلا یہ سب	سب سے رکھیے سلوک ہی ناچار
سودا	کس کی ملت میں گنوں آپکو بتلا اے شیخ	تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھ کو
تاباں	ہم تو تاباں ہوئے ہیں لامذہب	تفرقہ دیکھ سب کے مذہب کا

ذوق	خورشید وار دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ	روشن ضمیر ملتے ہیں ہر اک نیک و بد سے ہیں
"	ہفتاد و دو طریق حسد کے عدد سے ہیں	اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں
غالب	ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم	ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں
مومن	لبیک حرم ہم میں نہ ناقوس کلیسا	پھر شیخ و برہمن میں ہے کیوں فسانہ اپنا
ظفر	جائیگا جس ملت میں تو وہاں دیکھیگا جنگ	آرام گر منظور ہے تجھکو تو صلح کل میں رہ

صحبت نیک

شہید	ہو رفاقت تو کسی صاحب ایمان کے ساتھ	کام اللہ جو ڈالے تو مسلمان کے ساتھ

صحبت ناموافق

غالب	نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے	جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں
شہید	صحبت مجھے ایسوں سے ہے جوں ایک قفس میں	طوطی کے کرے ساتھ کوئی زاغ و زغن بند

صاف باطنی

(۵)

میر	دل صاف ہو تو جلوہ گر یار کیوں نہ ہو	آئینہ ہو تو قابل دیدار کیوں نہ ہو
جرأت	مثل آئینہ باصفا ہیں ہم	دیکھنے ہی کے آشنا ہیں ہم
سوز	آئینہ سا تو صاف کر دل کو	دیکھ تو اس میں کون ہے ہمدم
مصحفی	صفائے دل میں ہے کیا کیا نظر نہیں آتا	جو دیکھو جام جہاں بیں ہے کم یہ جام نہیں
ظفر	دیکھنی منظور ہو صورت جسے اوس یار کی	دل کو صاف اپنے کرے آئینہ ساں اچھی طرح
"	کوئی ہو زشت کوئی خوب چاہیے تجھکو	مثال آئینہ تو سب سے سینہ صاف رہے
"	جو ہے دل میں وہ ہی منہ پہ لاتے ہیں آئینہ وار	ہم نہیں ہیں وہ کہ دل میں اور منہ پر اور ہیں

عجیب و غریب توارد

(۱)

جلیل القدر حضرت جلیل کا دیوان "تاج سخن" جب شایع ہوا اور میری نظر سے گذرا تو بعض غزلوں میں ایسے مصرعے اور شعر نظر سے گذرے جو مجھے سنے ہوئے معلوم ہوئے اور میں نے سوچنا شروع کیا کہ یہ غزلیں میں نے کہاں مولانا جلیل کی زبانی یا کسی اور سے سنی ہیں اس غور و فکر میں مجھے ایک شک ہوا جس کی تصدیق کیلئے میں نے اپنے عزیز دوست مولوی محمد عبدالحی صاحب بازغ حیدرآبادی مقیم ہنمکنڈہ کو ایک خط لکھا اور ان سے خواہش کی کہ آپ کی فلاں فلاں زمین میں غزلیں ہوں تو عنایت فرمائے مجھے انکی از حد ضرورت ہے حضرت بازغ ایک سیلانی طبیعت کے آدمی اور بعض اسباب سے مجھ سے ناحق خفا پھر ایک ہی دفعہ لکھنے غزلیں آئیں تو کس طرح غرض کئی مہینے کے بعد غزلیں آئیں اور مجھے تسکین اور اپنے شک کی تصدیق ہوئی جب میں نے ان غزلوں کا جو میری بارا تیرا برس قبل کی سنی ہوئی تھیں مولانا جلیل کی ہم طرح غزلوں کے ساتھ مقابلہ کیا تو مجھے ایک عجیب حیرانی ہوئی مصرع کے مصرع دونوں غزلوں میں یکساں اور برابر پائے چونکہ یہ ایک عجیب و غریب توارد تھا جسکی مولانا جلیل کو خبر ہے نہ حضرت بازغ کو اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ جہاں قدما کے توارد کا حال اکثر تذکروں میں درج ہوا ہے وہیں اس عجیب و غریب توارد سے صحیفہ کے ناظرین کی ضیافت طبع کیجائے مجھے تو دس بارا ہم طرح غزلوں کے اشعار میں یہ توارد نظر آتا ہی مگر یہاں صرف ایک ہی غزل کے توارد کو پیش کیا جاتا ہے "بیتاب کہاں تک" "احباب کہاں تک" والی غزل میں بازغ کہتے ہیں۔

تڑپوں میں بھلا صورت سیماب کہاں تک ــــ انسان ہوں انسان کو ہو تاب کہاں تک

مولانا جلیل کے اسی زمین میں دو شعر ہیں جنہیں یہ دونوں مصرع موجود ہیں۔

مرنے سے کوئی خوش ہو تو مر جانا بھی اچھا بیتاب ہو صورت سیماب کہاں تک
ہو دست پری میں جو چھلکتا ہوا ساغر انسان ہوں میں صبر کی ہو تاب کہاں تک
بازغ کہتے ہیں۔
وہ بزم میں اپنی مجھے آنے نہیں دیتے وحشت میں ہو پابندی آداب کہاں تک
مولانا جلیل کا مصرع ثانی بھی قریب قریب ہم مضمون ہے۔
آخر کف مجنوں نے لیا دامن لیلی دربار جنوں میں ادب آداب کہاں تک[1]
بازغ کہتے ہیں۔
کیا چارۂ دل اور کسی تدبیر سے ہوگا بہلائیگی دلجوئی احباب کہاں تک
مولانا جلیل فرماتے ہیں۔
جب فصل گل آئیگی چاک جائیگا سو جا دیوانے کو سمجھائیں گے احباب کہاں تک
بازغ کہتے ہیں
کب تک دل زار آتش فرقت میں جلیگا ٹھہریگا بھلا آگ پہ سیماب کہاں تک
مولانا جلیل کا شعر ہے۔
مشکل ہے کہ دل دست حنائی میں ٹھہر جائے سوچو تو ذرا آگ پہ سیماب کہاں تک[2]
بازغ کہتے ہیں۔
اس وعدہ وفائی کے بھی صدقے شب وعدہ نظارۂ لطف شب مہتاب کہاں تک
مولانا جلیل کے شعر کا دوسرا مصرع توجہ طلب ہے۔
بکھری ہوئی زلفیں رخ روشن پہ ہیں ناداں بس ہو چکی سیر شب مہتاب کہاں تک
آخر میں ہم مولانا جلیل اور حضرت بازغ کا ایک ایک شعر جو دونوں غزلوں میں لاجواب ہے
ضیافت طبع ناظرین کیلئے درج کرتے ہیں۔
مولانا جلیل فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔
ہے تیری جوانی کہ پھٹی پڑتی ہے ظالم پھر کوئی سنبھالے دل بیتاب کہاں تک

[1] یہ شعر بڑھ گیا ۱۲ اڈیٹر [2] الف یخرال ہونے کا اعتراض نہ کیا جائے تو شعر نظر لگنے کے قابل ہے ۱۲

حضرت بازغ کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔

کب تک؛ وہ تصورہی تصور میں ملیں گے   آخر نظر آئیں گے مجھے خواب میں تاکہ

تسلی حیدرآبادی

ریویو

(۱)

الخط الاسلامی

مصنفہ عالیجناب مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب صوبہ دار صوبہ گلبرگہ شریف

"اسلامی رسم الخط کی اصلاح پر مولوی صاحب موصوف نے یہ ایک لاجواب" "کتاب لکھی ہے۔ اور نہ صرف کتاب لکھی بلکہ جدید رسم الخط کو ایجاد کرکے اُس کا" "ٹائپ رائٹر بھی بنوالیا ہے۔ مگر اب تک اسلامی دنیا اور اسلامی اخبارات" "مولوی صاحب موصوف کی ان کوششوں سے بے خبر ہیں۔ اور شاید اس کی" "وجہ یہ ہو کہ اب تک مولوی صاحب نے اپنی کتاب کسی اخبار یا رسالہ کو تنقید" "کی غرض سے نہیں دی۔

"سب سے پہلے صحیفہ اس کتاب کو پبلک سے انٹروڈیوس کراتا ہے" "اور اس کا اُس کو حق بھی حاصل ہے۔

"ریویو میں جہاں جہاں ہم کو ریویو نگار کی رائے سے اختلاف ہوا" "ہے وہاں ہم نے اپنے خیالات ظاہر کردئے ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین ان" "کو غور و امعان سے ملاحظہ فرمائیں گے۔"

اڈیٹر

مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب صوبہ دار گلبرگہ نہ صرف سرکار عالی کے ایک قدیم تجربہ کار قابل ترین۔ زمانہ شناس۔ اعلیٰ افسر ہیں بلکہ علوم مشرقیہ کے بڑے ماہر۔ خوش خط۔ بذلہ سنج۔ اور ہمدرد ملک و قوم بزرگ ہیں اور ان کو ایک حد تک یہ کہنا درست ہے ملک کی بدقسمتی سے دکن میں اپنی نظیر آپ

رہ گئے ہیں۔ اگر آپ پہلے سے فرائض سرکاری کے ساتھ ساتھ علمی و قومی خدمات کیلئے کمر ہمت کو چست کرتے تو یقیناً اب تک بہت کچھ فائدہ ملک کو پہونچا چکے ہوتے۔ اب آپکی توجہ کچھ عرصہ سے اس جانب مبذول ہوئی ہے۔ اور آپ نے کام کرنے کیلئے اصلاح رسم الخط کے میدان کو پسند کیا ہے۔

تمام دنیا کی زبانوں کی طرح ہر ایک رسم الخط کی ایجاد بھی دفعتاً نہیں ہوئی ہے اور نہ رسم الخط قواعد و اصول کا پابند رہتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ اوسکے وضع و ترکیب کی بنیاد پڑتی ہے اور قوم کی تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ اوس میں اصلاح در دنق آتی جاتی ہے اور ایسے قواعد و اصول مرتب ہوتے ہیں جو رسم الخط کے تابع رہتے ہیں۔ رسم الخط پہلے اور قواعد و اصول اس کے بعد مرتب ہونے کی وجہ سے دنیا کے ہر ایک رسم الخط میں نقص موجود رہتے ہیں اور مجبوراً اون کو گوارا کرنا پڑتا ہے۔

آج کل سائنس اور لٹریچر کی تیز گامی کی بدولت یہ ناممکن ہوگیا ہے کہ تصنیف و تالیف کی اشاعت قلمی یا سنگی پریس کی چھپی ہوئی کتابوں سے ہوسکے بلکہ ہر زبان کی ترقی کیلئے یہ لازمی و ضروری ہوگیا ہے کہ اوس میں ٹائپ اور ٹائپ رائیٹر موجود رہیں۔ اور یہ دونوں اوسی صورت میں کارآمد او مفید ہوسکتے ہیں جب حروف اور اعداد کی تعداد جہاں تک ممکن ہو کم رہے تاکہ کمپوزیٹر اور ٹائپ رائیٹر کا ہاتھ آسانی سے کام کرسکے اور تمام حروف اوس کے ذہن نشین رہیں حروف و اعراب کی تعداد اوسیوقت کم ہوسکتی ہے جب حروف۔ مفرد صورت میں لکھے جائیں اور اعراب بھی بشکل حروف لکھے جائیں آجکل تمام یوروپین زبانوں نیز چینی۔ جاپانی۔ بنگالی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ ناگری زبانوں کا کتابی رسم الخط اسی طریقہ پر بنا ہوا ہے اور اوسی لت ان زبانوں کو جو ترقی نصیب ہورہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

عربی۔ ترکی۔ فارسی اردو رسم الخط مرکب حروف یہ ہے

اگرچہ ان زبانوں کیلئے خط نسخ کا ٹائپ جس کو عربی حروف کہتے ہیں زمانہ دراز سے مستعمل ہے اور چند سال سے اوس کا ٹائپ ایٹلر بھی بن چکا ہے۔ مگر جو آسانی مفرد حروف میں لکھے جانے والے ٹائپ میں پائی جاتی ہے وہ اوس میں مفقود ہے نیز اکثر فارسی وار دو خواں اوسکو بمشکل پڑھ سکتے ہیں۔

نستعلیق کا ٹائپ تو بالکل نہیں بن سکا ہے۔ ان دشواریوں کو رفع کرنیکے لئے ایک طویل عرصہ سے بعض عیسائی و مسلمان فضلا نے اس طرف اپنی توجہ مبذول کی ہے اور ان ہی دشواریوں کو بتا بتا کر صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے ہندوں نے سرا ونشل گورنمنٹ کا یہ حکم پارسال پیشتر حاصل کرلیا ہے کہ کاغذات و مطبوعات سرکاری میں جہاں جہاں اردو بہ خط نستعلیق لکھی جاتی ہے وہاں ناگری حروف میں بھی لکھی جاوے۔

سب سے پہلے اسکا خیال سر جان مالکم کو آیا اور اوس کے متعلق اونہوں نے ایک کتاب بھی لکھی۔ پھر ایک ایرانی امیر نے اس کیلئے عملی کوشش کی اور آخر ش یہی چارہ کار بتلایا کہ پریس کیلئے مفرد حروف اعراب کے ساتھ لکھے جائیں اور اوسی طریقہ پر اونھوں نے گلستاں کو شایع کیا۔ مگر اس کوشش کو ملک و قوم میں رواج عام نہ حاصل ہوسکا۔

تقریباً پندرہ سولہ سال پیشتر سرکار آصفیہ نے نستعلیق خط کا ٹائپ تیار کرانے کی کوشش کی اور اس کام کو انجام دینے کیلئے ایک کمیٹی قایم کیگئی جسکے سکرٹری مولوی محمد عزیز مرزا صاحب تھے مجھکو اس کمیٹی کی روئداد و ان پارٹوں کے دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا ہے۔ مگر مولوی محمد عزیز مرزا صاحب ایک وقت یہ فرمارہے تھے کہ خط نستعلیق کا ٹائپ بنانے میں اس قدر دشواریاں نظر آئیں کہ اوس کے بنانے کا خیال بھی ترک کر دیا گیا اوس کے ٹائپ کیلئے ۰۰، حروف اور مرکبات بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس قدر کثیر التعداد ٹائپ کو چنکر جمانا قریب ناممکن کے ہے اگر ٹائپ بن بھی جائے تو اس قدر گران صارف

اوسکی شایع شدہ کتابت پر عاید ہونگے کہ پبلک اوسکی متحمل نہ ہوسکیگی۔

اسی ناگری کے ناخوشگوار جھگڑے کی بدولت ہندوستانی مسلمانوں کو اصلاح رسم الخط کا خیال آیا۔ غالباً مولوی نظام الدین حسن صاحب سابق جج ہائیکورٹ سرکار آصفیہ پہلے ہندوستانی مسلمان ہیں جنھوں نے اس کے متعلق ایک مختصر کتاب لکھی اور طریقہ اصلاح پبلک کے سامنے پیش کیا۔ صاحب موصوف نے بھی یہی علاج بتایا کہ مفرد حروف اعراب کے ساتھ لکھے جائیں۔

اسی زمانہ میں مرزا محمد جعفر صاحب آوج نے ایک رسالہ موسوم بہ "قواعد جاذ" شایع کیا جس میں اصلاح کی تدبیر یہ بتائی گئی کہ اعراب اور علامات واضح طور پر لکھی جائیں۔

اسی زمانہ میں محمد حسن البوتی نے مصر میں اس بحث پر ایک عربی کتاب لکھی اور یہی رائے دی کہ حروف مفرد حالت میں لکھے جائیں اور ہر حرف صحیح کے بعد اعراب بھی حروف کے ہی سلسلہ میں مثل زبان انگریزی لکھے جائیں۔ موجودہ طریقہ پر اوپر نیچے نہ لکھے جائیں۔

ان سب کے بعد مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب نے اپنی توجہ اسطرف مبذول کی اور تقریباً تین سال تک مسلسل محنت اٹھانے کے بعد ایک نیا رسم الخط ایجاد کیا ہے اور اوس کا ٹایپ اور ٹائپ رائٹر بھی اپنے ذاتی صرف سے تیار کرالیا ہے۔ اپنی تحقیقات کے نتایج اور نئے رسم الخط سے پبلک کو متعارف کرانے کیلئے اونھوں نے ایک کتاب الخط الاسلامی شایع کی ہے جس پر ہم اسوقت ریویو کر رہے ہیں۔

کتاب کے ابتدائی حصے میں اونھوں نے اسلامی خطوں کی تاریخ اور اونکے اصول و نکات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اردو زبان میں اس بحث پر بجز مولوی نظام الدین حسن صاحب کے ایک مختصر مضمون کے اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اب مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب نے ایک قیمتی اضافہ اردو میں کیا ہے البتہ اسکے ساتھ ایک کمی یہ رہگئی ہے کہ جن جن

خطوط کے حالات لکھے گئے ہیں اون کے نمونے نہیں بتائے گئے ہیں۔ اگر اساتذہ فن کے عمدہ ترین قطعات ہاف ٹون تصویروں کے ذریعہ سے اس کتاب کے ساتھ شایع کئے جاتے تو یقیناً بہت دلچسپی کے موجب ہوتے اور ایسے قطعات کا حاصل و شایع کرنا مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب جیسے ذی وجاہت اعلیٰ افسر کیلئے دشوار نہ تھا۔

اس کے بعد بہ تفصیل یہ بتایا گیا ہے کہ رسم الخط میں کیا کیا نقص ہیں اس تفصیل کا اجمال حسب ذیل ہے۔

(۱) مفرد حروف باہم ہم قامت و ہم حیثیت نہیں ہیں جیسے (د) (ل) (ک) (ت)

(۲) مفرد حروف کو مرکب لکھنے سے انکی اصلی صورتیں اس قدر بگڑ جاتی ہیں کہ اونکا سمجھنا دشوار ہوجاتا ہے مثلاً "بج" میں ب کی تشابہت مطلق باقی نہیں رہتی ہے اور چھاپنے میں کثرت تعداد کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔

(۳) بعض حروف کا تلفظ مونہ سے تو ادا کیا جاتا ہے مگر اوسکی کوئی خاص شکل نہیں ہے جیسے نون غنہ۔ واو مجہول۔ یائے معروف۔ ہائے مختفی وغیرہ

(۴) اسیطرح بعض اعراب کا تلفظ مونہ سے ادا کیا جاتا ہے مگر اونکی نہ تو کوئی صورت معین ہے نہ نام۔

(۵) حروف پر حرکات نہ لکھنے کی وجہ سے کسی لفظ کا صحیح تلفظ ادا کرنا مشکل ہے مثلاً لوٹنا۔ لوٹنا۔ ملنا۔ ملنا۔ گل۔ گل۔ گل۔ وغیرہ

مذکورہ بالا نقصانات کو دور کرنیکا ذریعہ مولوی صاحب کے پاس بالکل موزوں حسب ذیل تجویز ہے۔

(۱) حروف کی وضع و حیثیت میں بقدر ضرورت تبدیل کیجائے تاکہ تمام حروف ہم قامت و ہم حیثیت ہوجائیں۔

(۲) حروف بالکل مفرد حالت میں لکھے جائیں اور اونکی شکل ہمیشہ ایک ہی ہو یعنے ایسی نہ ہو جیسے ترکیبی حالت میں بدل جاتی ہے۔

(۳) جن حروف کی آواز مونہ سے نکالی جاتی ہے اور کتابت میں اونکی کوئی

خاص صورت نہیں ہے اونکے لئے نئی صورتیں وضع کیجائیں یا موجودہ حروف پر کوئی خاص امتیاز بڑھاکر وہی کام میں لائے جائیں۔

(۴) اعرابی حیثیت سے جتنے شوشہ مونہ سے نکلتے ہیں اون تمام کے نام رکھے جائیں اور ہر ایک کی ایک خاص صورت وضع کیجائے۔

(۵) ہر حرف پر حرکتیں لکھی جائیں۔

(۶) ہر حرف اعراب بجائے اس کے کہ نیچے یا اوپر لکھا جائے۔ حرف صحیح کے بعد لکھا جائے۔

مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ ان اصلاحات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چھاپنے کیلئے اوتنے ہی ٹائپ کافی ہونگے جتنی حروف صحیح اور حروف اعراب کی تعداد ہوگی اور ٹائپ رائٹر بھی بنالیا جاسکیگا جو اب تک نہیں بن سکا ہے۔

اس کے بعد کتاب کے تقریبًا دو ثلث حصہ میں۔ سنسکرت۔ فارسی۔ عربی انگریزی حروف اور اعراب کا مقابلہ اردو کے حروف اور اعراب سے کیا گیا ہے کہ اون زبانوں میں بمقابلہ اردو کون سے حروف و اعراب زیادہ ہیں اور کون سے حروف و اعراب کم۔ تاکہ اس مقابلہ کے بعد جو حروف و اعراب اردو میں نہیں ہیں وہ بڑھائے جاسکیں۔ اور طول طویل بحث کے بعد اضافہ حروف و اعراب نئے کے بارہ میں حسب ذیل خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔

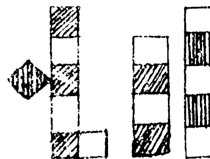
سنسکرت۔ عربی۔ انگریزی۔ زبانوں میں سے کوئی حرف قابل اضافہ زبان اردو نہیں ہے۔ البتہ فارسی کے پانچ حروف نون غنہ۔ واو معدولہ واو مجہول۔ ہائے مختفی۔ یائے مجہول کیلئے جو اس وقت بھی اردو میں استعمال کئے جارہے ہیں (مگر ان کیلئے خاص شکلیں نہیں ہیں) خاص شکلیں تجویز کرنا یا موجودہ حروف میں کسی قدر امتیاز پیدا کرنا چاہیئے۔

اعراب کیلئے بھی انگریزی سے کوئی چیز لینے کی ضرورت نہیں ہے اردو میں جس قدر اعراب مونہ سے نکالے جاتے ہیں اونکی کل تعداد ۲۳ ہے

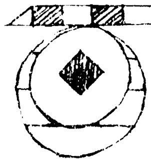
ہ عربی کے ۰ ا فارسی کے اور ۰ سنسکرت کے اس لیے ان سب کے واسطے اشکال وضع کیے جائیں۔ چونکہ موجودہ اسلامی خطوط میں کوئی خط ایسا نہیں ہے جسکے حروف ہم قامت و ہم نشست ہوں اسلیے کل اعراب و حروف کے اشکال نئے وضع کیے جائیں۔ اس کیلیے خط ثلث و کوفی سے مدد لی جائے۔

ان سب تمہیدات کے بعد مولوی صاحب نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ان تمام ضرورتوں سے بیزار ہو کر ہم نے یہ تجویز کیا کہ ایک نیا خط اختراع کریں جسمیں وہ تمام رعایتیں ملحوظ ہوں جنکا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ مولوی صاحب نے اس خط کا نام بہ رعایت سلطنت آصفیہ نظامیہ خط نظامی رکھا ہے

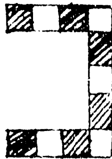
اس کتاب میں خط نظامی کے تمام حروف و اعراب کے اشکال و حدود لکھے گئے ہیں مگر نمونتاً کسی عبارت کو اوسی خط میں نہیں لکھا گیا ہے ضرورت تھی کہ کم از کم دو چار صفحوں میں خط نظامی کا نمونہ بتایا جاتا جس سے واضح طور پر نئے خط کا حسن و قبح ظاہر ہو جاتا (کتاب میں یہ لکھا گیا ہے کہ ایک نعت اس خط میں طبع کرایا گیا ہے۔ (اڈیٹر۔ بہتر ہوگا کہ الخط الاسلامی اور اس نعت کا ایک ایک نسخہ مولوی صاحب تمام اردو رسایل و اخبارات کو عنایت فرمائیں) اس غرض سے کہ ناظرین نئے خط کے صورت شناس ہوں ذیل میں اوس کے حروف صحیح و اعراب کے اشکال لکھے جاتے ہیں۔



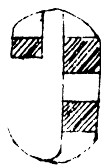
الف ہمزہ ب

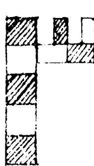


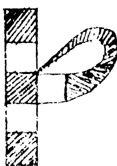
جیم

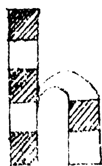


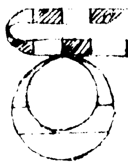
دال


ے

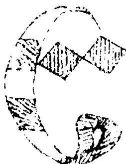

سین


صاد

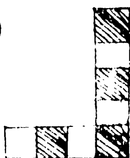

طا

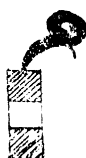

عین

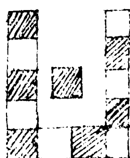

ف

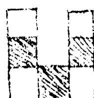

قاف

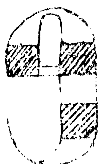

کاف

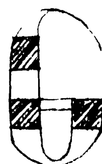

لام

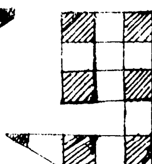

میم


نون

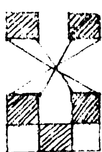

نون غنہ

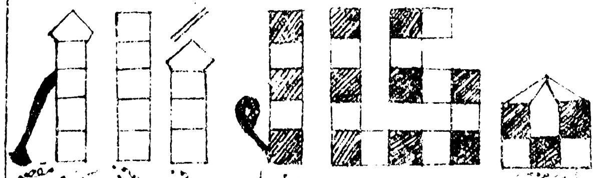

واو معروف

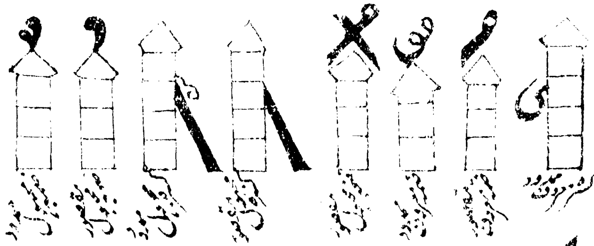

واو مجہول


واو ثانی

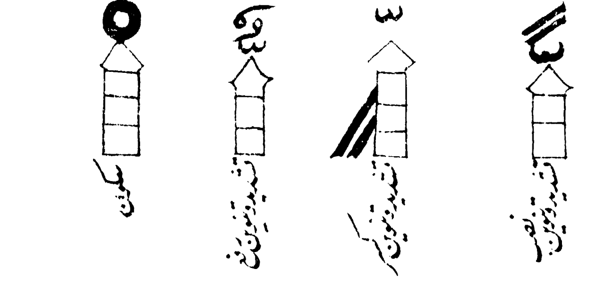

واو معدولہ


ہائے ظاہر





تنوین نصب
تنوین کسره
تنوین ضم
تشدید
تشدید مع الفتح
تشدید مع الکسر
تشدید مع الرفع



تشدید و تنوین نصب
تشدید و تنوین کسر
تشدید و تنوین رفع
سکون

مولوی صاحب کا دعوٰی ہی کہ نیا خط اس بات کی کفالت کرتا ہی کہ اگر دنیا بھر کی زبانیں نہیں تو کم از کم سنسکرت ناگری۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی کے جس لفظ کو چاہیں اصلی تلفظ کے ساتھ اسمیں بے تکلف نقل کر سکتے ہیں اور کسی لکھنے پڑھنے والے کو یہ دشواری نہیں پیش آئیگی کہ کسی حرف یا اعراب کو اوسکے اصلی تلفظ کے ساتھ ادا کرنے میں تامل ہو۔ بلکہ ہر زبان کا لفظ اوسی تلفظ میں لکھا اور بولا جا سکیگا۔

مولوی صاحب نے نئے خط کو وضع کرنے کی ایک اور وجہ یہ بھی بتائی کہ خطاطی ایک مستقل اور مشکل فن بن گیا ہے۔ موشگافیوں کے باعث اسکے ماہر اور کامل الفن استاد ہر زمانہ میں کم گذرے ہیں۔ مروجہ خطوط کا لکھنا کسی ریاضی قاعدہ کے تابع نہیں آتا ہے بلکہ بالکلیہ لکھنے والے کی مشاقی اور نظریہ منحصر ہے۔ اس کے برخلاف اون کا خط نظامی اصول ریاضی پر مرتب کیا گیا ہے۔ اور ہر نقشہ نگار بآسانی اوس کو سٹ اسکویر کے ذریعہ سے واضح اور عمدہ شکل میں لکھ سکتا ہے۔

کتاب کے چند آخری صفحوں میں مولوی صاحب نے موجودہ خطاطی کی خوبی کے عنوان سے چند باتیں لکھی ہیں اور بتایا ہی کہ اوسکی قابل قدر خوبی یہ ہے کہ اوس میں اختصار بہت ہے یہ ایک وصف ہزار وصف کے برابر ہے اسی صفت سے ہمارا موجودہ خط سنسکرت ژند۔ پہلوی۔ انگریزی ان تمام خطوط سے ممتاز ہے اس امتیاز میں وہ شارٹ ہنڈ رئینگ کے قریب قریب ہوگیا ہے غالباً واضعان خط عربی کا منشا یہ تھا کہ اس خط کو کاروباری لوگوں کیلئے کارآمد بنائیں کہ ان کا وقت اور کاغذ لکھنے میں زیادہ صرف نہو یہ صفت اس میں ضرور ہے انگریزی اور سنسکرت میں یہ بات نہیں ہے اسی وجہ سے اس کی تعلیم و تعلم کو ہم ان نقصانات اور دشواریوں کے ساتھ بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ کاروباری لوگوں خصوصاً حکام اور وکلا اور ایڈیٹران

اخبار کیلئے بہت کار آمد ہے یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ پہلے سے ہمارا خط شارٹ ہینڈ رائٹنگ کا قایم مقام ہے اگر ہمارا خط طول نگاری میں ویسا ہی ہوتا جیسا کہ سنسکرت یا انگریزی ہے تو ہم ناگزیر آج شارٹ ہینڈ رٹنگ کو سیکھنے کی کوشش کرتے مگر ہمارے موجودہ خط نے ہم کو اس سے مستغنی کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کو جب صفحہ ۱۰ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جہاں یہ لکھا گیا ہے کہ حروف کے غیر معرب ہونیکی وجہ سے کسی لفظ کا صحیح تلفظ ادا کرنا دشوار ہوگیا ہے یہ بڑا نقص ہے یہ ضرر اوس نفع سے بدرجہا زاید ہے جو مختصر نگاری میں ہے تو دونوں کا مطلب صاف صاف سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے بعد قواعد جامعہ میں مرزا ادیج صاحب نے جو طریقہ۔ اصلاح رسم الخط کا لکھا ہے اوسکو باختصار بلاکسی اظہار رائے کے لکھکر رسالہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔

یہ ہے ایک مختصر سا خلاصہ "الخط الاسلامی" کا اور اون کوششوں کا جو اصلاح رسم الخط کے متعلق اب تک عمل میں آچکی ہیں۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ **خط نظامی** فی نفسہ کیا ہے اور وہ عام طور پر مروج بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

دنیا میں سب سے زیادہ مشکل کام اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ کسی ترقی یافتہ مروج زبان۔ اور اوس کے رسم الخط کی اصلاح ہے۔ کیونکہ زبان یا خط کسی قاعدہ یا اصول پر نہیں وضع ہوتے ہیں اونکی بنیاد بیقاعدگی پر پڑتی ہے اور جب رفتہ رفتہ قواعد مرتب ہونے لگتے ہیں تو وہ خط یا زبان کے تابع ہی رہتے ہیں۔ دنیا میں کوئی زبان یا کوئی رسم الخط ایسا نہیں ہے جس میں کچھ نہ کچھ نقص اور عیوب موجود نہوں انگریزی اور اوس کے رسم الخط کو لیجیے آج دنیا بھر میں انگریزی سے زیادہ ترقی یافتہ اور مروج زبان کوئی موجود نہیں ہے مگر اوس کے باوجود وہ اس قدر بیقاعدہ اور اس درجہ بے اصول ہے کہ اوس کا اعتراف ہر انگریزی خواں کرتا ہے نہ تو حروف ہی کافی ہیں نہ اعراب ہی پورے ہیں لکھا کچھ جاتا ہے اور اُس کو پڑھا کچھ جاتا ہے

ایک ہی اعراب سے کہیں کچھ آواز نکالی جاتی ہے اور کہیں کچھ ان خامیوں کے متعلق خود مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب نے بحث کی ہے ۔ باوجود ان مشکلات کے کروڑوں اشخاص اوس کو سیکھتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد بولنے اور لکھنے پر قادر ہوجاتے ہیں ۔ رسم الخط کی ابتریوں سے خود انگریز واقف ہیں اور اون کے لایق ترین فضلاے السنہ کوشش کر رہے ہیں کہ اصلاح ہوجائے ۔ اور اصلاح کے ذرایع اور طریقے منضبط ہوچکے ہیں اون کے رواج کیلئے علاوہ بہت سے لوگوں کے مسٹر اسٹیڈ اڈیٹر "ریویو آف ریویوز" جیسا قابل مستعد ذی اثر عالم ان تھک کوشش کر رہا ہے مگر رواج عام کے سامنے کچھ پیش رفت نہیں جاتی پریسیڈنٹ روزولٹ نے چار پانچ سال قبل حکم دیدیا تھا کہ یونائیٹڈ اسٹیس (امریکہ) کے تمام سرکاری تحریرات اور کاروبار میں اصلاح شدہ رسم الخط مروج کیا جائے ۔ مگر ایک ہی سال کے بعد یہ ظاہر ہوگیا کہ اصلاح دشوار ہے اور اسی بنا پر پہلا حکم منسوخ کردیا گیا ۔ اور پرانا رسم الخط دوبارہ مروج ہوگیا جب انگریز اور امریکن باوجودیکہ آج علم و ہنر کے مالک ہیں اور لکیر کے فقیر نہیں ہے رہتے اس بات میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں کہ بجائے اوس لفظ کے جو لکھا تو جاتا ہے مگر بولا نہیں جاتا یہ کیا جائے کہ وہی لفظ لکھا جائے جو بولا جائے تو ہندوستان میں نہ صرف ہندوستان بلکہ کل عربی فارسی اردو نثر کی بولنے والوں میں از سرتا پائے رسم الخط کا رواج جو مفرد حروف میں مع اعراب لکھا جائیگا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے ۔ (اڈیٹر ۔ مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے ۔ اگر کوئی نئی چیز یورپ اور امریکہ میں فروغ نہیں پاسکی ہے تو ضرور نہیں ہے کہ وہ ہمارے ملک میں بھی رواج نہ پاسکے ۔ حالات مختلف ہیں ۔ اس وجہ سے نتایج بھی مختلف ہونگے اگر فی الوقت ہماری درسی کتابیں خط نظامی میں چھاپ کے دارس میں پڑھائی جائیں اور دس پندرہ سال کے بعد سرکاری تحریریں بھی اسی خط میں شایع ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ خط نظامی کم از کم قلمرو نظام میں رایج نہ ہوجائے)

اگرچہ اصولاً مفرد حروف کا مع اعراب لکھا جانا ہی رسم الخط کا صحیح طریقہ ہے لیکن عملاً سب سے پہلا نقصان یہ ہوگا کہ مختصر نویسی باقی نہ رہیگی جسکے متعلق خود مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب نے تفصیلی بحث کی ہے۔ کاروباری لوگوں کیلئے جسقدر مختصر نگاری کی ضرورت ہے وہ ظاہر ہے خط نظامی اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وقت۔ کاغذ۔ سیاہی۔ زیادہ صرف ہوگی (اڈیٹر:۔ اس کا دفعیہ یوں ہوسکتا ہے کہ کاروباری خط جیسا ہے جواب ہے۔ اور خط نظامی صرف کتابوں و مطبوعات کیلئے مختص کردیا جائے)

دوسرا نقصان یہ ہے کہ اگرچہ سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگ دو تین ماہ کی مشق میں نیا خط نظامی سیکھ جا سکتے ہیں لیکن کم تعلیم یافتہ جو موجودہ خط کو مشکل لکھ سکتے ہیں نیز عورتیں اور بچے اوسی قدر مشکل سے اس نئے خط سے واقفیت پیدا کرینگے جس قدر کسی نئی زبان کو سیکھنے میں پیش آتی ہے (اڈیٹر۔ یہ خرابی موجودہ نسل تک رہیگی اوس کے بعد نہیں) اس خط کو ملک میں رواج دینے اور ہر شخص کو اس سے واقف بنانے کیلئے ہزاروں لاکھوں کتابوں کی ضرورت ہوگی اور اون کیلئے ایک عظیم رقم صرف کرنی پڑیگی۔ یہ رقم کہاں سے آئیگی درحالیکہ اہل ملک کیلئے ایسے بیسیوں فرایض باقی ہیں جنہیں روپیہ کا مصرف اس سے زیادہ ضروری ہے (اڈیٹر۔ آیندہ کتابیں جو لوگ چھپوینگے اون کے جیب اس رقم کی کفالت کر سکتے ہیں)۔

تیسرا نقصان یہ ہے کہ موجودہ رسم الخط کی لکھی ہوئی لاکھوں کتابیں اردو فارسی عربی کی جواب تک بارہ سو سال سے لکھی جا رہی ہیں وہ کیا ہونگی (اڈیٹر۔ جب تک اون کا کاغذ فرسودہ نہو کام میں آتی رہینگی) موجودہ نسل کو جو موجودہ رسم الخط سے واقف ہے یہ ضرورت نہ ہوگی کہ خط نظامی میں یہ سب کتابیں نقل ہوکر اوسکو دی جائیں مگر آنے والی نسل کیلئے کیا کیا جائیگا یا تو قران شریف حدیث تفسیر فقہ عقاید صرف نحو۔ تاریخ ادب

فلسفہ حکمت۔ غرض ہر ایک موجودہ کتاب کو خط نظامی میں شایع کرنا پڑیگا ورنہ ہماری آیندہ نسل اور وحشی قوموں میں بہت کم فرق ہوگا اور اوسکو از سر نو علوم و فنون کو سیکھنا پڑیگا اور علوم و فنون کو نئے رسم الخط میں منتقل کرنے کیلئے کروڑوں روپیہ کے مصارف کی ضرورت ہوگی مثلاً قرآن شریف ہی کو لیجیے جس کے کم از کم پچاس لاکھ نسخے ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کے پاس موجود ہونگے یہ خیال کیجیے کہ نئے پچاس لاکھ قرآن شریف خط نظامی میں طبع کرنے کیلئے کس قدر وقت اور کس قدر مصارف عاید ہوں گے۔ (اڈیٹر۔ موجودہ اور آیندہ زمانہ میں اگر مطابع یہ تمام کتابیں خط نظامی میں چھاپیں تو کافی ہے۔) پھر موجودہ قرآن شریف بہ جز دفن کر دینے یا تبرک کیلئے رکھ چھوڑنے کے کیا کیے جا سکتے ہیں (اڈیٹر۔ موجودہ نسلوں کے کام آیں گے) اگر یہ کہا جائے کہ آیندہ نسل کو بھی دونوں قسم کے رسم الخط یعنے نستعلیق و نظامی دونوں سکھائے جائیں گے تو پھر کیا حاصل دوسری محنت اونکو کرنی پڑیگی اور لاطایل دو عملی میں اونکی جان پھنس جائیگی (اڈیٹر صرف خط نظامی سکھایا جائے تو کیا کافی نہ ہوگا) نیز موجودہ نسل کی غیر قوموں کو جو اردو سیکھنا چاہیں کون سا خط سکھایا جائیگا اگر ان کو نیا خط بتایا جائے تو بہ جز خط کے وہ کیا حاصل کر سکیں گے۔ زبان اور لٹریچر سے واقف ہونے کیلئے موجودہ خط کا جاننا لازمی رہیگا۔ پھر بیچارے دوہری محنت میں کیوں گرفتار ہوں؟ دونوں قسم کے خط سیکھنے سے ہمارے رسم الخط کی ایک بے نظیر خوبی کہ کتابی اور تحریری حروف ایک ہی ہیں بالکل جاتی رہیگی (اڈیٹر۔ جب مطابع تمام کتابوں کو خط نظامی میں چھاپنے لگیں گے اور ٹائپ کے سبب بہت سستے میں چھاپیں گے تو یہ تمام خرابیاں دور ہو جاینگی)

ہم مولوی سید یوسف الدین صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر مفرد حالت میں حروف مع اعراب کا لکھا جانا مناسب و ضروری ہے

ضمیمہ تعلیمات

نقل مراسلہ دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۲۸ فروردی ۱۳۲۰ف

۱۷۸۰
نشان

مرقومہ

منجانب ناظم صاحب تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی
خدمت صدر مہتمم صاحبان مدارس بلدہ و اضلاع

طلب مطلوبہ جات سامان ضروری متعلق مدارس ٹدل پرائمری علاقہ شاہی بشمول ہائی اسکول

بمقدمہ مندرجہ صدر تحریر ہے کہ براہ کرم اپنے اپنے صوبہ کے ہیڈ ماسٹر صاحبان گورنمنٹ ہائی اسکولز و فسٹ گریڈ ٹدل اسکولز و صدر مدرس صاحبان مدارس مومن آباد ہنگولی مین و مشھوارہ کھمم پیٹھ کو ایک ایک مطلوبہ سامان مصرحۂ ذیل کا جسکی مدارس مذکورہ میں فی الحال ضرورت ہے اپنے اپنے دفتر پر پیش کرنیکا حکم فرمایا جائے۔

بلاک بورڈ ایدلز میزبرائے مدرسین کرسیاں الماریاں قابل استعمال دفتر و دیگر اشیائے ضروریہ (گلوب نقشہ جات تصاویر آلات علم طبعی کتب برائے کتب خانہ ڈسک بنچ) فرش بوریہ اس مطلوبہ میں شریک نہ ہونا چاہئے مطلوبہ جات مذکورالصدر بزبان انگریزی و اردو اس نہج سے مرتب ہونے چاہیں کہ جب وہ آپ کے توسط سے دفتر ہذا پر وصول ہوں تو بصورت ضرورت اصلاً بطریق انفرادی یا اجماعی بغرض منظوری محکمہ سرکار پر پیش کیے جا سکیں۔

مخفی نہ رہے کہ ترتیب مطلوبہ جات میں ہر قسم کے فرنیچر کا امتداد یعنی طول و عرض وغیرہ بصراحت درج ہونا چاہیے اور موجودہ سامان مدرسہ کی بھی تفصیل بتانی چاہیے نیز اس بات کا بھی اظہار کرنا چاہیے کہ جو نرخ نامے سامان کے متعلق پیش کیے جائیں وہ کس فرم کے ہیں اور مطلوبہ سامان کہاں سے کس قیمت پر فروخت ہو سکتا ہے۔

دستخط
حسب شرح

سید الطاف حسین صاحب مددگار ناظم تعلیمات

مراسلہ دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۲۳ فروردی سنہ ۱۳۲۰ف

نشان ۱۰۰۷۵

مقدمہ

منجانب ناظم صاحب تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی
خدمت صدر مہتمم صاحبان مدارس بلدہ و اسمات } واپسی کتاب الرائے بمدرسہ متعلقہ اندرون یک ہفتہ بعد ختم معائنہ

بمقدمہ مندرجہ صدر نگارش ہے کہ یہ بات اکثر و بیشتر دیکھی گئی ہی کہ کم و بیش جملہ صدر مہتمم صاحبان اسمات بعد ختم معائنہ مدارس کتاب الرائے بغرض اندراج رائے اپنے ہمراہ لیجاتے ہیں اور اوسکی واپسی میں ضرورت سے زاید مہینوں تعویق روا رکھی جاتی ہے جو اصولاً و عملاً نادرست ہے اس لئے کہ مدعائے معائنہ یہ ہونا چاہیئے کہ جو نقایص و اسقام معائنہ کے وقت تعلیم و یا انتظام مدرسہ کے متعلق معلوم ہو جائیں اونکا ارتفاع و انسداد بر وقت عمل میں آئے اور یہ باحسن وجوہ جب ہی ممکن ہے کہ صدر مدرس متعلقہ کو بعجلت ممکنہ اون پر وقوف حاصل ہو لیکن بدیر واپسی کتاب مذکور میں یہ غرض ایک بڑی حد تک مفقود ہو جاتی ہے قطع نظر اسکی کسی دوسرے افسر مجاز کو معائنہ مدرسہ کے وقت عدم موجودگی کتاب الرائے سے مدرسہ کی اصلی حالت سے بیگانگت رہتی ہے اور اس بدعملی کیوجہہ سے وہ مدرسہ کے نظم و نسق ضبط و انتظام اور تعلیم و تعلم کے متعلق صحیح اور قطعی رائے قایم کرنے سے معذور رہتا ہے نظر بر آں بذریعہ ہذا ترقیم ہے کہ آپ صاحبان جب کبھی کسی مدرسہ کی کتاب الرائے اپنے ہمراہ کسی خاص وجہ سے لیجائیں تو مناسب ہوگا کہ تاریخ ختم معائنہ سے ایک ہفتہ کے اندر کتاب مذکور بدرج رائے مدرسہ متعلقہ پر واپس کر دیا کریں اور باظہار حالات خاص جسکی اطلاع راست محکمہ ہذا پر ہونی چاہیئے دوسری ہر حالت میں مدت مقررہ بالا سے مطلقاً تجاوز نہ ہونا چاہیئے فقط

شرح دستخط
سید الطاف حسین صاحب مددگار ناظم تعلیمات

نقل مراسلہ دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۱۳ فروردی ۱۳۲۰ف

نشان ۱۴۸۴

مقدمہ

منجانب ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی
خدمت صدر مہتمم صاحبان مدارس بلدہ و اضلاع } اجرائے رسالہ اخبارات بمدارس

آپ کے مدرسہ میں جو اخبارات یا رسالہ جات اپنے وقت معینہ پر وصول ہوا کریں ان کی اطلاع براہ مہربانی فوراً ایک مناسب عرصہ تک انتظار کرکے اس محکمہ پر دیجایا کرے تاکہ یہاں سے مہتمم اخبار یا رسالہ متعلقہ کو اس امر کی اطلاع دیکر آیندہ کے واسطے انھیں متنبہ کیا جایا کرے نیز جو پرچے نہیں پہونچے ہیں وہ بھی بھیجنے کیلئے انھیں لکھا جایا کرے سرکار سے جو چندہ ادا کیا جاتا ہے وہ پورے سال کا ہوتا ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اخبارات اور رسالہ جات برابر وصول نہ ہوں۔

ایک ایک نقل بہمیں غرض صدر مدرس صاحبان ہائی اسکولز بلدہ و اضلاع و مدرسہ نسوان اعزہ کے دفاتر پر روانہ کیا گیا۔

دستخط

سید الطاف حسین صاحب پرسنل مددگار ناظم تعلیمات

نتیجہ امتحان مڈل اسکول سرکار عالی بابتہ ۱۹۱۰ء

چادر گھاٹ ہائی اسکول

	شریک ۸۷ کامیاب ۱۳	۲۹	سید محمد قمر الزماں
۳	بشیر احمد	۳۰	سید محمد شفاعت حسین
۱۴	محمد عبد الرحمن	۳۳	انندی دین
۲۲	محمد ارشاد الحق	۴۵	نارائن لکھمن ٹپان کر

۴۹ ڈی گوبند راو دیسپانڈی
۵۳ سید علی احمد
۶۰ کوپیٹور کرشنا راو
۶۱ سی راگھو لو چکزبائی نایڈو
۷۱ رنگاچاری گوپال چاری
۷۴ آر ونکٹ رامنا راو

سٹی ہائی اسکول بلدہ
شریک ۱۶ کامیاب ۷

۸۰ محمد نور اللہ
۸۱ محمد روح اللہ
۸۲ احمد حسین
۸۴ فیض حسین
۸۹ محمد عبدالرحیم
۹۲ سید حسن جعفر
۹۴ دتاتری بابا راو گوڈسے

رزیڈنسی اسکول حیدرآباد
شریک ۸ کامیاب ۶

۹۵ محمد عاقل خاں
۹۶ محمد خواجہ رحیم الدین
۹۸ جی سرنواس راو رنگاچاری
۱۰۰ کیشورام کپ سامی
۱۰۱ کلور کنسلنڈ یوراجیا
۱۰۲ پانڈورنگ راو شرالکر

آل سینٹ ہائی اسکول
شریک ۱۴ کامیاب ۸

۱۰۵ عبدالسلام خاں
۱۰۷ محمد سراج اللہ حسین
۱۰۹ محمد وزیر الدین
۱۱۰ سید عبدالقادر
۱۱۱ محبوب راج
۱۱۳ چھبیل داس
۱۱۴ سید حسن الدین
۱۱۵ سید غوث الدین

مدرسہ اعزہ شریک ۴ کامیاب ۱

۱۱۹ سید محمد موسیٰ زیدی

مدرسہ مفید الانام شریک ۹ کامیاب ۲

۱۲۱ عباس علی خاں
۱۲۳ دھرم راج
۱۲۴ ڈی دیوی پرشاد
۱۲۹ سید ابراہیم

مدرسہ ویدک دھرما پرکاشکا
شریک ۴ کامیاب ۱

۱۳۳ ہنمنت شام راو بچوکلے

اسلامیہ بورڈنگ اسکول ملک پیٹ
شریک ۷ کامیاب ندارد

مدرسہ صفیہ ملک پیٹ شریک ۲ کامیاب

۱۵۱ خواجہ محمد یوشع
سیول انجینرنگ اسکول شریک
اکامیاب ندارد
جی یل کرافرڈ بائز اسکول
شریک ۵ کامیاب ۱
۱۵۴ وڈا اتعلاجان سیول
یویم اسکول نظام آباد شریک
کامیاب ۲
۱۵۷ بھگوتم سیوا راو
۱۵۸ بی پدمنابہا راو
یویم اسکول بالکوہ شریک ۲ کامیاب ۲
۱۵۹ دھرواناج سوبا راو
۱۶۰ سرنیواس چاری
یویم اسکول مومن آباد شریک ۲
کامیاب ندارد
یویم اسکول ناندیڑ شریک ۱
کامیاب ۱
۱۶۴ غلام دستگیر
ناندیڑ امدادی اسلامیہ اسکول
شریک ۱ کامیاب ندارد
یویم اسکول گولکنڈہ شریک ۲
کامیاب ۱
۱۶۶ مرزا محمد عابد حسین بیگ

ای ری دی مڈل اسکول بھونگیر شریک ۱
کامیاب ندارد
نمائگی طلبا
۱۸۰ عبدالحفیظ خاں
۱۸۷ بشیر احمد
۱۹۳ غلام احمد صدیقی
۱۹۹ غلام محی الدین خاں
۲۰۰ حسن علی مرزا
۲۰۶ کشن پرشاد
۲۱۶ میر منتظم حسین
۲۲۰ محمد عبدالقادر
۲۲۳ محمد عبدالوہاب
۲۲۵ محمد ایوب
۲۲۶ محمد فیض الدین
۲۴۱ محمد یعقوب
۲۴۸ شیخ احمد
۲۴۶ سید عباس حسین
۲۵۳ سید امداد حسین
۲۵۴ سید امتیاز حسین
۲۶۱ سید محمد مہدی
۲۶۲ سید محی الدین حسین
۲۶۴ سید ذکاوت علی
۲۶۵ سید ضامن حسینی

۲۶۹ سید یاور حسین

۲۸۳ محمد صلاح الدین

۲۸۵ راما چاری سواہکر

گورنمنٹ نارمل اسکول حیدرآباد

شریک (۱) کامیاب (۱)

۲۸۶ صغیر حسن

خانگی طلبا

۲۹۳ بلونت بابرس

۲۹۵ چمپت سرمینت

۲۹۶ دتاتری منگی کر

۲۹۷ گوندراؤ سرٹھونکر

۳۰۳ شیورام نگراس

۳۰۴ واسدیوناراین راؤ نکھرے

۳۰۶ سید غلام محمود

یونین اسکول کریمنگر شریک ۱ کامیاب ندارد

خانگی طلبا

۳۰۸ رام ناتھ چاپاکری

۳۰۹ سبراؤ کماوریو

محبوب کالج سکندرآباد شریک ۳۲

کامیاب ۱۵

۳۱۳ جلری بچیا

۳۱۴ موتی لال

۳۱۶ زین العابدین

۳۱۷ محمد عبدالوارث

۳۲۲ چنتاپلی سیوری نارائنا

۳۲۶ پامرتی کماسامی

۳۲۸ پامرتی زنگانائیلو

۳۲۹ پانیری پانڈورنگم

۳۳۰ پیلا گوبند راجلو

۳۳۱ نات منگلا منچیا

۳۳۲ نرالا کیشولو

۳۳۳ سودگھم گووند راجلو

۳۳۴ وینکی پورم ناگواچاری

۳۳۵ جوسف مچل

۳۳۷ کسنامنیم وہی کرشنا بائی

ایس-پی-جی-ای ہائی اسکول

سکندرآباد شریک ۱۰ کامیاب ۱

۳۴۶ سید احمد کبیر

خانگی طلبا

۳۵۹ داراب ہرمزجی بنگالی

ای-بی-یوٹڈل اسکول محبوب نگر

شریک ۵ کامیاب ۲

۳۸۶ ملکلاپلی لکشمیا

۳۶۹ پاسم ویلسم کرے

ایل-یم-اسکول گلبرگہ شریک ۱

کامیاب ندارد

یو یم اسکول شوراپور شریک ۱ کامیاب ندارد
ین یم اسکول یادگیر شریک ۲ کامیاب ندارد
ین یم اسکول لنجاپور شریک ۲ کامیاب ندارد
خانگی طلبا گلبرگہ شریف
۳۹۵ اناراؤ نارائن راؤ
گورنمنٹ ہائی اسکول ورنگ آباد
شریک ۱۹ کامیاب ۸
۳۹۸ مہرجی بھائی
۴۰۰ تراب محی الدین
۴۰۵ دتاتری رامچندر ربو چپاری
۴۰۷ گوپال کرشنا بھالی
۴۰۸ کشن وٹھل راؤ ساگر
۴۱۲ دتاتری بہار گوناٹل
۴۱۳ مہادیو کرشنا جوشی
۴۱۴ نارائن سداشیو جوشی
یو یم اسکول اورنگ آباد
شریک ۵ کامیاب ندارد
یو یم اسکول پیٹھن شریک ۱
کامیاب ندارد
یو یم اسکول پربھنی شریک ۱
کامیاب ۱
۴۲۳ نارائن راؤ
دی یم اسکول بسمت نگر شریک ۱
کامیاب ندارد
طلبائی اناث یم-ای-ای ڈی
گرل اسکول وقارآباد شریک ۱
کامیاب ندارد
سینٹ اینس کانونٹ ہائی
اسکول سکندرآباد شریک ۴
کامیاب ۲
۴۲۶ ربی تہاسے
۴۲۷ مس صوفیہ مورس
یوروپین ہائی اسکول
بلارم
شریک ۱ کامیاب ندارد
مسلو گرل اسکول سکندرآباد
شریک ۷ کامیاب ۲
۴۴۲ جیوترتنم سمیول
۴۴۵ ہدے سشا

خبریں

—— مسٹر سیٹن بی۔ اے پرنسپل نظام کالج عال وظیفہ یاب کو سرکار نے اون طالب علموں کی نگرانی پر مقرر فرمایا ہے جو سرکاری خرچ سے بغرض تعلیم انگلستان روانہ کیے جاتے ہیں نگرانی کی تنخواہ تین سو پچاس (۳۵۰) پونڈ یعنی پانچ ہزار دو سو پچاس روپیہ (۵۲۵۰) سالانہ مقرر ہوئی ہے ۔ بشرطیکہ طالب علموں کی تعداد بیس سے زاید ہو۔ زاید ہونے کی صورت میں فی طالب علم دس پونڈ (ایک سو پچاس روپیہ) ۱۵۰ سالانہ کا الاونس زاید دینا پڑے گا۔

—— وہ طلبا جو اپنے والدین کے خرچ سے پڑھنے گئے ہیں۔ مسٹر سیٹن کی نگرانی میں آنا چاہیں تو ان کے والدین کو باضابطہ درخواست سرکار میں پیش کرنی ہوگی۔ درخواست منظور ہونے پر دس پونڈ (ایک سو پچاس روپیہ ۱۵۰) سالانہ پیشگی دینے پڑینگے۔

—— اس نگرانی کی نسبت جو قواعد مرتب ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ ——

(۱) جو طلبا سرکاری خرچ سے انگلستان بھیجے جاتے ہیں ان کو لازم ہوگا کہ سرکاری رہنما کی ہدایت و نصیحت پر پوری طرح کاربند رہیں۔

(۲) سرکاری رہنما کا فرض ہوگا کہ جسقدر جلد ممکن ہو طالب علم سے ملکر اسکو ضروری ہدایت و آگاہی دے۔ اور اُس یونیورسٹی یا کالج میں شریک کراوے جسکی تعلیم کیلئے سرکاری وظیفہ دیا گیا ہے۔ اگر یونیورسٹی یا کالج میں فوراً شرکت نہ ہوسکتی ہو تو ایسے ذرایع اختیار کرے جس سے وظیفہ دینے کی غرض پوری ہوسکے۔ اس صورت کی اطلاع فوراً ناظم صاحب تعلیمات کو دیجائیگی۔

(۳) سرکاری رہنما ذمہ دار ہوگا کہ زمانہ تعلیم میں طلبہ ایسی جگہ قیام کریں جہاں رہنما پوری نگرانی کرسکے۔

(۴) سرکاری رہنما ہر طالب علم سے ہر کالج ٹرم میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور ملیگا اور پروفیسروں سے ملکر ہر طالب علم کے چال چلن اور ترقی تعلیم کی نسبت

اطمینان کرلیگا اور خاطر خواہ نہونے کی صورت میں طالب علم کو یا ضرورت ہو تو پرنسپل کو توجہ دلائیگا۔ اور ہر کالج ٹرم کی مدت کے چال چلن نیز ترقی تعلیم کی اطلاع ناظم تعلیمات و اسکالرشپ کمیٹی کو دیگا۔

۵۔ اگر کوئی طالب علم کسی بُرے فعل کا مرتکب ہو تو سرکاری رہنما اسکی اطلاع مع اپنی رائے کے ناظم صاحب تعلیمات اور اسکالرشپ کمیٹی حیدرآباد کو دیگا۔

۶۔ سرکاری رہنما کا کام ہوگا کہ قبل از قبل اس کا تصفیہ کردے کہ ہر طالب علم کو تعطیلات کس طرح اور کس کی صحبت میں بسر کرنا چاہیئے۔

۷۔ سرکاری رہنما کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ ہر طالب علم کے اخراجات کی وقتاً فوقتاً جانچ پڑتال کرتا رہے۔

۸۔ جو طالب علم خانگی طور پر بلا امداد سرکاری انگلستان گیا ہوا اُس سے بھی یہ قواعد متعلق ہوسکیں گے۔ بشرطیکہ اُس کے سرپرست کی تحریری درخواست ناظم صاحب تعلیمات کے پاس آئے اور صیغہ فینانس کے ذریعہ سے سرکاری منظوری حاصل ہوئی ہو۔ اس نگرانی کی بابت ہر طالب علم کو دس پونڈ (یا ایک سو پچاس روپیہ) ماہانہ کی رقم ادا کرنی ہوگی فقط

—— عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات الہ آباد کی نمایش سے واپس آکے اورنگ آباد میں مقیم ہیں۔

—— مسٹر میہو مشیر تعلیمات۔ مدراس کی کانفرنس میں شریک ہونے کو گئے تھے اب واپس آگئے۔

—— ناصر محمد صاحب مددگار مدرسہ اپر پرایمری ہنگنڈہ بمنظوری سرکار بادائی نمبر پنشن محمد عبدالقادر صاحب مقطعہ دار کے علاقہ میں تبدیل ہوئے ہیں۔

—— سعید احمد صاحب مدرس دینیات برانچ سکول ہنگنڈہ کی مدت ملازمت ۱۱ بہمن ۱۳۲۱ف کو ختم ہوتی تھی۔ لیکن ناظم صاحب تعلیمات نے تحریک کی تھی کہ تخمینہ جات میں غلطی ہوگئی ہے۔ اس لئے کارنامہ وغیرہ کے معاینہ کے بعد دفتر صدر محاسبی سرکار عالی سے صاحب موصوف کی تاریخ ختم ملازمت ۱۱ بہمن ۱۳۲۱ف قرار پائی۔

—— ناظم صاحب تعلیمات مدرسہ پرائمری شمکنڈہ کے اخراجات کو مدرسہ جگتیال کے اخراجات سے بدلنا چاہتے ہیں۔ اسکی کارروائی جاری ہے۔

—— طلبائے طغیانی زدہ رودموسیٰ کو اور ایک سال تک فیس سے معاف رکھنے کی منظوری صادر ہوی ہے۔

—— چونکہ پربھنی میں طاعون پھیلا ہوا ہے اسلئے طاہر حسین صاحب صدر مدرس مڈل سکول کو مدرسہ فوقانیہ بلدہ میں اور غلام علی صاحب بوشہری اور عسکر علی صاحب کو رزیڈنسی مڈل سکول میں کام کرنے کا حکم ہوا ہے۔

—— مرزا اسکندر بیگ صاحب سررشتہ دار تعلیمات صوبہ میدک کا تبادلہ مددگاری مڈل سکول لسچورپر مساوی تنخواہ سے عمل میں آیا اور انکی جگہ مرزا محمد جعفر صاحب میر منشی کو مستقلانہ ترقی دیگئی۔ میر منشی کی خدمت پر محمد ابراہیم صاحب نائب میر منشی فائز ہوے۔

—— سید محمد حسن آزاد صاحب مددگار مدرسہ بھونگیر و سید شرف علی صاحب مددگار مدرسہ نظام آباد کا بہ تراضی طرفین تبادلہ عمل میں آیا۔

—— محمد حسین صاحب مدرس راجم پیٹ تعلقہ کاماریڈی مواجبی (۵۷) نے انتقال کیا اُن کی جگہ عباس علی صاحب مددگار مدرس مدرسہ بینگنڈلہ کو (عقال) کی ترقی دیگئی۔

—— فقیر محمد صاحب منشی فاضل و میٹرک پاس مواجبی (۳۵) مدرس بھونگیر کا تقرر ہائی سکول اورنگ آباد میں (۵۰) پر ہوا ہے اور اُنکی جگہ عبد الحی صاحب صدر مدرس پرگی کو دی گئی ہے۔

—— اب تک مستقل صدر مہتمم صاحب صوبہ بیدر نے مدارس متصل ظہیرآباد پیٹ کا دورہ کیا ہے۔ اب ۲۹ فروردی ۱۳۲۰ف سے مولوی عبد الحق صاحب بی۔اے منصرم صدر مہتمم نظام آباد کے دورہ میں مصروف ہیں۔

—— اسپیشل کا امتحان بموجب نصاب سالگذشتہ اس سال بھی دی ۱۳۲۱ف میں ہوگا

—— ناظر صاحب نظام آباد کا تبادلہ بیڑ پر اور ناظم صاحب کریمنگر کا نظام آباد پر ہوگیا ہے

—— محمد علی صاحب مدرس مکتھل کے انتقال کیوجہ سے عبد الحی صاحب منشی فاضل صدر مدرس مدور مواجبی عسہ اور عبد العزیز صاحب مددگار ناراین پیٹ مواجبی صہ اور شیخ محبوب صاحب مددگار مکتھل مواجبی عہ کو سلسلہ وار پانچ پانچ کی ترقی دیگئی - آخری دس کی جگہ پر از راہ پرورش ابو الحسن صاحب برادر زادہ مرحوم کا تقرر عمل میں آیا -

—— اس ہفتہ میں چادر گھاٹ ہائی اسکول کے طلبہ نے فٹ بال میچ کے جلسہ میں صہ مہتمم صاحب مدارس بلدہ کو بھی مدعو کیا تھا وہاں جناب موصوف نے جو لکچر دیا اس کا ماحصل حسب ذیل ہے -

"مجھے آج چادر گھاٹ ہائی سکول کے انٹر کلاس فٹ بال ٹورنمنٹ کے فائنل کھیل دیکھنے سے بڑی مسرت حاصل ہوی -

طلبہ میں ہر قسم کے کھیلوں کا شوق پیدا کرنا ضروری ہے یہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ وقتاً فوقتاً ٹورنمنٹ منعقد کئے جائیں ہمارے آقائے نعمت خلد اللہ ملکہ نے بارہا اس امر پر زور دیا ہے کہ طلبہ کی دماغی تعلیم کے ساتھ جسمانی ورزش کا بھی خیال رکھا جائے اور یہ دیکھنے سے بڑی مجھی مسرت ہوتی ہے کہ ہمارے مدارس کے طلبہ حضرت اقدس و اعلی کے اس ارشاد مبارک کی تعمیل کر رہے ہیں -

اب چند الفاظ فٹ بال کے متعلق بیان کرتا ہوں یہ ایک مردانہ اور صحت بخش کھیل ہے اور اسمیں بازی لیجانے کیلئے محنت صبر و استقلال بہادرانہ عزم اور سب سے بڑھکر متفقہ کوشش درکار ہے - اے طالب علمو! میں امید کرتا ہوں کہ جسطرح تم نے ان مذکورہ بالا صفات کو اس کھیل میں استعمال کیا ہے اسی طرح جب زمانہ سے مقابلہ کرنے کا وقت آئیگا تم اوس وقت بھی ان صفات سے کام لوگے -"

—— ۸ - ۱ ردی بہشت ۱۳۲۰ف کو آل سینٹ انسٹیٹیوشن میں فٹ بال ٹورنامنٹ

کا فائنل ہے۔ نظام کالج اور آل سینٹ انسٹیٹیوشن کا مقابلہ ہوگا۔ جیتنے والے کو مسٹر میہو شیر تعلیمات انعام تقسیم کریں گے۔

منظوریات

—— مسٹر رام راؤ ایم اے کا تقرر خدمت ڈمانسٹریٹر سائنس پر نظام کالج کیلئے بماہوار ۱۰۵ عمل میں آیا۔

—— ہائی سکولوں کیلئے رسالہ صحیفہ کی ۷ کاپیاں سرکاری خرچ سے خریدی گئیں۔

—— مدرسہ نپکتار تعلقہ کلبگہ اور مدرسہ آستاپور تعلقہ بھونگیر کیلئے ایک ایک جدید مددگار کی منظوری صادر ہوئی۔

—— مسٹر کے۔ جی۔ کالے سابق صدر مدرس مدرسہ رائچور کیلئے سرکار سے انعام منظور ہوا اور تین ماہ کی واجب الادا تنخواہ دینے کی منظوری صادر ہوئی۔

—— مڈل سکول متھوارہ میں دو بیت الخلا تعمیر کیے گئے ہیں اس لیے ایک خاکروب مواجبی (للعہ) ماہانہ کے تقرر کی منظوری سال رواں سے صادر ہوئی۔

—— مدرسہ مذکور کے فرنیچر کے لئے مالمعہ کی منظوری دی گئی ہے۔

—— مدرسہ نسوانیہ متھواڑہ کے کرایہ میں سال رواں کے شروع سے عہ کا اضافہ منظور ہوا ہے۔

—— مڈل سکول کھمم کا مکان قریب الانہدام ہونے سے سرکار نے (۵ عہ) ماہانہ کرایہ کی منظوری تا تعمیر مکان مذکور صادر فرمائی ہے۔

—— ترمیم مدرسہ اپرپرائمری تعلقہ مریال گوڑہ کے لئے (۵ عہ) کی منظوری صادر ہوئی ہے فقط

مدرس صاحبوں اور ناظر صاحبوں کی خدمت میں خاص طور پر التماس

اگر آپ کی منظوری کہ رسالہ آپ کیلئے زیادہ دلچسپیاں پیدا کرے تو جہاں تک ممکن ہو اسکی توسیع اشاعت میں کوشش کیجئے اور اپنے دوست احباب کو اس ضمیمہ کی اطلاع دیجئے اور خریداری کی توجہ دلائے۔ اڈیٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر ۶ صحیفہ جلد ۶

زمزمۂ توحید

ربیع الاول کا مہینہ مسلمانوں میں عید کا مہینہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اسی مہینہ میں خدا کی رحمت بدرجہ اتم ذریعہ ختم المرسلین محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا پر نازل ہوئی اور مئے توحید سے مشام عالم تازہ ہوگیے اس لیے نامناسب نہ ہوگا اگر ذریعہ صحیفہ بابتہ اردی بہشت سنہ ۱۳۲۰ف توحید کے متوالوں کی "زمزمہ توحید" سے ضیافت طبع کیجائے اور فدائیان رسول کو "ترانہ نعت" سے مست بنادیا جاے امید کہ ذیل کی نظمیں جو موقت میں نہایت ذوق و شوق سے پڑھی جائینگی۔

رباعیات

(۱)

بتلا نہ سکا فلسفہ پایہ تیرا
کچھ بھید سمجھ ہی میں نہ آیا تیرا
حیران ہیں سب عقل کے پتلے تیرا
پایا ہی سراغ جس نے پایا تیرا

(۲)

تو گل نہیں اور گل میں رنگ و بو ہی
تو کعبہ نہیں کعبہ میں ہی ہر سو ہی
تیری ہی طرف نہیں اشارہ ممکن
پھر سارے جہاں میں صرف تو ہی تو ہی

(۳)

جو جانتے ہیں صرف وہی جانتے ہیں — باقی ترے ہونے کو فقط مانتے ہیں
تو کون ہے؟ کس طرح سمجھ میں آئے — خود کون ہیں جب یہ نہیں پہچانتے ہیں

(۴)

بھولے ہیں غفلتوں کے مارے بندے — غمگین ہیں حسرتوں کے پیارے بندے
یہ رحمت عام بھی ہے وحدت کی دلیل — ہیں ایک تری نظر میں سارے بندے

(۵)

کثرت میں بھی وحدت آرائی ہے — ہر فرد نے صورت ہی جدا پائی ہے
تنکا تنکا ہے اک دلیل توحید — ذرہ ذرہ گواہ یکتائی ہے

(۶)

خطاب بہ انسان

گم ہم میں ہے اے ذرہ نابود ہے تو — محدود ہے تیری عقل محدود ہے تو
مغرور جو اس اتنا ناداں نہ بن — موجود نہیں وہ اور موجود ہے تو

(۷)

بد مست خودی نہ اے خود آرا بن جا — خود اپنے لیے آپ نہ پردہ بن جا
زنجیر تعینات ٹکڑے کر دے — اے قطرۂ یم پھیل کے دریا بن جا

محمد قطب الدین تسلی حیدرآبادی

ترانۂ نعت

(ﷺ)

رباعیات

(۱)

سرور رسل ہاشمی مطلبی — پیغمبر حق مدنی العربی
جز امتی امتی ورا فکر نبود — امی و ابی فدائے امی لقبی

سویداش برائے خال سویدا گردید — نقش قدمش چوں ید بیضا گردید
(۲)
احمد احد ست از جلال وے لیکن — لب بند شد و میم پدید گردید

اللہ نے مثل اوس کا بنایا ہی نہیں — یہ پایہ کسی نبی نے پایا ہی نہیں
(۳)
لمعان تجلی کا کہاں تک ہو بیاں — حد یہ ہے کہ اس پری کا سایہ ہی نہیں

ہاں کیا ہوا بے سایہ اگر ذات ہوئی — ٹکڑے کیا چاند کیا کرامات ہوئی
(۴)
دن رات تھا جلوۂ خدا پیش نظر — معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی

مخمس

راحتِ دل دلِ بیتاب میں جا لے آجا — بختِ خفتہ کو بھی اک بار جگا لے آجا
اے مرے چاند مرے گھر کے اُجالے آجا — خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹا لے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

اشک آنکھوں میں ہیں اور لب پہ ہیں نالے آجا — زخمِ دل زخمِ جگر ہو گئے آلے آجا
دل ہوا داغ پڑے جان کے لالے آجا — بیکسی پہ مری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

رحمتِ عالمیاں کون ہوا تیرے سوا — کس کی تعریف میں ہے آیۂ لولاک لما
چاند دو ٹکڑے بھلا کس کے اشارے سے ہوا — کون ہے ماہِ عرب کون ہے محبوبِ خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

ہوش طولِ شبِ فرقت نے اڑا رکھا ہے — عقل کو طاق پہ نسیاں کے اٹھا رکھا ہے
بس ہوا سانس نے اب جسم میں کیا رکھا ہے — دم تری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے
لب پہ ہے دم ترے بیمار سنبھالے آجا

دھیان میں میرے گناہوں کو اگر لاتے ہیں — کاتبِ نامۂ اعمال بھی شرماتے ہیں
کیا کفن خاک احباب مجھے پہناتے ہیں — ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا

نوک کی سیتے ہیں اب خار بیابانِ صراط — پاؤں کٹ کٹ کے ہوئے جاتے ہیں ترا آن صراط

دو قدم طے نہیں ہو سکتا ہی میدان صراط　　دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفان ہراط
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

تیری کیا بات ہے کیا شان ہی اللہ غنی　　تو ازل سے ہوا گنجور جناب احدی
گنج اسرار کی ہے ہاتھ میں تیرے کنجی　　وقف ہے تیرے لیے دولت کنز خفی
کھل گیے ہفت سماوات کے تالے آجا

گھر سے وہ ماہ عرب جب شب معراج چلا　　راہ میں آنکھیں بچھاتے تھے فرشتے ہر جا
کر کے سب منزلیں طے تا بمقام اقصٰے　　پہونچا محبوب تو مشاطہ رحمت نے کہا
خلوت راز میں اے ناز کے پالے آجا

تری تسلیم کو خم گردن افلاک ہوی　　فخر کے ساتھ زمیں نے تری پابوسی کی
دونوں عالم کی تجھے ہم نے حکومت دیدی　　ہم نے خوش ہو کے تجھے ساری خدائی بخشی
اپنے بندوں کو کیا تیرے حوالے آجا

اس بیاباں میں نہیں خار من و تو کا نشاں　　کفر سے کوئی غرض ہے نہ خیال ایماں
یاں نہ کثرت کی جگہ ہے نہ دوئی کا امکاں　　رنگ وحدت ہے یہاں غنچہ وحدت میں نہاں
اے گل گلشن لولاک لما لے آجا

دیکھیں کب تک ابھی قسمت میں ہی آنسو پینا　　اے مسیحا نفس اب ہوگیا مشکل جینا
ہوتے جاتے ہیں مرے زخم برنگ مینا　　صورت لالہ ہے پر داغ بیاں کا سینہ
پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

صلوا علیہ و آلہ

یک شب بسنہ کون و مکاں در شوق رب دو جہاں　　بگذشت از نہ آسماں بلغ العلا بکمالہ
از پر تو ماہ عرب در جلوہ محبوب رب　　زد خندہ بر خورشید شب کشف الدجی بجمالہ
بدر اتم مہر کرم نیکو شیم خیر الامم　　کہف الوری شاہ ہدی حسنت جمیع خصالہ
امجد نداد و در جہاں ہای صاحبان من ثنا　　خواہید گر ز آتش اماں صلوا علیہ و آلہ

سید احمد حسین امجد حیدرآبادی

دھونسا

(سلسلہ کیلئے دیکھو نمبر ۴ جلد ۶)

مرزا کا حیدر آباد پہونچنا

مرزا کے ایک عزیز اور مددگار رفیق میر کریم الدین حسین بلگرامی تھے مرزا نے پہلے ہی اون کو حیدر آباد بھیجدیا تھا جنہوں نے اونکی عرضیں پیشگاہ سرکار میں گذرانی تھیں اس لیے حیدر آباد پہونچتے ہی اس کا امرائے حیدر آباد سے سلسلہ ملاقات جاری ہوگیا۔ سب سے پہلے اُس نے نواب وقار الدولہ بہادر سے شرف نیاز حاصل کیا۔ اور پھر اون کے توسط سے میر موسیٰ خان بہادر رکن الدولہ مدار المہام سرکار عالی کے پاس نذر گذرانی اور سر کوبی راجہ سیوا کول کی استدعا کر کے خدمت سابقہ پر اپنی بحالی چاہی۔ رکن الدولہ بہادر کو مرزا کے اوصاف اور اوسکی آمد کی اطلاع میر کریم الدین حسین بلگرامی کے ذریعہ سے ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ بہت ہی تپاک سے ملے۔ مرزا کے حالات بغیب خاطر سنے۔ اور اسے ہر طرح سے اطمینان دلا کر اس کا معروضہ اپنی رائے کے ساتھ پیشگاہ سرکار میں روانہ فرمایا۔

منظوری مرافعہ میں تعویق اور مرزا کی پریشانی

اس زمانہ میں بندگانعالی بلغ گورہ بند اس کے اطراف سیر و تفریح میں مشغول تھے اس لیے احکامات سلطنت چند روز تک ملتوی رہے یہاں تک کہ مرزا کو حیدر آباد آئے ہوئے چار مہینے گذر گئے اس مدت میں مرزا نے بہت کچھ کوشش کی مگر ملازمت سے بہرہ اندوز نہ ہو سکا۔ اب مرزا پر عسرت اور افلاس کی وجہ سے سخت تکلیف گذرنے لگی۔ اس کی فوج پر فاقہ کشی کی نوبت آگئی اور وہ بہت ہی پریشان ہوگیا۔ اگر نواب مدار المہام بہادر کی نظر التفات اس پر نہ ہوتی اور وہ وقتاً فوقتاً اسکی امید کو نہ بڑھاتے رہتے تو مرزا اپنی تمام فوج کو رخصت کر دینے پر مجبور ہو جاتا۔

مرزا کا خدمت سابقہ پر عود کرنا

اعلیٰحضرت کو سیتا رام راج کی سرکوبی اس بغاوت کی پاداش میں جو اس نے میر شہاب الدین خاں بہادر کے مقابلہ میں کی تھی منظور تھی۔ جب آپ سیر و تفریح سے فارغ ہوئے اور مرزا کی عرضی ملاحظہ سے گذری تو آپ نے صوبہ داری سیکاکول پر نواب میر حسن علی خاں بہادر قطب الدولہ کا تقرر فرمایا اور مرزا ابراہیم بیگ خاں کو خطاب "فاضل بیگ خاں" سے سرفراز کرکے بغرض تنبیہ سیتا رام راج نواب قطب الدولہ بہادر کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ مرزا بہ نیل مرام نواب صاحب کے ساتھ سیکاکول پہونچا۔ اور رائیناگرا قیامگاہ راجہ مذکور تک تاخت و تاراج کرکے اس کا محاصرہ کرلیا سیتا رام راج مرزا کے مقابلہ سے عاجز آگیا اور اس نے امن کی درخواست کی۔ نواب قطب الدولہ بہادر نے بمصلحت وقت سیتا رام راجہ کے قصور کو معاف کردیا اور صوبہ سیکاکول پر بآسانی قابض و متصرف ہوکر مرزا کو اس کی سابقہ خدمت دیدی۔

مرزا کا انگریزوں کی ماتحتی میں آجانا

تذکرہ نرل میں لکھا ہے کہ سرکارات سیکاکول، راجمندری، مچھلی بندر، کونور، کوندیر کونڈپلی کے محاصلات کی آمدنی ایک فرانسیسی فوج کے اخراجات میں مقرر تھی۔ اس فوج کے افسر کا نام بوسی تھا۔ جب امیر الممالک نواب صلابت جنگ بہادر اور فرانسیسیوں میں مخالفت پیدا ہوگئی تو کارپردازان سرکار عالی نے سات لاکھ روپیہ سالانہ کے معاوضہ میں [illegible] مورخہ [illegible] رمضان المبارک سنہ ۱۱۷۲ھ سرکارات مذکورہ انگریزوں کے [illegible] دیدیں۔ لیکن "خصوصیات حضور نظام" میں کرنل ہیگ فریزر کی مولفہ کتاب "ہمارے وفادار دوست نظام" کے حوالہ سے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

نوٹ:۔ سابق میں سرکار ضلع کو کہتے تھے اور اس کے انتظام حفاظت و وصولی مالگزاری کیلئے ایک عہدہ دار حاکم کا تقرر کیا جاتا تھا اور وہ بعد وضع اخراجات وغیرہ سالانہ مقررہ رقم بادشاہ کو بھیجتا تھا۔ ۱۲

"۱۷۶۵ء میں آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ عالم بادشاہ غازی سے سرکار
شمالی کی سند دیوانی حاصل کرلی۔ لیکن یہ سرکاریں صوبہ دکن سے متعلق تھیں اور جناب
حضور نظام فرانسیسوں کو بطور جاگیر فوجی خدمات کے معاوضہ میں اس زمانہ کے دستور
کے مطابق دیگئی تھیں۔ چونکہ اس زمانہ میں سلطنت دہلی کمزوروں کی خرابیوں اور وہاں
کے طرز عمل کے باعث صوبہ دکن نے مملکت آصفیہ کا جامہ زیب بر کرلیا تھا۔ اس لیے
انگریزی کمپنی اس سند کے ذریعہ سے دیوانی سرکارین پر متصرف نہیں ہوسکتی تھی لہذا اس
مقصد کی تکمیل کے لیے اس کو فرمانروائے دکن کی مدارات کرنی پڑی اور اعلیحضرت میر نظام علی
خاں بہادر نظام دکن سے سند ذیل مجدداً حاصل کرلی۔

"دیسمکھ۔ دیسپانڈیہ۔ مقدمان۔ کاشتکاران۔ اور رعایائے سرکار راجمندری
ایلور۔ مصطفےٰ نگر۔ سیکاکول۔ مرتضیٰ نگر متعلقہ صوبہ حیدرآباد دکن کو معلوم ہو کہ ہم نے
بکمال مراحم و عنایات ۹ جمادی الثانیہ ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۷۶۶ء کو تمامی علاقہ
سرکارین مذکور باستثنائے جاگیر مصطفیٰ نگر عرف قلعہ کونڈاپلی معہ معمولی مواضعات تعلقہ
کان الماس پورہ وغیرہ انگریزی کمپنی کو جنکی عرضی ہمارے روبرو پیش اور منظور ہوئی دوام
بطور انعام یا بخشش کے عطا اور مرحمت فرمایا ہے۔ جسکے عوض میں مذکورہ بالا انگریزی
کمپنی نو لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرتی رہیگی اور جملہ اخراجات سہ بندی و آفات ارضی و سماوی
کی ذمہ دار ہوگی۔ اس لیے تم ہمارے دیسمکھان مذکورہ بالا وغیرہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ بدل
جمعی کمپنی کے نائبوں کی ماتحتی میں رہو اور انکی واجبی مالگذاری وقت معینہ پر ادا کرتے
رہو ؎

؎ اس عہدنامہ کی دفعہ نہم یہ تھی۔
" دفعہ نہم جب اعلیحضرت موسم سرما بسر کرنیکے مقام پر دولت افروز ہونگے اور دوسرے سرداروں
کی فوج کو موسم سرما بسر کرنے کی اجازت ملیگی تو کمپنی کی فوج بھی اپنے حدود کو جانے کی اجازت پائیگی۔"
دفعہ ۸ مذکورہ بالا سے بخوبی واضح ہے کہ کمپنی کی فوج بھی مثل دیگر سرداروں کی فوج کے تھی
اور مالک آقا اور ملازم نوکر کی حیثیت رکھتے تھے۔ معاملہ بالعکس نہ تھا ۱۲۔

اس انقلاب کے بعد قطب الملک صوبہ دار سیکاکول ایک لاکھ روپیہ سالانہ سرکار انگریزی سے بطور معاش مقرر کراکے خانہ نشین ہوگیا مگر مرزا دھونسا بدستور اپنی خدمت پر مامور رہا اور اوس نے سرکار انگریزی کی ماتحتی قبول کرلی۔

سفر ترنامل

چند روز کے بعد سرکار انگریزی نے مرزا کو امیرالہند والا جاہ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجدیا کہ وہ چیناپٹن کے بعض ضروری انتظامات کی انجام دہی کرے مرزا حسب الحکم ترنامل کو روانہ ہوا اتفاقاً رستہ میں نیدار سے اس کو مقابلہ کرنا پڑا اور اس پرخاش میں اس کے بارہ سوار کام آئے۔

افواج آصفی کے مقابلہ میں مرزا کا شکست پانا۔

جب مرزا امیرالہند کی خدمت میں پہونچا۔ تو قلعہ کا دیری ٹپن کی حفاظت اس کے سپرد کردی وہ اپنی جرار فوج اور انگریزی پلٹنوں کو ساتھ لیکر قلعہ مذکور کو چلا گیا اور وہاں اوسکو ہر طرح مخالفین کے حملوں سے بچانے کی فکریں کرنے لگا اس اثنا میں سرکار عالی کی فوج نے حیدر علی خاں کی مدد و معاون ہوکر قلعہ پر حملہ کیا مرزا نے آنے والی فوج کو بہت کچھ روکا لیکن چونکہ اسکی تعداد زیادہ تھی مرزا کے بنائے کچھ نہ بنی اور فوج سرکار عالی نے قلعہ کا دیری ٹپن پر قبضہ کرلیا مرزا اور اوسکی باقی ماندہ فوج چیناپٹن کو بھاگ گئی۔

مرزا کا حضور کے پاس امیرالہند کی سفارش پہونچانا۔

اس کے بعد بندگانعالی نے حیدرآباد اگر بغرض مصالحت نواب رکن الدولہ بہادر مدارالمہام سرکار عالی اور وقارالدولہ بہادر کو نواب امیرالہند والا جاہ کے پاس چیناپٹن روانہ کیا جب یہ دونوں والا جاہ سے ملاقات کرکے شرایط صلح طے کرچکے تو رخصت کے وقت والا جاہ نے مرزا دھونسا کا ہاتھ نواب رکن الدولہ کے ہاتھ میں دیا۔ پہلے مرزا کی امانت و دیانت کی بہت تعریف کی اور پھر فرمایا کہ اوس شخص نے قابل قدر خدمتیں انجام دی ہیں جن کا کافی صلہ ہم بھی اسے دے سکتے تھے۔ مگر یہ سرکار عالی کی ملازمت کا بیحد شایق ہے لہذا اون کی

خدمت میں اماناً روانہ کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ یہ اسکی نماز کا رگزاری سے بہت خوش ہونگے اور یہ بہت کام آئیگا۔"

دربار آصفی سے مرزا کا سرفراز ہونا

مدارالمہام بہادر لطیف خاں مرزا کو اپنے ساتھ حیدرآباد لائے اور حضور پرنور کے دربار میں امیرالہند کے کاغذات سفارش کے ساتھ پیش کیا چونکہ حضور نے مرزا کی جلادت اور بہادری قلعہ کاویری پٹن پر ملاحظہ فرمائی تھی اس لیے ازراہ عنایت وقدردانی تعلقہ کھمم و نلگنڈہ مرزا کو سرفراز فرمایا اور پھر چند ہی روز کے بعد سرکارات رام گیر و ایلگندل اور بعض مواضع سرکار ناندیڑ اس کے تفویض کیے۔

سرکارات مفوضہ کا انتظام

اوس زمانہ میں سرکارات ورنگل کھمم و ایلگندل کے زمیندار بالکل باغی ہوگیے تھے۔ وہ رہزنوں اور بدمعاشوں کے ساتھ سلوک و سلوک اور رعایتیں کرکے انھیں اپنے پاس رکھا کرتے اور اون کے حاصل کردہ مال مغروقہ سے حصہ لیتے ادائی زرمالگزاری میں پہلوتہی کرتے اور جو حاکم وصول مالگزاری کی کوشش کرے اُسے انھی بدمعاشوں کے ذریعے سے ہر قسم کی تکلیف اور نقصان پہونچانا ان کا شعار ہوگیا تھا کسی حاکم یا عامل کی ماتحتی وہ ہرگز قبول نہیں کرتے تھے۔ اور باوجود متواتر کوششوں کے اوس سرزمین میں امن قایم نہیں ہوا تھا جب مرزا یہاں کا کارفرما ہوا تو اوس نے ان زمینداروں کی سرکوبی نہایت ہی بیرحمی سے شروع کردی۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی بیرحمی سیاست کے اعلی اصول میں داخل ہے۔ بدمعاشوں اور سفاکوں پر کچھ بھی شفقت کرنی خلق اللہ کے خون میں ہاتھ رنگنا ہے مرزا نے اونھیں سخت سخت سزائیں دیں اور اکثر بڑے بڑے سرکش زمینداروں کو بُری طرح سے قتل کیا جس کا یہ مبارک نتیجہ ہوا کہ چند ہی روز میں اس کے تمام علاقے شور و شر سے پاک ہوگئے اور اس میں پیدا امن و امان قایم ہوگیا۔

آسی راؤ زمیندار پالونچہ کی سرکوبی اور خطاب کا اضافہ

چنانچہ آسی راؤ

زمیندار پالونچہ قوم الیمیمیسا ور رایی وار کی سپاہ جمع کر کے بعید خود سر ہو گیا تھا۔ اور
ادائی زر مالگزاری میں پہلو تہی کر رہا تھا جب پالونچہ مرزا کے علاقہ میں آگیا تو اوس نے
فوراً ہاں پہونچکر زمیندار مذکور کے مکان اور اس کے تمام مال و متاع کو ضبط کر لیا۔
زمیندار مقابلہ کی تاب نہ لاکر موضع جلوری کی طرف بھاگ گیا مرزا اللہ یار بیگ خاں۔
(مرزا ابراہیم بیگ خاں دھونسا کے بڑے بھائی) نے اوس کا تعاقب کیا اور اوسکو
گرفتار کر کے اس کا سر کاٹ لیا۔

تذکرۂ نزل میں لکھا ہے کہ اس کارگذاری اور بہادری کے صلہ میں مرزا ابراہیم
بیگ خان دھونسا کو "ضابط جنگ" اور مرزا اللہ یار بیگ خاں کو "ثابت جنگ"
خطاب ملا۔ مگر صاحب تزک آصفیہ و حدیقتہ العالم کا بیان ہے کہ جب مرزا ابراہیم
بیگ خاں نواب رکن الدولہ بہادر کے ساتھ چینا پٹن سے حیدرآباد آیا۔ اور باریاب
دربار ہوا تو بندگانعالی نے ۱۵ ربیع الثانیہ سنہ ۱۱۸۳ھ کو اُسے خطاب "ضابط جنگ"
اور سرکارات کھمم و الگندل سرفراز فرمائیں۔

فتح قلعہ و ملیپ کنڈہ اس تاخت و تاراج سے بفتح و ظفر فارغ ہو کر اور بہت
سا مال غنیمت حاصل کر کے مرزا قلعہ و ملیپ کنڈہ
پر قابض ہو گیا اور اُسے نہایت مستحکم بنا کر قلعہ ظفر گڈہ سے موسوم کیا۔ اور تمام مال
غنیمت اس میں بحفاظت رکھدیا۔

تسخیر کرکٹہ اسی زمانہ میں زمینداران کرکٹہ نے بغاوت اور سرکشی کی
اس لیے نواب میر نظام علی خاں بہادر سرکار نے ان کی
تہدید و تنبیہ کا ارادہ فرمایا اور مرزا کو قلعہ ظفر گڈہ سے طلب کیا مرزا فوراً قلعداری
ظفر گڈہ پر جگیا پنڈت کو مامور کر کے حاضر بارگاہ ہوا اور ایک جرار فوج اور زمیندارا
کے ساتھ جس میں راجہ لعل کمیری ہنگا۔ قلعدار قندھار دکن بھی تھا۔ اس مہم پر روانہ ہو گیا
یہ فوج حیدرآباد سے ۶ شعبان المعظم سنہ ۱۱۸۴ھ کو روانہ ہوئی ۲۸ ذی قعدہ کو اوس
نے مورچہ بندی کی اور ۹ ذی قعدہ کو حسب دلخواہ زمینداران کرکٹہ کو مطیع کر لیا

کرکٹہ حیدرآباد سے جنوبی و غربی جانب کوہستان اور خارستان پر واقع ہے یہاں کے زمیندار ہمیشہ سے سرکشی اور بغاوت کے عادی تھے کسی عامل یا حاکم کی اونھوں نے اطاعت نہیں کی تھی مرزا کا ایسے پرخطر اور دشوار گذر مقام پر فوراً پہونچنا اور دو ہی روز میں وہاں کے زمینداروں کو اپنا مطیع و منقاد بنالینا ایک خداداد کامیابی تھی

تسخیر قلعہ کلیانی

اس مہم سے واپس ہونے کے بعد راجہ رامچندر قلعدار کالیانی جو بوجہ نافرمانی و بغاوت سنہ ۱۱۴۸ء میں قلعہ گولکنڈہ میں قید کردیا گیا تھا۔ مرگیا۔ اور اسکی اہلیہ تیاری ساز و سامان حرب و استحکام قلعہ کا انتظام کرکے سرکارعالی کی اطاعت سے منحرف ہوگئی اس لیے سرکارعالی نے چند امرا کے ساتھ مرزا دھونسہ کو اسکی تنبیہ کا حکم دیا۔ مرزا نے بہت ہی آسانی سے اس مہم کو سر کیا (اور بقول صاحب تزک آصفیہ) ۱۸ ذیحجہ سنہ ۱۱۴۸ء کو قلعہ کلیانی ہوا خواہان سرکارعالی کے زیر حکومت آگیا۔ عہ

مرزا کو نرمل بطور جاگیر سرفراز ہونا

ان جانبازیوں کے انعام میں نرمل مرزا کو بطور جاگیر سرفراز ہوا اس زمانہ میں نرمل گنگاراؤ کے زیر حکومت تھا اور یہ شخص خودسری اور تعصب میں مشہور تھا اس لیے مرزا نے بلا امداد سرکار نرمل جانے اور اوس پر تسلط حاصل کرنے میں پس و پیش کیا اور نواب رکن الدولہ بہادر کے ذریعہ سے بندگانعالی کی امداد چاہی۔ مرزا کا معروضہ اعلیحضرت نے قبول فرمایا اور خود بنفس نفیس تسخیر نرمل کا ارادہ کیا۔

تسخیر قلعہ نرمل

محرم الحرام سنہ ۱۱۸۵ کے عشرہ مبشرہ کے بعد سرکارعالی کی فوج نے قلعہ نرمل کا محاصرہ کیا اور مرزا دھونسا نے موضع الیمہ پلی میں جو نرمل سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے مورچہ بندی کی گنگاراؤ نے چھ روز تک شاہی لشکر کا مقابلہ کیا اور بعد میں عاجز آکر حیدر آقا جمعدار سے پناہ مانگی جمعدار مذکور نے

عہ حدیقۃ العالم میں تاریخ قبضہ قلعہ کلیانی ۱۵- ذیحجہ سنہ ۱۱۰۳ لکھی ہے ۱۲-

سرکار عالی کے پاس سفارش کرکے اوسکو بمعاوضہ نرمل پرگنہ اٹنور دلادیا اور بتاریخ ۲۲ محرم ۱۱۸۱ھ قلعہ نرمل اور اوس کے مقامات پر (جن کا سلسلہ سرحد برار تک تھا) مرزا دھونسا کا قبضہ ہوگیا۔

مرزا کا بادشاہ کی دعوت کرنی

مرزا نے جوش عقیدت سے بادشاہ کو تمام امرا کے ساتھ دعوت دی اور ایک کشتی جواہرات تین کشتی لباس خاص۔ اور ایک ہاتھی نذر گزرانا بندگان عالی نے ہاتھی معاف کردیا اور پہلی دو نذریں قبول کرلیں اور مرزا کو ماہی مراتب دو ہزاری منصب دو ہزار سوار اور خطاب "ظفر الدولہ" سے سرفراز کیا باقی آیندہ

اضافہ خطاب

محمد عبد الوہاب عندلیب حیدرآبادی

غزل

عیش بھی فرقت میں اندوہ و بلا سے کم نہیں　　جام مئے میرے لیے جام فنا سے کم نہیں

قافلہ عمر رواں کا ہے رواں شام و سحر　　شور رفتار نفس بانگ درا سے کم نہیں

غنچے ہیں اس سے شگفتہ اس سے داغ آرزو　　میری آہ گرم بھی باد صبا سے کم نہیں

ہوکے ہم پامال ہوتے ہیں زمانے میں عزیز　　اپنی قسمت قسمت برگ حنا سے کم نہیں

کردیا بے چین وضع بے تکلف نے سبھے　　آپ کی سادہ مزاجی بھی ادا سے کم نہیں

ہونے ہی ہوتے ہوئے معدوم مانند شرر　　یہ ہماری ابتدا بھی انتہا سے کم نہیں

زندگی سے دفعتاً مایوس ہوجاتا ہے دل　　آمد پیری بھی پیغام قضا سے کم نہیں

میں سراپا دین ہے اللہ کی حمد مگر　　مرض بھی میری یہاں فضل خدا سے کم نہیں

عفو کی خواہش بھی ہے جرأت بھی ہے تقصیر کی　　یہ معافی بھی میری کوئی خطا سے کم نہیں

ہوگیے واقف وہ میرے حال سے اچھی طرح　　میری خاموشی بھی عرض مدعا سے کم نہیں

جان کر بھی ہوتے ہیں انجان مجھکو دیکھکر　　آشنا ہوکر بھی وہ ناآشنا سے کم نہیں

آرزوے وصل میں اے نور ہوتا ہے ملال　　ابتدا ارماں کی میرے انتہا سے کم نہیں

نور مہدی حیدرآبادی (سلطانیہ ریڈنگ روم)

مدار الامرا مولوی عبد الوہاب

(۱)

سرزمین ہندوستان سے جسقدر باکمال اسلامی مشاہیر نے اپنے آپ کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس لحاظ سے ہندوستان کو دیگر بلاد اسلامیہ سے کسی طرح کم درجہ پر نہیں رکھا جا سکتا۔ اگر ہم صرف علما ہی کے زمرہ پر نظر ڈالیں تو ہم کو کچھ کم مثالیں نہ ملینگی۔ شاہ ولی اللہ اور بحر العلوم ہندوستان کے مشہور کانوں کے وہ ایسے چمکتے ہوے جوہر ہیں جنکی نسبت بے شبہہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اسلام کے آج مشہور اہل کمال سے ہیں جنھوں نے وقتاً فوقتاً اسلامی علوم کی تجدید کی ہے اور جس طرح کہ ہندوستان اس بارہ میں دیگر بلاد اسلامیہ سے کچھ گھٹا ہوا نہیں ہے اسی طرح خطۂ مدراس بھی بہت سے ایسے موزونان کی فہرست پیش کر سکتا ہے جنکے علم و فضل کی ایک زمانہ میں دھوم مچی ہوئی تھی اور جن کا علم و فضل ہر طرح قابل تقلید و تذکرہ ہے چنانچہ مولوی محمد مرتضی صاحب مولوی فاضل نے قاضی بدرالدولہ مرحوم اور مولوی محمد باقر آگاہ مرحوم کا اور مولوی عبد الباسط صاحب نے عارف الدین خاں رونق کا تذکرہ اسی صحیفہ میں لکھکر ناظرین کی خدمت میں پیش کر دیا ہے اسی سلسلہ میں مولوی عبد الوہاب مدار الامرا کا جنکے برادر خورد قاضی بدرالدولہ ہیں تذکرہ کیا جائے تو غیر موزوں نہ ہوگا۔

خاص اوصاف مولوی صاحب مرحوم

ہر شخص کا تذکرہ لکھنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے کہ ان خاص اوصاف کو بیان کر دیا جائے جن کی وجہ سے اسکی زندگی قابل تعریف ثابت ہوی ہے مولوی صاحب مرحوم باکمال انسانی افراد کا عمدہ نمونہ ہیں عمر قریب قریب عمر طبیعی کے ہوی دنیاوی اعلیٰ ترین اعزاز عزت کے ساتھ علم و فضل اور تقدس۔ ذاتی اوصاف۔ پابندی اوقات ان سب فضایل کے جمع ہو جانے کی بدولت اس قابل ہیں کہ آیندہ نسلیں ان کو اپنا قابل تقلید نمونہ قرار دیں۔ سب سے بڑا وصف جو مولوی صاحب کی زندگی میں

نمایاں طور پر نظر آتا ہے یہ ہے کہ مولوی صاحب کا شمار ان منتخب افراد میں سے کیا جا سکتا ہے جنھوں نے اس کلیہ کو غلط ثابت کر دکھلایا کہ العلماء ابعد الامم عن السیاسۃ جس طرح سے مولوی صاحب اپنے علم و فضل کے لحاظ سے بے نظیر تھے اسی طرح دربار نواب کرناٹک میں بھی سب سے اعلیٰ رتبہ مدار المہامی پر فائز تھے اور بیس خوبی و عمدگی کے ساتھ آپ نے "مولوی" اور "نواب" کی دو بظاہر مختلف حیثیتوں کو اپنی ذات میں جمع کر لیا تھا اس سے جیسا کہ علما کو اس بات کی نظیر مل سکتی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی علم و فضل کے باقی رکھنے کے ساتھ ہی دنیوی مدارج میں ترقی بھی حاصل کر سکتے ہیں بغیر اس کے کہ انکی فضیلت یا بے ریا تقدس میں ذرا بھی فرق آئے اسی طرح نوابوں کو اس امر کا سبق مل سکتا ہے کہ جاہ و حشم اور طمطراق کے ساتھ ہی وہ اپنا خدا کے ساتھ معاملہ بھی پاک و صاف رکھ سکتے ہیں یہی اسلام کی خالص تعلیم ہے اور اسی سنے اچھے صوفیہ کرام نے نصیحت کی ہے

حالات پیدائش و تعلیم وغیرہ

آپ کی ولادت ۵ جمادی الاول ۱۲۰۸ھ کو بمقام مدراس ہوئی اپنے والد ماجد مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر سے ہی (جنکی سوانح عمری بھی لکھے جانے کے قابل ہے) تعلیم و تربیت پائی اور تکمیل علم ملک العلماء مولانا علاء الدین مرحوم کے پاس کی بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق رہتا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ حدیث فقہ تفسیر ریاضیات وغیرہ میں کمال دستگاہ پیدا کی مولوی صاحب کو علوم جدیدہ کی طرف بھی توجہ تھی اگر ہم اس زمانے کی عام اسلامی حالت کا اندازہ کریں اور پھر اس کے ساتھ مولوی صاحب کی اس توجہ کو ملائیں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ مولوی صاحب کس قدر عالی دماغ شخص تھے ہیئت حکمت جغرافیہ ہندسہ جر ثقیل کی کتابیں اور نقشہ جات و کرے جو انگریزی سے فارسی یا اردو میں ترجمہ ہوئے تھے اور خود متقدمین حکمائے اسلام کی کتابیں نہایت تلاش و کوشش کے ساتھ جمع کی تھیں۔ چنانچہ خود انھوں نے بھی جغرافیہ کا ایک رسالہ لکھا ہے۔

ریاضیات کے علم میں جو اب مسلمانوں میں قریب قریب مفقود کے ہوگیا ہے

مسلم یونیورسٹی

اسلام کی آپ بیتی

مرے پیارے مسلمانو! تمھیں کچھ ہی خبر میری — کہ تنہائی سی تنہائی میں ہوتی ہے بسر میری
نہ اب وہ ساعت عشرت نہ اب وہ عیش کی گھڑیاں — اکیلا ہوں اکیلا ہوں اکیلی ہے گذر میری
نہ اب وہ بیخودی کے دن نہ اب وہ وقت خودداری — قیامت ہے مری ہر شب بلا ہے ہر سحر میری
کسی کا روز روزِ غم نہ ہوگا ہے مگر میرا — کسی کی شب شبِ آفت نہ ہوگی ہے مگر میری
مری بیفکریاں مغلوب ہیں فکر و تردد کی — گریزاں ہے اثر سے اب دعائے با اثر میری
فقط تشویش ہی کرتے گذرتی ہے مجھے دن بھر — فقط کروٹ بدلتے کٹتی ہے اب رات بھر میری
مجھی کو جھیلنا لازم مجھی کو رنج سہنا ہے — مصیبت پڑ گئی ہے آکے اب تو میرے سر میری
کچھ ایسا مجھ سے بے رخ ہو گیا ہے میرا ہر ساتھی — نہ قابو میں ہے دل میرا نہ سنتا ہے جگر میری
حواس و ہوش پراں ہیں توان و تاب بیگانہ — مخالف ہے خرد میری گریزاں ہے نظر میری
ادھر سے اب وہ اسقدر برگشتہ خاطر دیکھتا ہوں — طبیعت تابع فرماں تھی پہلے جس قدر میری
دُھنا ہے میں نے سر اپنا کچھ ایسا اپنی حالت پر — کریگا ہمسری پھر کیا کوئی شوریدہ سر میری
ستایا کیسا کیسا انقلاب دھر نے مجھکو — ستم توڑے ہیں اس نے کیسے کیسے جان پر میری
زمانہ فخر کیوں کرتا تھا اب سے بیشتر مجھ پر — جہاں میں قدر کیوں ہوتی تھی اب سے بیشتر میری
زمانے والے آخر کیوں مری تقلید کرتے تھے — یہ آخر کس لیے قسمت تھی اتنے اوج پر میری
بجا کرتے تھے میرے نام کے ڈنکے زمانے میں — بھری رہتی تھی میرے عاشقوں سے رہگذر میری
مجھی کو جانتے تھے اپنا ہادی رہنما اپنا — پرستش کرتے تھے اصحاب دل اہل نظر میری
وہ دن بھی تھے کہ میری دھاک تھی ہر سمت عالم میں — چمکتی تھی عرب سے تا عجم تیغ دو سر میری
موافق میرے عاشق تھے مخالف مجھسے خائف تھے — تعجب ہے کہ وہ سطوت گئی آخر کدھر میری

کہاں ہیں وہ جو میری ہر ادا پر جان دیتے تھے
کہاں ہیں وہ جنھیں تھا ناز میری شان عظمت پر
مجھے اسلام کہکر جو مری تعظیم کرتے تھے
اسیر خود پسندی ہیں گرفتار انانیت
یہ کیا خواب جہالت قوم پر چھایا ہوا ہی توبہ
کنارہ کش ہیں کیوں مجھسے مرے سب چاہنے والے
یہ کیا ادبار چھایا ہے یہ غفلت کیسی طاری ہے
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
گرے جاتے ہو کیوں قعر مذلت میں سنبھلو
مجھے کیوں یا نہیں لیتے کہ اب بھی وقت باقی ہے
ذرا چشم بصیرت کھولکر دیکھو تو کھل جائے
سنبھالا تھا مجھے مرحوم سر سید نے کیسا کچھ
اوسی کی سعی مردانہ کا ہے اب تک اثر باقی
خیال آنے لگا ہے قوم کو بار دگر میرا
علیگڈھ تھا تو اک کالج مگر بے ساز و ساماں تھا
خدا رکھے سر آغا خاں نے اپنی سعی کامل سے
جو یونیورسٹی اس وقت قایم ہونے والی ہے
بڑا ہاتھ آغا خاں کا میرے چاہنے والو
یہی امداد ہوگی فیض بخش عام دنیا میں
رہیگی پھر یہ میری ذات بیشک مرجع عالم
اگر ہو قوم آمادہ تو میرا الجھنا کیا ہے
قبول اہل ایماں ہو وہ یونیورسٹی بازغ

کہاں ہیں وہ جو لیتے تھے خبر آٹھوں پہر میری
کہاں ہیں وہ جو شہرت چاہتے تھے عمر بھر میری
وہ کوسوں بھاگتے ہیں اب تو صورت دیکھکر میری
بسر کرتے ہیں ذلت سے نہیں سنتے مگر میری
اسے پرواہ تھی افسوس پہلے کسقدر میری
طرفداری نہیں کرتا کوئی فرد بشر میری
مسلمانو! ذرا چونکو! سنو بار دگر میری
رفاقت چھوڑے دیتے ہو بھلا کیا جان کر میری
مجھے کیوں بھول بیٹھے ہو ضرورت ہی اگر میری
نہ رستہ ہے کٹھن میرا نہ منزل پر خطر میری
کہ لینے والے کیونکر لے رہے ہیں اب خبر میری
نہیں تو ٹھوکریں کھاتی تھی عزت دربدر میری
کہ پھیلی نیکیاں ہوتی چلی ہیں مشتہر میری
ترقی طرف کو کہنے لگی بار دگر میری
کہ پہلے اوسمیں شامل تھی جماعت مختصر میری
بڑھائی عالم امکاں میں رونق بیشتر میری
اوسی سے اب بڑھیگی شان شوکت حشمت میری
کرو امداد پر امداد بس باہم دگر میری
اسی امداد سے پہونچیگی قسمت اوج پر میری
بنیگی پھر یہ ہستی منبع علم و ہنر میری
عجب کو عجب ہوگا ترقی دیکھکر میری
پسند اہل دانش ہو یہ نظم مختصر میری

بازغ حیدرآبادی

مولوی صاحب کو پوری واقفیت تھی اور خصوصاً اصطرلاب اور ربع مجیب میں تو ایک خاص مہارت تھی جسکی نظیر ملنی دشوار ہے۔

حالات ملازمت وغیرہ

۱۲۳۹ھ میں آپ کے والد ماجد مولوی محمد غوث شرف الملک دیوان نواب کرناٹک کی وفات کے بعد نواب اعظم جاہ مرحوم نے بدستور قاعدہ موروثی اس کے ساتھ آفتاب گیری، شامیانہ، نوبت، اور خطاب ملک الملک شرف الدولہ غالب جنگ کا خطاب آپ کے والد کا مرحمت فرمایا۔

سنہ ۱۲۴۶ھ میں آپ کی حسن خدمات کو دیکھکر نواب اعظم جاہ بہادر مرحوم نے (۹۰۰) روپیہ ماہوار سے میر بخشی فوج کی معزز خدمت عطا کی اور آخر ۱۲۶۲ھ میں سرکار نواب صاحب کے سبب سے اعلیٰ عہدہ خدمت دیوانی پر مامور کیے گئے جسکی ماہوار (۱۰۰۰) ملا کرتی تھی اس کے بعد آخری نواب غلام محمد غوث خاں مرحوم نے بھی اپنی ریاست میں عہدہ دیوانی پر بحال رکھا اور مدار الامرا بہادر کا خطاب عطا کیا۔ نواب مرحوم کے انتقال کے بعد تا تصفیہ قطعی اسٹیٹ کا تمام انتظام آپ ہی نے انجام دیا۔

اخلاقی حالت

اس دنیاوی اعزاز کے ساتھ آپ کا اتقا اور پرہیزگاری تمام خطہ مدراس میں ضرب المثل ہے کیا اس سے بڑھکر اور کوئی تقدس کی مثال ہو سکتی ہے کہ سرکاری اور خانگی کام کے لیے الگ الگ دوات قلم رکھے جائیں اور خانگی کام کے لیے ہرگز سرکاری قلم دوات کا استعمال نہ کیا جائے چنانچہ اگر کبھی بھولے سے سرکاری سیاہی میں قلم ڈوبدیتے تو فوراً اسکو پونچھ دیتے کوئی سرکاری چیز اپنے تصرف میں نہیں لاتے۔

جیساکہ دنیا میں قاعدہ کی بات ہے بہت سے مخالف اور عداوت رکھنے والے حاسد بھی آپ کے تھے اور گو آپ کو ان کے سزا دینے کا پورا پورا اقتدار تھا مگر آپ نے کسی سے بدلہ نہیں لیا۔

جس قدر اہل غرض آپ کے پاس آتے تو پہلے ہی ایک دفعہ غور کرکے مختصر صاف جواب دیدیا کرتے تھے اور اس کے بعد بھی کوئی شخص اصرار کرتا رہے تو مطلق توجہ نہیں

کرتے بلکہ اپنے مطالعہ وغیرہ میں مصروف ہو جاتے اگر کوئی شخص سب و شتم پر آمادہ ہو جاتا اور آپ کو برا بھی کہہ دیتا تو اسکی مطلق پروا نہیں کرتے تھے چنانچہ نواب صاحب کے کسی ملازم نے بر سر مجلس سخت سست کہا مگر آپ سنکر خاموش ہو گئے۔ دوسرے روز وہی ملازم نماز صبح کے پہلے آپ کی دیوڑھی پر تکتا رہا اور جب آپ باہر آئے تو فوراً قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ معاف فرمائیے میں آج ابھی یہ سمجھ رہا تھا کہ دفعۃً متوحش ہو کر بیدار ہوا۔ جو گستاخی میں نے کی تھی اس کی سزا مل رہی ہے۔ بطیب الطبع دیوان صاحب نے اس کا یہی جواب دیا کہ بھئی تم سے جو وقت میرے روبرو دست بستہ ہو کر گذرے اسی وقت میں تمہاری خطا معاف کر چکا۔"

کبھی کوئی نامناسب کلمہ آپ کی زبان سے نہیں نکلا۔ امیر غریب سب کے ساتھ یکساں طور پر برتاؤ کرتے کسی کی غیبت نہیں کی اپنے مخالفین سے بھی بکمال لطف پیش آتے۔ خیرات و مبرات بہت کچھ کیا کرتے تھے صلہ رحمی خویش و قبیلہ پروری میں بے نظیر تھے یہ کہنا درست ہے کہ آپ کی ساری ماہوار تقبیلہ پروری میں ہی صرف ہوا کرتی تھی۔

اشتغال حدیث سرکاری کام کے ساتھ اپنی علمی اشتغال اور فن حدیث کی تحریر کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے آپ کی کتابت بمقابلہ آپ کے ہمعصروں بلکہ گذشتہ کاتبوں کے بھی بہت بڑی ہوئی تھی بارہ لاکھ بیت (بحساب فی بیت ۵۰ حروف) آپ کی تحریر ہوئی ہے کسی دن حضر۔ سفر۔ خوشی۔ غمی میں حدیث کی تحریر کو ناغہ نہیں کیا۔

درحقیقت اس قدر کثرت کار کی وجہ پابندی اوقات ہے مولوی صاحب کی پابندی وقت بہت ہی مسلمانوں میں بہت کم پائی جائیگی۔ جن لوگوں نے دیوان صاحب کو دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ علما ظاہرین کے انضباط اوقات کے اگر کوئی مدار الامرا بہادر کو اپنے کاموں میں مصروف دیکھتا تو فوراً معلوم کر لیتا کہ اب فلاں وقت ہے انہی اسباب کے باعث نواب غلام غوث خاں بہادر مرحوم بھی آپ کی بہت کچھ قدر کیا کرتے تھے اور آپ کے زہد و تقویٰ امانت و دیانت پر نواب صاحب کو کامل اطمینان

تھا۔حضرت سید علی پیراں صاحب قادری رحمتہ اللہ قدس سرہ سے بیعت کا تعلق تھی اور بہت سے فیوضات باطنی حاصل کیے۔

سفر حرمین شریفین دو مرتبہ آپ حج و زیارت سے مشرف ہوئے ہیں نہایت اعزاز کے ساتھ بندرگاہ مدراس سے آپکا خاص جہاز روانہ ہوا اور وقت روانگی قلعہ مدراس سے اور عدن میں پونچنے کے بعد قلعہ عدن سے ۱۰۔۱۰ توپونکی سلامی اتاری گئی۔ جہاز میں بھی اپنے تمام کاموں کو برابر پابندی کے ساتھ اداکرتے تھے حدیث شریف کی تحریر بھی جاری تھی واپسی کے وقت بھی وہی اعزاز کیا گیا اپنے سفر کا سفرنامہ بھی لکھاہے جس سے مولوی صاحب کی وسیع واقفیت اور تحقیق کا اظہار ہوتاہے۔عادات۔اخلاق۔مذہب تجارت۔زبان جن باتوں کا بیان آج کل کے سفرناموں میں کیا جاتاہے سب کو فصاحت کے ساتھ لکھاہے۔

تصانیف اگرچہ آپ کی تصانیف کی تعداد اور انکی وضاحت وکثرت آپ کے برادر خورد مولوی محمد صبغتہ اللہ بدرالدولہ مرحوم کے برابر نہیں ہے مگر جب آپکے کثرت کار سرکاری اور کتابت فن حدیث کو اس کے ساتھ ملایا جاتاہے تو دونوں کا موازنہ برابر ہوجاتاہے تاہم آپ کی تصانیف کثرت سے ہیں جسکی فہرست درج ذیل ہے جملہ تصانیف آپ کے ۱۵ ہیں جنمیں سے اکثر شایع ہوگئی ہیں باقی کتب قوم کی بے توجہی کے وجہہ سے شایع نہیں ہوہیں۔

(۱) اکمل الوسایل لرجال الشمایل للترمذی عربی اور فن رجال میں ہے اور طبع بھی ہوچکی ہے۔

(۲) کوکب الدریہ منتخب احادیث مجالۃ النیوریہ یہ کتاب بھی عربی میں ہے فن حدیث میں لکھی ہے اب تک طبع ہونیکی نوبت نہیں آئی لاکن اکثر علم دوست حضرات نے اس کے متعدد نقلیں کرلی ہیں۔

(۳) رسالہ فی علم الجغرافیہ عربی میں ہے مضمون کی صراحت کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہوتی ہے یہ کتاب بھی طبع نہیں ہوی۔

(۴) کشف الاحوال عن نقد الرجال در اسماء ضعفا عربی اور فن رجال میں ہے۔
(۵) بدر الغرہ فی اسماء القراء العشرہ عربی فن تجوید میں ہے۔
(۶) ذرایہ السول فی مناقب ریحانۃ الرسول فارسی مناقب میں ہے۔
(۷) تصدیق اخیر ملا عقد البیان فارسی عقاید میں ہے۔ طبع بھی ہو چکی ہے۔
(۸) کاشف الرموزات الی الورقات فارسی اصول فقہ شافعی میں ہے۔
(۹) ترجمہ اردو شمایل فارسی ادعیہ میں ہے۔
(۱۰) سفر نامہ حجاز فارسی جس کی صراحت اوپر ہو چکی ہے۔
(۱۱) ایضاً دفعہ دوم
(۱۲) ہبۃ الوہاب مع حواشی فارسی فقہ شافعی میں مختصر کار آمد رسالہ ہے جس میں ضروری مسایل درج ہیں متعدد وقت طبع ہوی ہے۔
(۱۳) ستمالہ اثرین فارسی میں ہے طبع بھی ہوی ہے۔
(۱۴) ترجمہ بعض ابواب اذکار امام نووی فارسی ادعیہ میں ہے۔
(۱۵) ایک قول رد تقویۃ الریحان فارسی۔

وفات ۷۰ سال کی عمر پائی اور تقریباً تمام عمر تک حواس قوی برجا تھے کبھی عینک لگانے کی ضرورت نہ پڑی صحت کامل طور سے درست تھی اور اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر ہندوستانی باشندے بھی قوانین حفظ صحت کی رعایت کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنی عمر طبعی تک نہ پونچیں کم خواری ریاضت اعتدال کی وجہ سے آپ کے قوی برابر قایم تھے آخر ۱۲۹۵ھ روز جمعہ ۵ ربیع الاول کو وقت ظہر بشکوہ فالج انتقال ہوا۔ مسجد والاجاہی میں اس مقام پر آپ کو دفن کیا گیا جہاں بیسوں علماء خطہ مدراس اپنا اپنا فیض پونچانے کے بعد آرام کر رہے ہیں مقبولیت عام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بیسوں تاریخیں لکھی گئیں چنانچہ چند تاریخیں ذکر کیجاتے ہیں۔

از مولوی نجم الدین حسن مرحوم فرزند نصیر الدین خان مرحوم منصف سابق

گرد [illegible] چو مدار الامرا | جانب دنیا شده محزون افسوس
سال آن گفت دل خسته من | گنج تقوی شده مدفون افسوس
[illegible]

وله ایضاً

آن مدار اتقال زاهد عصر | گو که او نیز سینه چاک شده
از سر درد فضل [illegible] | گفت گنج ورع بخاک شده
۱۲۸۵

از سید نادر

نادر از بهر حضرت دیوان | سال مولود بخت وی گفته
۱۲۸۵
عمر و سعی عابد و رحلت | عنبر سر بسر گفته
۱۲۸۵ھ

از مولوی حسین عطاء الله مرحوم و مغفور

یغفر الله بلا حساب

۱۲۸۵ ہجری

از نواب عبد الغنی خان امیر ڈپٹی کلکٹر

رحم مدار امر ابم قد لمت یداه
لنجاته من الله اکسبت یداه زیادا
غفر بصبغة الله فثبت یداه
وجد الاسیر عا تاله یغفر بلادا
۱۲۸۵

۱۲۸۵
محمد مصطفیٰ

مشتاق شہادت بھی ہوں میں سخت گلو کی | اس طرح سے تڑپوں کہ تڑپنے لگے تو بھی
داغ حیدرآبادی

مسلم یونیورسٹی

رباعیات

(۱)

سید کی تھی بات اوروں کے لیے   اس کا دن اور اس کی رات اوروں کیلئے
سب جیتے ہیں اور اپنے لیے جیتے ہیں   دنیا میں تھی اس کی ذات اوروں کیلئے

(۲)

اسلام کے درد سے نہ ہر دم روتا   مشہور زمانہ میں نہ کافر ہوتا
تو پر تھا مخالفت سے بچتا کیونکر   آخر تھا حسینؑ ہی کا سید پوتا

(۳)

اسلام کے کیا ہم نہ نگہبان رہیں   کیا دل میں نجات کے نہ ارمان رہیں
ایسی تو نہیں چاہیئے تعلیم جدید   کافی ہے کہ ہم صرف مسلمان رہیں

(۴)

ایم۔ اے بھی بنو طالب ہر فن بھی رہو   پکڑے ہوئے امید کا دامن بھی رہو
ممکن نہیں اسلام کی ہو یہ تعلیم   انساں بھی رہو عقل کے دشمن بھی رہو

(۵)

پھر ماہر فلسفہ نمازی ہونگے   پھر ہم ہی میں غزالی و رازی ہونگے
ہونے کو عالمگیر ہیں علم و مذہب   پھر ایک حقیقی و مجازی ہونگے

(۶)

ممکن نہیں ناکام علیگڈھ ہوگا   ہاں! ہوگا خوش انجام علیگڈھ ہوگا
امید لے قسمت کے شہ باب علومؑ   اس شہر کا اب نام علیگڈھ ہوگا

(۷)

ہاں وقت بڑا ہے ہوش سنبھالو لوگو   بگڑی ہوئی تقدیر بنا لو لوگو

جھولی ہے تمھاری نہیں آغاخاں کی
اپنے لیے خیرات نکالو لوگو

(۸)

ہاں اپنی بھی اور قوم کی بھی آبرو رہ جو
دو اتنا کہ ہمیشہ کا ندامان رہے
قربان ہو سیّد و مہدی کی قسم پر
سادات کا ندیہ ہے ذرا دھیان رہے

(۹)

ہو طالب صحت تو نصیحت یہ بھرو
خود غرضی یہ دم دو تمہارا یہ مرو
ہو جائینگے تندرست سارے اعضا
معدہ ہے علیگڈھ اسے مضبوط کرو

(۱۰)

اے قوم کے آزاد خیالو اٹھو
گردن میں جلو جھولیاں ڈالو اٹھو
دینے کو ہیں امید کے بندے تیار
ہاں باندھو کر مانگنے والو اٹھو

(۱۱)

تنکا دے اگر غریب بھائی لینا
جو کچھ دے علیگڈھ کا فدائی لینا
لاکھوں کا جس اکرام سے لینا چندہ
لینا اسی اعزاز سے پائی لینا

(۱۲)

شاہوں سے بھی وہ غریب بھائی بڑھا
پربت سے بھی وزن میں وہ رائی ہی ہوا
مزدور کا پیٹ کٹ کے جو ملتی ہے
دس لاکھ سے بھی وہ ایک پائی ہے سوا

(۱۳)

پھر چاہیے تیرے کام کا گھر گھر سید
اب نام ہے تیرا ہر زباں پر سید
ایکاش ترے سامنے سب کچھ ہوتا
افسوس کہ زندہ نہیں تو سرسید

عفی قطب الدین تسلی حیدر آبادی

ولہ

اسباب طرب ملیں جہاں سے لاؤں
ہاں اچھین کے عالم آسمان سے لاؤں
ممکن ہے محبت بھی کہیں سے مل جائے
کس سے مانگوں میں دل کہاں سے لاؤں

"صحیفہ کا سائنٹیفک صفحہ"

ہمارے دوست سید ظہور علی صاحب نے صحیفہ کے واسطے ایک نیا سائنٹیفک باب کھولا ہے جس سے ناظرین صحیفہ مفید معلومات حاصل کر سکینگے ہم اوس کی پہلی قسط نہایت شکریہ کے ساتھ درج ذیل کرتے ہیں:-

۱- دنیا کی مردم شماری ہر ۲۶۰ سال میں دوگنی ہو جاتی ہے۔

۲- معمولی چڑیا (کنجشک) کے اڑنے کی رفتار فی گھنٹہ ۴۷ میل ہوتی ہے

۳- آدھ سیر وزن، کارک (جس سے ڈاٹ بنتے ہیں) معمولی آدمی کو پانی میں بآسانی تھام سکتا ہے۔

۴- سمندر میں فی مربع میل ۰۰۰،۰۰۰،۱۲۰ مخلوق رہتی ہے۔

۵- بھیڑ کے ایک پونڈ اون میں ایک گز کپڑا بنایا جا سکتا ہے۔

۶- مرض دق کے کیڑے مسکہ میں ایک مہینہ تک زندہ رہ سکتے ہیں۔

۷- ایک مچھلی جس کو خوک دریا کہتے ہیں اوسکی کھال پانی سے محفوظ رہتی ہے۔

۸- سنکھیا کا وجود انسان کے جسم میں پایا جاتا ہے اور بالخصوص ناخن اور بال میں

۹- ہتیاروں کو دھوپ میں دیر تک رکھنے سے ان کی آب میں نمایاں فرق آجاتا ہے

۱۰- شہروں کے بہ نسبت دیہات میں بجلی گرنے کا خوف پانچ گنا بڑھا ہوا ہوتا ہے

۱۱- سانپ کے زہر کے لیے لیموں کا بیرونی اور اندرونی استعمال بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ مگر کبھی زہر کے اثر کو بہت کم کر دیتا ہے۔

۱۲- ایک فرانسیسی ڈاکٹر کا قول ہے کہ تمباکو کا اثر اعصاب سامعہ پر ہوتا ہے سماعت میں ثقالت ہوگئی ہے تو اوس سے قطعی پرہیز کیا جائے۔

۱۳- صرف مصر ایک ایسا ملک ہے جہاں مردوں کی تعداد عورتوں سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے یہاں عورتوں سے مرد ۱۰۰۰۰ زیادہ ہیں

۱۴- تمام شکاری پرند گانے کی صلاحیت بالکل نہیں رکھتے۔

۱۵ اصلی مرجان کی شناخت یہ بتلائی گئی ہے کہ اس میں ایک قسم کی خصوصیت پائی جاتی ہے جو مصنوعی میں نہیں ہوتی۔

۱۶ نیوگرانیڈا میں ایک درخت پایا گیا ہے جس سے بغیر دوسری شئے ملانے کے خاصی سیاہی بنتی ہے۔ روشنائی کی رنگت پہلے سرخ ہوتی ہے اور چند گھنٹوں کے بعد سیاہ ہو جاتی ہے۔

۱۷ ملک ڈچ گیانا کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں موسمی تغیر بہت خفیف ہوتا ہے گویا کہ ہوتا ہی نہیں۔ مقیاس الحرارت گرما میں ۸۰ درجے پر اور سرما میں ½۷۷ درجے پر رہتا ہے۔

۱۸ سچے موتی کا کیڑا جب تک کہ چھ سات سال کا نہ ہو موتی نہیں پیدا کر سکتا۔

۱۹ عموماً حیوانات تیرنا جانتے ہیں لیکن اونٹ ایسا جانور ہے جو تیرنا نہیں جانتا۔

۲۰ ایک ڈاکٹر محقق امراض دماغ کا قول ہے کہ تین گھنٹہ کا مطالعہ آٹھ گھنٹے کی جسمانی محنت کے مساوی ہے۔

۲۱ روسی شاہی آبی حوض میں (۲۰۰) سال عمر والی مچھلیاں پائی گئی ہیں۔

۲۲ چینی و جاپانی اکثر و بیشتر فرنیچر کاغذ سے بناتے ہیں۔

۲۳ سترہ دھات مساوی الوزن سونے سے زیادہ قیمتی ہیں۔

۲۴ گانے کا اثر دوران خون پر بھی ہوتا ہے۔

۲۵ ڈارون صاحب کا قول ہے کہ جانور بھی مثل آدمیوں کے جنون سے متاثر ہوتے ہیں

۲۶ چین کی نہر دنیا کی سب نہروں سے بڑی ہے۔

۲۷ طاعون (پلیگ) کیلئے ناگ سانپ کا زہر بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

۲۸ دنیا کی یونیورسٹیوں میں سب سے پرانی یونیورسٹی الازہر ہے جو شہر قاہرہ میں سنہ ۹۷۵ء میں قائم کیگئی۔

۲۹ ملک چین و جاپان میں بعض قسم کی مچھلیاں گز بھر کی ہوئی ہیں۔

سید ظہور علی

بقیہ ریویو

الخط الاسلامی

(۵)

تو موجودہ رسم الخط کے حروف اور اعراب کو ہی معہ تشئے زاید کیوں نہ لکھا جائے؟ جس سے نئے خط کو سیکھنے کی زحمت ہی نہ اٹھانی پڑیگی یا ناگری حروف ہی کیوں نہ اختیار کیے جائیں جس کے لیے ہمارے ہندو ہمسایوں کی سخت کوشش ہو رہی ہے جس سے ایک بہت بڑا بایۂ اختلاف ہندوستان سے ناپید ہو جائیگا اور ہندو مسلمان ایک ہی خط میں لکھنے پڑھنے لگینگے (اوڈیٹر۔ یہ ترکیب سب سے عمدہ ہے اگر اس کو ذرا اور وسعت دیدیجائے اور رسم و رواج اور مذہب وغیرہ کی خصوصیتوں کو بھی ترک کر دیا جائے تو ہندو مسلمان حقیقی معنوں میں ایک ہو جاینگے اور آئے دن کے جھگڑوں اور مخالفتوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جایگا) مسلمانوں کے موجودہ حروف نتیجہ ہیں ویڑھ ہزار سال کی مسلسل تدریجی ترقی کے اور اوس میں جو خوشنمائی اور خوبصورتی پیدا ہی اوس کا اعتراف خود مولوی صاحب کرتے ہیں اس کے برخلاف خط نظامی خط کوفی اور خط ثلث کا اصلاح شدہ شکل ہے جو تیسری چوتھی صدی ہجری میں رایج تھے اور اس میں خصوصیت صرف یہی ہے کہ آلات ریاضی سے بھی بآسانی لکھے جاسکتے ہیں جب خط کوفی و ثلث قوم کے ضروریات کو آسانی کے ساتھ پورا نہ کرنے کی وجہ صدیوں سے متروک ہو چکا ہے تو پھر کسی قدر اصلاح کے ساتھ اوس کو رایج کرنا گویا ایک ہزار سال پیچھے پلٹ جانا ہے۔

مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ موجودہ خط کا لکھنا مشکل ہے اور اوس کے ماہر اور کامل الفن استاذہ ہر زمانہ میں کم گذرے ہیں جنھوں نے تمام عمر اوس کی خدمت میں رہکر نام پیدا کیا ہے۔ جیسے ابن مقلہ۔ یاقوت۔ میر عماد۔ میر نجہ کش۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں میں کتنے بوعلی سینا۔ ابن رشد۔ فارابی پیدا ہوئے اور ہر زمانہ میں کس قدر ایسے لوگ ہوئے ہیں جو ان تینوں حکیموں کے کلام کو سمجھ سکتے تھے۔ کس قدر امام ابوحنیفہ امام شافعی امام مالک امام حنبل پیدا ہوئے اور ہر زمانہ میں کتنے ایسے فقیہ گذرے ہیں جو اپنے اپنے

مذہب کی خدمت میں مصروف رہے۔ اس کا جواب غالباً یا کہ یقیناً ہر شخص یہی دیگا فلسفہ اور فقہ کے امام اور مجتہد تو بہ حیران بزرگواروں کے جن کا نام مذکور ہو چکا ہے مسلمانوں میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ مگر اون کے کلام کو سمجھنے والوں اور اوس سے کام لینے والوں کی تعداد ہر زمانہ اور ہر ملک میں لاانتہا رہی ہے یہی جواب ہم مولوی محمد یوسف الدین صاحب کو دیتے ہیں کہ بلاشبہ ابن مقلہ۔ یاقوت۔ عماد۔ پنجہ کش کے نظیر تو پیدا نہیں ہوے۔ مگر خوشنویس تو لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوے ہیں۔

ہمارے خیال میں خط نظامی کو بھی باقاعدہ اور اصول سے لکھنے کے لیے محنت اور مشق ضروری ہے۔ آلات ریاضی کا اوس کے لکھنے میں استعمال کرنا طول امل ہے۔

مولوی صاحب کا یہ دعوی کہ خط نظامی میں ہر ایک حرف صحیح اور حرف اعراب ہم قامت اور ہم حیثیت ہے شاید بالکلیہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ اوس میں چھوٹے بڑے حروف موجود ہیں اور یہی حالت نستعلیق کی ہے آخر اوس میں بھی ب ت ث ٹ پ ف اور ج چ ح خ غ ع اور د ذ ر ز و وغیرہ وغیرہ بھی ہم قامت و ہم حیثیت ہیں جس قدر امتیاز حروف میں پایا جاتا ہے اوس قدر تو ہر ایک رسم الخط میں موجود ہے اور اوس کا ہونا عدم التباس کے لیے ضروری ہے۔

الغرض بہ لحاظ اون مشکلات کے جو از سر تا پا موجودہ و مروجہ رسم الخط کے تبدیل کرنے میں پیدا ہونگے اور بہ لحاظ اون موانعات کے جو انگریزی جیسی ترقی یافتہ زبان کے اصلاح رسم الخط تک میں عاید ہو چکے ہیں ہم دعوی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ملک خط نظامی کو قبول کرنا تو درکنار موجودہ رسم الخط کو ہی مفرد حروف میں اعراب کے ساتھ لکھنے کے لیے تیار نہیں ہے اور غالباً مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب کی محنت شاقہ کا وہی انجام ہوگا جو اب تک اصلاح رسم الخط کی کوششوں کا ہو چکا ہے۔

یہ ایک اصولی بحث ہے کہ مسلمانوں کے رسم الخط کو بجائے مرکب حروف کے مفرد اشکال میں ایک نئے طریقہ سے لکھا جائے یا نہ لکھا جائے مگر اصول بحث کے قطع نظر یہ دیکھنا چاہیے کہ جو نقص موجودہ رسم الخط میں ظاہر کیے جاتے ہیں اوس کے اصلاح کیلئے

عملاً کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو سکتا ہے۔

جو نقص بتائے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ٹائپ جاننے میں بہت دقت ہوتی ہے۔

(۲) ٹائپ رائٹر موجود نہیں ہے۔

(۳) زبان کے سیکھنے میں دقت ہوتی ہے۔

(۴) صحیح تلفظ نہیں نکالا جا سکتا۔

ٹائپ کے جاننے میں اگرچہ دقت ہوتی ہے لیکن ترکیوں اور مصریوں نے اس کام میں اس قدر مہارت اور ذہانت پیدا کر لی ہے کہ اب اون کو اس میں دقت نہیں رہی ہے وہ انگریزی ٹائپ رائٹر کے مثل کثیر تعداد میں عبارات کو اوسی تیزی سے جلد کمپوز کر لیتے ہیں جیسے انگریزی [illegible] حالت [illegible] ہے البتہ ایران و ہندوستان [illegible] سنگی چھاپہ کی کتابوں کے پڑھنے اور مطالعہ [illegible] ٹائپ کے [illegible] قائم ہو رہی ہے۔

ٹائپ رائٹر کے ایجاد [illegible] اطلاع [illegible] مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب [illegible] عربی ٹائپ رائٹر [illegible] عام طور پر فروخت ہوتا ہے مصر میں مروج بھی ہے اور اوس میں فارسی اور اردو عبارتیں بھی عربی حروف میں لکھی جا سکتی ہیں حیدرآباد میں بھی ایسے دو تین ٹائپ رائٹر موجود ہیں۔ چونکہ ہندوستان بمقابل یوروپ کے مفلس ملک ہے اس لیے بمصارف کثیرہ ٹائپ رائٹر خرید کر استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔

زبان کے سیکھنے میں بلاشبہ دقت ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کی مادری زبان بھی ہے اون کو اوس کا احساس تک نہیں ہوتا اور دوسری قوموں کو بھی ہماری زبانوں سے کام پڑتا ہے وہ بھی اوس کو سیکھ ہی لیتے ہیں بہت سی زبانیں مثل انگریزی سنسکرت چینی وغیرہ ایسی ہیں کہ اون کا سیکھنا بہ نسبت ہماری زبانوں کے زیادہ مشکل ہے تاہم اون کی بھی لاکھوں کروڑوں لوگ سیکھتے ہی رہتے ہیں بہ توں سے عربی۔ فارسی

اردو زبانوں کو کڑوڑوں لوگ سیکھ چکے ہیں اور سیکھ رہے ہیں اور سیکھتے چلے جائینگے بہ نسبت اصلاح رسم الخط آیسے صرف و نحو کے کتابوں کا تصنیف کیا جانا جن میں ضروری اور اہم قواعد اور غیر ضروری و غیر اہم قواعد میں امتیاز و افتراق پیدا ہو سکے زیادہ ضروری اور زیادہ مفید ہے بہرحال جو جدید رسم الخط کے عادی تیار نہیں ہیں نہ اوس کو چھوڑ سکیں

یہی حالت تلفظ کی ہے حقیقت میں غیر زبان کے الفاظ جو ہمارے رسم الخط میں لکھے جاتے ہیں بعض وقت اوس کا صحیح تلفظ بمشکل ہو سکتا ہے لیکن یہی حالت [illegible] زبانوں کی ہے۔ انگریزی میں کب غیر زبان کے الفاظ کا صحیح تلفظ ادا ہوتا ہے بہ نسبت اور زبانوں کے ہماری زبان بھی ایسی زبان ہے جس میں اس قدر مختلف زبانوں کے الفاظ صحیح طور پر لکھے جاتے اور بولے جاتے ہیں۔

الغرض عربی اور ترکی زبان کے رسم الخط کو اس قدر رواج عام ہو گیا ہے کہ اب ہم کو اوس کے لیے کسی نئی تجویز نکالنے کی ضرورت نہیں رہی ہے البتہ عربی سیکھنے میں آسانی پیدا کرنے کے واسطے زیادہ آسان اور زیادہ مختصر صرف و نحو کے کتابوں کی ضرورت ہے بلاشبہ ہم لوگوں کو اپنے اردو رسم الخط کے متعلق کچھ کرنے کی ضرورت ہے

اردو زبان فارسی حروف میں لکھی جاتی ہے اور فارسی حروف اور اون کے جوڑوں کے کثرت کی وجہ اوس کا ٹائپ اور ٹایپ رائیٹر نہیں بن سکتا ہے مگر کام نکالنے کے لیے عربی حروف اور عربی ٹایپ رائیٹر موجود ہے اور اوس کا گو ان ہمارے حروف کو بوجہ اجنبیت کی وجہ رواج نہ ہو سکا ہے ہم کو سب سے پہلے اس امر کی کوشش کرنا چاہیے کہ فارسی حروف کا ٹائپ ٹائپ رائیٹر بن سکے اور ساتھ ہی بعض ضروری حروف مثل واو مجہول و واو معروف وغیرہ میں امتیاز پیدا کیا جا سکے اور اوس کے لیے اوس کوشش سے مدد لینا چاہیئے جو مولوی عزیز مرزا صاحب کر چکے ہیں اور جس کا مواد غالباً معتمد کی عدالت میں موجود ہے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ بجائے سات سو حروف کے ڈیڑھ دو سو حروف سے کام نکل سکتا ہے اگر یہ ممکن نہ ہو کہ فارسی حروف کا ٹایپ و ٹایپ رائیٹر بلا اعراب بن سکے تو ناگزیر عربی حروف کا ٹائپ فوراً استعمال کر دینا چاہیے ساتھ

ہیں ان حروف و اعراب کے لیے جو اردو و فارسی میں ہی موجود ہیں زیادہ امتیازی شکل پیدا کرنا چاہیے اور یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے ٹایپ رایٹر کی بہ لحاظ اوسکے گراں تر مصارف کے ابھی ہم کو چنداں ضرورت نہیں ہے البتہ سرکاری دفاتر اور متمول تجار کے کوٹھیوں میں اوس کو رواج ہو سکتا ہے ہمارا خیال ہے کہ مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب ہی اوس کے متعلق کامیاب ہو سکتے ہیں اور اون کو بلا لحاظ اوس کے کہ اونکی سہ سالہ محنت مشاقہ ناکامیاب ہو چکی ہے از سر نو محنت کرنا چاہیے سرکار عالی نے کچھ عرصہ پیشتر یہ حکم نافذ کر دیا ہے کہ سر رشتہ تعلیم کی تمام کتابیں عربی ٹایپ میں شایع کی جائیں اوس کے متعلق قیام مطبع کی تجاویز زیر غور ہیں۔ سرکار عالی کی کوشش سے بہت جلد ٹائیپ کا رواج کل ملک میں ہو جائیگا۔ ایسی صورت میں مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب کی کوشش بالکل با موقع اور برمحل ہوگی۔

ہم کو ڈر ہے کہ ہمارے آزادانہ اور ناقدانہ خیالات کی وجہ ہمیں مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب پرانی لکیر کے فقیر کا خطاب نہ دیدیں جس سے وہ الخط الاسلامی میں ہر اوس شخص کو جو اون کے خط کو ناپسند کرے مخاطب کر چکے ہیں۔ مگر جب حالت یہ ہے کہ انگریزی جیسی زبان بولنے والے رسم الخط میں پرانی لکیر کے تابع ہیں اور ایک خفیف سی اصلاح نہیں کر سکتے ہیں تو باوجود نوجوانی پرانی لکیر کے فقیر کہلائے جانے کو ناگوار نہیں خیال کرتے۔

ہم تخیلات کی خاطر واقعات سے چشم پوشی نہیں کر سکتے یہ ظاہر ہے کہ موجودہ مروج حروف بھی اگر مفرد حالت میں لکھے جائیں تو اوس کے ہر کہیں رواج پانے کے لیے بیسوں برس اور کروڑوں روپیہ کے مصارف درکار ہیں ورنہ موجودہ رسم الخط کو بھی ہمیشہ جاننا لازمی ہوگا۔ اور اس صورت میں اس تبدیلی سے کوئی نفع پیدا نہیں ہو سکتا اس سے ہمارے رسم الخط کی یہ خوبی کہ وہ باختصار تھوڑے کاغذ پر کم وقت میں لکھا جا سکتا ہے اور اوس میں تحریری و کتابی حروف جدا جدا نہیں ہیں بالکل جاتی جائیگی اور یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کو باوجودیکہ بعض کتابیں بھی اوس میں شائع کی جا چکی ہیں بالکل ناکامی ہو چکی ہے

جب حقیقت حال اس طرح ہے تو موجودہ حروف مدکنار رنئے حروف کو جن سے اب ہم بالکل ناآشنا ہیں مفرد شکل میں معہ الاعراب لکھے جانے کو کامیابی ہوسکتی ہے یا نہیں اوس کا تصفیہ خود قوم کر دیگی۔

ہمارے خیال میں مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب کی محنت نئے حروف کے وضع کرنے میں بالکل بیکار جائیگی۔ البتہ اوس سے اون ہندوں کو جو موجودہ ناگری حروف کو کل ہندوستان کا مروج رسم الخط بنانے کی لاحاصل فکر میں پڑے ہوے ہیں ایک بڑی سند ہو جائیگی اور وہ اوس شخص کی طرح جو کلوا واشربوا ولاتسرفوا سے آخری فقرہ حذف کر کر ہر چیز کے کھانے پینے کو جائز سمجھنے لگا تھا خط نظامی کو پس پشت ڈالکر موجودہ خط کے خلاف بتائے ہوے دلایل کو بھنڈے پر چڑھا دینگے۔

باوجودیکہ ہم کو خط نظامی کی ناکامیابی کا یقین ہے تاہم الخط الاسلامی کا رسالہ ملحاظ ندرت اور تاریخی تحقیقات اس قابل ہے کہ ہر وہ شخص جس کو اردو تاریخ اور اردو رسم الخط سے دلچسپی ہے گہرے غور وفکر سے مطالعہ کرے کتاب کی قیمت اور مقام فروخت کے متعلق کوئی اطلاع ہم کو نہیں ہے غالباً خود مصنف صاحب سے ہی اوس کا علم حاصل ہوسکتا ہے فقط

محمد منظہر

گذشتہ نمبر میں اس ریویو کا جس قدر حصہ طبع ہوا تھا اوس کے ساتھ میرے اتفاقی یا اختلافی نوٹ بھی موجود تھے لیکن اس مرتبہ جو حصہ چھپا ہے وہ اُن نوٹوں سے معرا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ میں اپنی سخت علالت کی وجہ سے اپنے خیالات کو ظاہر نہیں کرسکا ناظرین سے معافی کی امید ہے۔ ایڈیٹر

رباعی

حرم جویاں درے را می پرستند فقیہاں دفترے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد کہ یاراں دیگرے را می پرستند

عرفی شیرازی

غزل

شوخی نگہ سے حجاب میں بھی | دزدیدہ نظر نقاب میں بھی
کشتہ بھی مجھے کیا تو ہنسکر | تھی چشم کرم عتاب میں بھی
لاکھوں میں تمھیں کو چن لیا ہے | ہم فرد ہیں انتخاب میں بھی
تم سیکڑوں سید ھیاں سناؤ | میں کچھ نہ کہوں جواب میں بھی
مٹی میں ملا رہے ہو کیوں دل | بچپن کی ادا شباب میں بھی
اللہ رے خوف معصیت کا | دل کانپ رہا ہے خواب میں بھی
تکلیف بڑھی تو چین آیا | آرام ہے اضطراب میں بھی
ہوتے ہیں نئے نئے نظارے | اک لطف ہے انقلاب میں بھی
معشوق کو ہے کبھی تو خواہش | کچھ ہوگا دل خراب میں بھی
جلوے میں ترے جو کچھ کہ دیکھا | دیکھا نہ خیال و خواب میں بھی
وہ ہم وہ ہماری عشق بازی | ہنگامے رہے شباب میں بھی
لو آؤ دکھائیں دل ہم اپنا | دیکھی ہے تڑپ کباب میں بھی
اللہ رے حسن عالم افروز | صورت نہ چھپی نقاب میں بھی
سینے میں بھی خط کے تھا نامل | اغماض ہے اب جواب میں بھی
فرقت میں رہا تصور اون کا | راحت یہ ملی عذاب میں بھی
کثرت سے ملے شراب وحدت | اترے نہ سرور خواب میں بھی
لوگوں نے بنایا ہے سخندان اسکو | بازغ ہے کسی حساب میں بھی

بازغ حیدرآبادی

رباعی

دل ہے تو فریب غم سے برباد بھی ہو | لب ہیں تو قریب لب سی فریاد بھی ہو
بیداد فلک کی اُف رے عالمگیری | دنیا میں الٰہی کوئی دل شاد بھی ہے؟

تسلّی حیدرآبادی

اجناس بیلوں پہ لاد کر لاتے ہیں اور بڑے منافع سے یہاں فروخت کرتے ہیں اون کے قول کے بموجب پچیس فی صدی نفع اون کو ہوتا ہے اور سالانہ گیارہ بارہ لاکھ لیور (فرانسیسی سکہ قیمتی عہ۱/۲ کلدار) منافعہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ اکثر تحفے تحایف یہاں کے باشندوں کو دیتے رہتے ہیں اس لیے اون کی آؤ بھگت بہت ہوتی ہے اُن کے گورنر کی سواری میں نے دیکھی ہے جو اون دنوں حیدرآباد میں آیا تھا اس کی سواری کے ساتھ علم و نقارہ وغیرہ لوازم اعزازی موجود تھے۔

میوہ جات خاصکر انگور بھی بکثرت حیدرآباد کے باغوں میں پیدا ہوتے تھے اونکی بھی اچھی خاصی تجارت تھی۔ ہیروں کی شہرت اور تجارت بھی بدستور تھی۔ تجارتی محاصل سے بہت بڑی آمدنی سلطنت کو ہوتی تھی۔

حیدرآباد سے تھونو مچھلی پٹن کو آیا جو اوس وقت قطب شاہی علمداری میں تھا یہ اوس وقت بہت آباد تھا تمام اقوام کے جہاز آیا کرتے اور یہاں سے مختلف ممالک کو روانہ ہوتے تھے تھونو نے وہاں ایک بکرا بارہ آنہ میں مرغی دو آنہ میں خریدی تھی۔

مچھلی پٹن سے پلٹ کر پھر گولکنڈہ آیا اور بیدر۔ پاتھری۔ برہانپور پہونچا۔ واپسی کے وقت اوس کا پروانہ راہداری مل گیا تو پھر اوسکو محصول جا بجا ادا نہ کرنا پڑا۔

ان سب سفرناموں اور واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گو زمانہ گزشتہ میں موجودہ سائنس کی ترقیوں کا نام و نشان نہ تھا۔ ذرایع رسل و رسایل میں آسانی نہ تھی شخصی حکومت کا دور دورہ تھا اور ہمیشہ سلطنتوں میں تغیرات ہوتے رہتے تھے تاہم تجارت اوسی رونق اور اُن ہی اصول پر ہوتی تھی جن پر آج ہے۔

سلطنت قطب شاہیہ کے خاتمہ اور سلطنت مغلیہ کے جنگ و جدل و فرنگستانی کوٹھیوں کے سواحل ہند پر بن جانے کی بدولت دکن کی تجارت بتدریج نقصان پذیر ہونے لگی مگر اس کا احساس بہت ہی آہستہ ہوا۔

شہنشاہ عالمگیر کے تسلط کے بعد گولکنڈہ و حیدرآباد کی تجارت بہت ہی کچھ گھٹ گئی۔ اور اورنگ آباد میں بڑھنے لگی۔ گو شہنشاہ عالمگیر کو تجارت کی ترقی وغیرہ

کا خاص خیال تھا مگر ہر وقت کی لڑائیوں نے اوس کو فروغ نہ ہونے دیا۔

اس زمانہ میں جہاں ملکی تجارت گھٹنے لگی تھی وہاں فرنگستانی تجارتی کوٹھیاں زیادہ رونق پانے لگی تھیں کا عروج البتہ ختم ہوگیا تھا۔ انگریز فرانیسی۔ وڈچ باہم ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے میں سرگرم تھے اور حالت ملک سے فائدہ اٹھا کر وہ مراعات حاصل کر رہے تھے۔ شہنشاہ عالمگیر کے صوبہ دار ذوالفقار خاں نے اسیٹ انڈیا کمپنی کو ایک سندھ جس میں یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ انگریزوں نے ایک خاص موقع پر مغلیہ حکومت کا ساتھ دیا تھا مدراس۔ مچھلی بندر۔ یرد پالم وزید یگاپٹن وغیرہ میں جو زیر حکومت گولکنڈہ تھے اون تمام مراعات کو جو انگریزوں کو بیشتر حاصل تھے حسب دستور بحال رہنے کا حکم جاری کیا گیا تھا۔ اس کے دو سال بعد اسد خاں مدار المہام اورنگ زیب نے اس سند کے آیندہ نفاذ کی منظوری صادر کی۔ اور چند نئے حقوق بھی عطا کئے جس میں ایک حق سکہ کا ڈھالنا بھی تھا۔

فصل سوم

دکن کی تجارت سلطنت آصفیہ کے دور میں

دکن پر آصفی پرچم لہرانے کے ساتھ ہی ہندوستان بھر میں طوایف الملوکی کا دور دورہ شروع ہوگیا ہر طرف خانہ جنگی اور شوق حکمرانی پیدا ہوگیا۔ اودھر اقوام یوروپ میں اولوالعزمی کشورکشائی کا تخیل موجود ہوگیا مشرقی سلطنتیں بگڑنے لگیں ان چیزوں کا بہت بُرا اثر تجارت پر پڑا فرنگستانی قوموں کے تجارتی مقابلے اور ہر طرف کے جنگ وجدل کی گرم بازاری نے ایران افغانستان وسط ایشیا کی تجارت کا خاتمہ کیا۔ تجارتی منڈیاں سواحل کے شہر بننے لگے پرانے تجارتی بازار سرد ہوگئے ہر جگہ یوروپی تاجر پھیلنے لگے۔ دکن کی تجارت کا بازار ماند ہوگیا۔ معادن الماس بے نشان ہوگئے۔ پیشتر کی طرح تجارتی کاروانوں قافلوں کا نام نہ رہا۔

حضرت مغفرت مآب آصف جاہ اول کے دور میں فرانسیسی اورڈچ زور پکڑے ہوے تھے اور وہ انگریزوں کے تجارتی کاروبار کو گھٹانے کی کوشش میں لگے ہوے تھے اس زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی عرضیاں سرکار آصفی میں امداد و حمایت کی غرض سے آتی تھیں اور یہاں اونکی فریادرسی ہوتی تھی۔

اعلیحضرت آصف جاہ اول کے مغفرت مآب ہوجانے پر حصول سلطنت کیلیے باہمی خانہ جنگی برپا ہوی اور اوس میں پہلے پہل یوروپین فوجوں سے امداد دی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی موسیو ڈوپلے نے ہندوستان میں فرانسیسی سلطنت کے قیام کا تخیل باندھا۔ گو ابتداءً اوس کی کوششیں کامیاب ہوگئیں مگر تقدیر نے بازی پلٹ کر برٹش یونین جیک کو فیروزی دلائی اور بتدریج کشور ہندوستان اوس کے زیر اثر آنے لگا۔

اس امر کا اعتراف ہر ایک مورخ کا فرض ہے کہ جہاں برٹش حکومت قایم ہوتی گئی وہاں امن و اماں اور تجارت و تمدن کی از سر نو بنیاد قایم ہوتی گئی۔ انگلش قوم تجارت پیشہ قوم تھی اور وہ تجارت ہی کرنے کو ہندوستان میں آئی تھی اس لئے وہ ملک کو لیکر بھی اپنی قدیم روش پر قایم رہی۔ اور اوس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں کل ہندوستان کی تجارت یوروپ ہی کے ہات میں آگئی اور خام پیداوار باہر جانے اور بیرونی مصنوعات ہندوستان میں آنے لگے۔

جس وقت انگریزوں کے ساتھ سرکار عالی نے پیمان وفا باندھا تھا اوس زمانہ میں تجارت نہایت بری حالت میں تھی مختلف محصولات راہداری نے جو ہر ایک جاگیر اور نیز سرکار کے مختلف حصص ملک میں لیئے جاتے تھے تاجروں کو بددل کردیا تھا اور وہ بیشتر کی طرح اولوالعزمی کے ساتھ تجارت کرنے کو چھوڑ چکے تھے جب ملک میں امن و امان قایم ہوا تو ادھر اعلیحضرت غفران مآب آصف جاہ ثانی اور ادھر ایسٹ انڈیا کمپنی کو خیال فروغ تجارت پیدا ہوا اوسی خیال سے فیمابین سرکارین ایک تجارتی معاہدہ ہوا جس کی رو سے سرکار عالی نے تمام تجارتی ٹکس اوٹھادیئے پانچ فی صدی سے زاید محصول تجارت کسی چیز پر بلا رضامندی فریقین معاہدہ نہ لینے

کا اقرار کیا۔ انگریز بلا مزاحمت تجارت کرنے کے مجاز کیے گئے۔ کمپنی نے اوس کے عوض یہ معاہدہ کیا کہ رعایای سرکار آصفیہ کو بلا کسی روک ٹوک کے ممالک ہند میں حق تجارت حاصل ہے۔ علاوہ بریں سرکار عالی کو حق ہے کہ تجارتی جہازی بیڑا اپنا مچھلی بندر میں تجارتی کوٹھی قایم کرے بحری تجارت سواحل ہند پر آزادی کیجایے سرکار عالی کے ملک سے بر آمد ہونے والے مال پر بھی پانچ فی صد سے زاید محصول لیا جاےگا یہ عہدنامہ تاریخ دکن میں ایک دلچسپ اور اہم امر ہے اوس کے بعض دفعات حسب ذیل ہیں

معاہدہ تجارت درمیان سرکار عالی و سرکار عظمت مدار

"چونکہ عمدہ انتظام یافتہ تجارت سے رعایا کی بہبودی اور فلاح اور ریاست کی آبادی اور تقویت متصور ہے اور چونکہ بغیر کسی روک ٹوک کے اور امن کے ساتھ تجارتی ربط و ضبط سے ملحقہ اقوام کے درمیان دوستی، صلح اور اتحاد قایم و ترقی پذیر رہتے ہیں لہذا آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی اور ہز ہائینس نواب آصفجاہ نے ہر ممکن الحصول ذریعہ سے سرکارین کے درمیان دلی خلوص اور اتحاد کو ترقی دینے اور اس اتحاد کا ثمرہ اپنی رعایا کو پہونچانے کی غرض سے فی مابین سرکارین موصوفہ عہدنامہ تجارت کے دفعات ذیل کو قبول و منظور کیا ہے۔

دفعہ ۱ بہ نظر اوس مستحکم دوستی اور اتحاد و ارتباط کے جو آنریبل کمپنی اور ہز ہائینس آصف جاہ کے درمیان قایم ہے۔ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی بذریعہ ہذا یہ اقرار کرتی ہے کہ ہز ہائینس موصوف کو بندرگاہ مچھلی پٹن بلا روک ٹوک کے استعمال کرنے دیا جایگا اور ہز ہائینس کو اختیار ہوگا کہ اوس بندرگاہ میں تجارت کی کوٹھی قایم کریں اور ایجنٹوں کو مقرر کریں۔ بہ پابندی ایسے قواعد کے جو بہ لحاظ نوعیت گورنمنٹ کمپنی لازمی ہوں اور گورنر جنرل آف کونسل اور ہز ہائینس کے درمیان قرار پالیں۔

دفعہ ۲ ہز ہائینس کے جہازات جن پر اون کا جھنڈا نصب ہوگا تمام اوقات میں شاہ انگلستان اور نیز کمپنی کے جنگی جہازات سے حفاظت پانیکے

مستحق ہونگے اور ہندوستان میں سرکار عظمت مدار کے تمام بندرگاہوں میں اوسی طرح داخل ہونے دیے جائیں گے جیسے کسی دیگر قوم مقبول کے جہاز آتے ہیں۔

دفعہ ۳ فریقین عہدنامہ کی جائز تمام اشیا جو کسی فریق کے یہاں پیدا کیگئی ہوں یا بنائی گئی ہوں بلا روک ٹوک لانے یا لیجانے دی جائینگی۔ اور نیز تمام وہ اشیا جو بادشاہ انگلستان کے قلمرو کے کسی حصہ میں پیدا ہوئی یا بنائی گئی ہوں۔

دفعہ ۴ تمام محاصل راہداری اور دیگر محاصل جو زمیندار یا مستاجر اون اشیا پر جو ممالک فریقین میں درآمد برآمد ہوتے ہیں۔ وصول کیا کرتے ہیں بالکلیہ موقوف ہوجائیں گے اور تمام زمینداروں ومستاجروں کو زبردستی اس طرح محصول لینے یا تاجروں پر جو فریقین معاہدہ کے ممالک میں آمد ورفت کرتے ہیں سختی کرنے کی قطعی ممانعت ہوگی

دفعہ ۵ ہر قسم کے اشیائے تجارت پر جو علاقہ کمپنی سے ممالک ہز ہائینس میں آئینگی فی صد پانچ روپیہ محصول بمقام حیدرآباد لیا جائیگا۔ اس کے سوا کوئی رقم نہ لیجائیگی۔ اور نہ کسی چیز پر ایک سے زیادہ مرتبہ محصول لیا جائیگا۔ محصول کا تعین مالیت شئے پر کیا جائیگا۔ اور تصدیق قیمت بیجک پر ہوگی۔ جس میں مہر ودستخط ملازمان فریقین ثبت ہوں گے۔ اس محصول میں کوئی تبدیلی بلا استرضائی فریقین معاہدہ نہ ہوگی۔

دفعہ ۶ انریبل ایسٹ انڈیا کمپنی اسی قسم کے قواعد اور ایسا ہی انتظام ہز ہائینس کے قلمرو کے اشیائے پیداوار ومصنوعات کے درآمد برآمد کیلئے اپنے علاقہ میں جاری کریگی۔ اور محاصل ناجائز نہ لیے جانے اور محصول درآمد وصول کرنے میں تکلیف نہ ہونے کا انتظام کریگی۔

دفعہ ۷ ہز ہائینس کے قلمرو سے جو اشیا ر علاقہ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقہ میں آئینگے اون کا محصول حسب فحوائے شرط پنجم صرف مچھلی بندر یا کسی ایسے مقام پر جہاں تاجران قلمرو ہز ہائینس کو تکلیف نہ ہو اور جو بہ منظوری واسترضا مقرر کیا گیا ہو لیا جائیگا اور کسی شئے پر ایک سے زیادہ مرتبہ محصول نہ لیا جائیگا۔

دفعہ ۸ اون اشیا پر جو بہ غرض برآمد ملک ہز ہائینس میں خریدی گئی ہوں

بموجب قیمت اصلی اشیائی صد پانچ روپیہ محصول ملازمان ہزہائینس وصول کرینگے اور اس سے زیادہ محصول نہ لیا جائیگا۔

دفعہ ۹ کسی تاجر یا سوداگر علاقہ گورنمنٹ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ قلمرو ہزہائینس میں وہ ہی شئے پھر وہاں فروخت کرے جو اوس نے وہاں کے پیداوار یا مصنوعات میں سے خریدی ہو۔ اور نہ بلا خاص اجازت کسی قسم کا غلہ قلمرو ہزہائینس سے ممالک آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کو جائیگا۔ اور نہ غلہ اوس سے زیادہ مقدار میں خریدا جائیگا جو افواج سیدر آبادی کے ضروریات کیلیے کافی ہو۔ مگر بوقت ضرورت حسب درخواست اجازت دی جائیگی کہ غلہ بلا محصول ممالک فریقین معاہدہ ہندوستان ودکن میں درآمد ہو۔

دفعہ ۱۰ تاجران ممالک سرکارین یعنی وہ تاجر جو ایک قلمرو سے دوسرے قلمرو میں تجارت کرتے ہوں بوقت درآمد و برآمد مال ایک مرتبہ محصول بہ شرح پانچ روپیہ فی صد حسب فحوائے شرائط متذکرہ بالا ادا کریں گے۔ مگر دوسرے ممالک کے تاجروں یا باشندگان حیدرآباد سے حسب دستور محاصل مقررہ محصول لیا جائیگا

دفعہ ۱۱ قواعد مذکورہ بالا یکم ستمبر ۱۸۰۲ء مطابق ۲ جمادی الاول ۱۲۱۷ھ سے نافذ ہوں گے۔"

مذکورہ بالا معاہدہ قلمرو آصفی کی تاریخ میں ایک اہم چیز ہے۔ اور تمام تجارتی انتظامات ومحاصلات سرکاری اب اوسی کی پابندی سے جاری ہیں۔

اس عہدنامہ سے سرکار عالی اور اوسکی رعایا نے ایسا کوئی نمایاں فایدہ حاصل نہیں کیا۔ جس طرح دوسرے فریق معاہدہ اور اُسکی رعایا نے حاصل کیا۔ تجارتی جہازی بیڑا بنانے اور مچھلی بندر میں کوٹھی قایم کرنے کا ارادہ کبھی قوت سے فعل میں نہ آسکا۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ سرکار عالی کے چند جہاز گزشتہ صدی میں سمندروں میں چلتے تھے مگر اون سے تجارتی کام زیادہ نہیں لیئے گئے وہ صرف حاجیوں کے لانے لیجانے کے ہی کام میں آتے رہے اور شکست ریخت ہو جانے پر فروخت ہوگئے۔

اگرچہ معاہدہ میں مختلف تجارتی محاصل جابجانہ لیے جانے کا اقرار ہو چکا تھا مگر کچھ عرصہ تک اوس پر باضابطہ عمل نہ ہوسکا۔ البتہ بیشتر کی طرح مزاحمت نہ رہی۔

سنہ ۱۸۲۴ء سے بیشتر براڑ اور اوس کے متصلہ اضلاع کی روئی بنگال کے جلاہے خرید لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد سے روئی کو کثیر مقدار میں اہل یوروپ کسی قدر زیادہ قیمت دیکر خریدنے لگے اور اسی لیے وہ بجائے بنگال کے بمبئی کو روانہ ہونے لگی اور ایک عظیم انقلاب روئی کی تجارت اور ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی میں ہونے لگا۔ پہلے تو روئی بیلوں پر لاد کر روانہ کیجاتی تھی اس میں مصارف بھی زیادہ ہوتے تھے اور وقت بھی بہت کچھ لگ جاتا تھا۔ اس لیے بغرض آسانی تجارت اون یوروپین حکام اضلاع کے زیر نگرانی جو اس زمانہ میں قلمرو آصفی کی ملازمت میں شریک تھے اضلاع شمال و مغرب میں سڑکیں تیار ہوئیں اور ان کی بدولت بیلوں کی گاڑیوں میں مال آنے جانے لگا۔ اور رفتہ رفتہ یوروپ کے ساتھ تجارتی تعلقات ترقی پانے لگے۔

سنہ ۱۸۴۵ء میں کرانہ۔ ولایتی پارچوں لوہے۔ اشیاء فلزی اور نمک کی بہت بڑی درآمد بمبئی آگرہ کی شاہراہ پر ہوتی تھی۔ ناسک کے قریب مال تجارت منقسم ہوکر مختلف مقامات پر جاتا تھا۔ جو مال مغربی حصص ملک سرکار عالی ممالک متوسط اور شرقی حصص ہندوستان میں لیجائے جانے کا ہوتا تھا وہ اضلاع چاندور و اورنگ آباد پر سے گزرتا تھا۔ ولایتی اشیاء کے معاوضہ میں اون مقامات سے غلہ۔ روئی۔ افیون کی برآمد ہوتی تھی۔

موسم پر نہایت کثرت سے روئی اور غلہ بیلوں پر لاد کر بنجاروں کے ذریعہ روانہ کیا جاتا تھا اور طلوع آفتاب سے غروب تک اونکی غیر منقطع قطار چلتی ہی رہتی تھی اس بڑے راستہ کو طے کرنے میں ناسک پر سے ایک طویل مسافت بمبئی کو پہونچنے کیلئے طے کرنی پڑتی تھی اس سے بچنے کیلئے بہت سے بنجارے واڑی اور طے کھیڑ سے جاتے تھے۔ مدراس۔ مچھلی پٹن۔ ناگپور وغیرہ سے بھی تجارتی مال مختلف راستوں

کے ذریعہ آتا جاتا تھا۔

۱۸۴۹ء میں ڈاکٹر براڈلی نے ضلع اورنگ آباد کے تفصیلی حالات کی ایک رپورٹ مرتب کی تھی اور اوس میں اونھوں نے تجارت کا حسب ذیل تذکرہ کیا ہے۔

یہاں کے بڑے بڑے اشیاء برآمد میں۔ غلہ۔ شکر اور اشیائے درآمد میں نمک لوہا۔ مسی برتن۔ سوتی پارچے اور چند دیگر اشیائے خانہ داری شمار ہو سکتے ہیں غلہ کی تجارت چند دیسی تاجروں کے ہاتھ میں ہے۔ ان میں سب سے بڑا تاجر ٹوکا میں رہتا ہے اوس کے گماشتے اورنگ آباد اور تمام قصبات میں مال خریدنے اور اوسکو بمبئی روانہ کرنے کیلیئے مقرر ہیں۔ جو غلہ باہر جانے سے بچ رہتا ہے وہ یہیں فروخت ہوجاتا ہے اور باشندوں کے مصرف میں کام آتا ہے۔ سوتی پارچے بنانے کے لیئے برار سے روئی آیا کرتی ہے۔

سوتی پارچہ بافی کی حرفت کس مپرس حالت میں پڑی ہوئی ہے کل ہر ایک گاؤں میں بنے جاتے ہیں۔ خام ریشم بمبئی سے آتا ہے۔ شروع بافی کا کام اورنگ آباد و جالنہ آباد میں معمولی طور پر اور تلجاپور میں بہت فروغ پر ہے۔ زرین پارچے اور نکھی گوٹا اورنگ آباد میں بنتا ہے نمک اور لوہا باہر سے بکثرت آتا ہے۔ ہر سال نمک ۱۴۶۰۷ پلے آیا کرتا ہے اور ۲ پیسے سیر کے حساب سے فروخت ہوتا ہے۔ فی کس بالا وسط ماہوار تین پاؤ نمک خرچ کرتا ہے۔ لوہا بمبئی سے سلاخوں اور پتھروں کی صورت میں اور نرمل سے چھوٹے چھوٹے سیلوں کی حیثیت میں آتا ہے اور ایک سال میں اوسکی درآمد بمبئی سے ۵۲۴۴ پلے نرمل سے ۱۷۸ پلے اور دوسرے مقامات سے ۱۳ پلے ہوتی ہے اور تقریباً کل کا کل زراعتی آلات وغیرہ بنانے کے کام میں آتا ہے۔ تعلقہ جالنہ کے متعلق حسب ذیل تفصیل لکھی ہے۔

جالنہ کے بڑے بڑے اشیائے برآمد میں غلہ اور سوتی پارچے ہیں اول الذکر برٹش قلمرو میں نہایت کثرت سے فروخت کیلئے جاتا ہے جو بار برداری کے جانور غلہ کو باہر لیجاتے ہیں وہ اوس کے عوض میں نمک اور لوہے کو ملک میں

درآمد کرتے ہیں یہاں نمک فی سیر ایک آنہ کے حساب سے فروخت ہوتا ہے اور سالانہ تخمیناً ۱۲۲۰۳ پلے فروخت ہوتا ہے لوہے کی سالانہ درآمد ۳۰۰ پلے کے قریب ہے جسمیں نصف بمبئی سے اور نصف نرمل سے آتا ہے۔ لوہا عمارات میں نہیں لگایا جاتا ہے بلکہ تقریباً کل کا کل زراعتی آلات کے کام میں آیا کرتا ہے۔ سوتی و ریشمی پارچے زیادہ مقدار میں برآمد نہیں ہوتے اور اون تے کرگھے زیادہ تر قصبہ جالنہ میں ہی ہیں غلہ کی تجارت بڑے بڑے ساہوکاروں اور بنیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اون کے گماشتے جابجا پھیلے ہوے ہیں جو پیشتر سے ہی مزارعین کے ساتھ معاہدے کیئے ہوے رہتے ہیں۔

تعلقہ ٹین کے متعلق حسب ذیل ریمارکس لکھے ہیں۔

باشندگان ٹین کا پیشہ زیادہ تر زراعت ہی ہے۔ ریشمی پارچہ بافی کی صنعت عمدہ حالت میں ہے مگر عرصہ سے تنزل پذیر ہو رہی ہے۔ اس ضلع میں مصنوعات ممالک غیر میں روانہ کرنے کے لیے تیار نہیں کیے جاتے بلکہ مقامی استعمال کے لیے معمولی طور پر بنائے جاتے ہیں۔ اہل حرفہ مصنوعات کو گراں تر مصارف باربرداری برداشت کرکے بیرونجات میں روانہ کرنے کی مقدرت نہیں رکھتے۔ اس کے اسوا متعدد پیچ در پیچ محاصل کروڑگیری۔ راہداری، چنگی وغیرہ کے نام سے بکثرت وصول کیئے جاتے ہیں۔ اور اوس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تاجر پریشان ہوتے اور دغابازیوں کے ذرایع تلاش کرتے ہیں۔ اور تجارت کی ان بکثرت جبری محاصل سے مزاحمت ہوتی ہے۔ محاصل راہداری ہر ہر پرگنہ کے سرحد پر وصول کیئے جاتے تھے اور اس طرح لیے جاتے تھے کہ بیحد پریشانی اور تکلیف تاجروں پر عاید ہوتی تھی۔ اس تعلقہ میں نمک ۲۴۰۱ پلہ قیمتی (للعہ) درآمد ہوتی تھی لوہا بمبئی سے ۳۶ پلے اور نرمل سے ۹ پلے آتا تھا اور اوس کی قیمت کم و بیش (الـــ) ہوتی تھی۔ یہاں سے بیرونجات کو برآمد ہونے والے بعض اشیا کی تفصیل یہ ہے۔ سوتی پگڑیاں زرین حاشیوں کی ۱۸۲۹۱ عدد قیمتی ؎ سوتی ساڑیاں زرین و ریشمی حاشیوں کی ۳۰۴۲ عدد قیمتی ؎ شال دوشالے ۹۹۹ عدد قیمتی ؎ سنہری و روپہلی نگھی گوٹا ۹۴۲۰ تولے قیمتی ؎

یہاں کا مال پونا۔ بمبئی۔ سورت۔ بڑودا۔ گوالیار۔ حیدرآباد میں فروخت ہوجاتا ہے
مذکورہ بالا اقتباس سے کسی قدر اندازہ اوس وقت کی تجارت کا ہوجاتا ہے
نیز یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود بکثرت محاصل تجارت لینے کے یوروپ کو پیداوار خام کی برآمد
چلی جاتی تھی اور ملک کے اہل حرفہ و کاریگر زراعتی کاروبار میں زیادہ مشغول ہونے
لگے تھے۔ چونکہ اوس زمانہ سے ممالک غیر کی تجارت درآمد و برآمد کو روزافزوں
ترقی ہورہی ہے اور گورنمنٹ نے بہت کام اس کے متعلق کیے ہیں اس لیے آج کل
اہل حرفہ کی حالت کچھ زیادہ تعجب انگیز نہیں خیال کیجاسکتی۔ کیونکہ ایک جاہل و عالم
کے مقابلہ میں جاہل کی ایسی ہی حالت ہوجاسکتی ہے۔

۱۸۵۵ء سے محاصل راہداری وغیرہ کو موقوف کرنے اور باضابطہ طریق پر
صرف ایک مرتبہ کسی مقام پر کڑوڑگیری وصول کرنے کے لیے ہز اکسلنسی سر سالارجنگ
اعظم نے کوشش شروع کی۔ رزیڈنٹ وقت کرنل لو نے اونکو تجارت کی مشکلات
پر متوجہ کرکے صلاح دی کہ اوس تمام مال پر جو برٹش سرحد سے آصفی قلمرو میں
درآمد برآمد ہو۔ راہداری موقوف کردی جائے جسکی موقوفی کا ۱۸۶۲ء میں معاہدہ
ہوچکا ہے اور جس کا نفاذ پورے پورے طور پر نہ ہوسکا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مدراس
گورنمنٹ نے جو دریائے گوداوری کے ذریعہ جہازرانی کیے جانے کی تجویز کررہی تھی
یہ زور دینا شروع کیا کہ محاصل راہداری وغیرہ موقوف کیے جائیں۔ پیشتر اس کے کہ اسکا کوئی
انتظام شروع کیا جاتا غدر کا واقعہ پیش آگیا۔ جب امن و امان ہوگیا اور لارڈ کیننگ نے
بحیثیت وایسرائے شاہ انگلستان اعلیحضرت مغفرت مکان آصفجاہ خامس سے بذریعہ
عہدنامہ جدید ایسٹ انڈیا کمپنی وغیرہ کے معاہدات کی تجدید کی تو اوس میں ایک فقرہ
اہم امور تجارت کے متعلق حسب ذیل داخل کیا گیا۔

”جہازرانی دریائے گوداوری اور اوس کی شاخوں میں جہاں تک حدود
سرکارین واقع ہیں بلامزاحمت ہوا کریگی اور کوئی محصول راہداری دونوں فریق معاہدہ
وصول نہ کرینگے اور نہ اونکی رعایا آمد و رفت دریائے مذکور پر لیگی۔“

اس معاہدہ کی بنا پر برس ڈیڑھ برس کے بعد سرکاری اعلان آزادی تجارت و معافی محصولات کا جاری ہوا اور جا بجا سررشتہ کروڑگیری کے محصول خانے اور چوکیاں قایم کی گیئں۔ اور تجارتی محصول زمانہ حال کے مروجہ اصول پر لیا جانے لگا قبل اس کے کہ کسی قدر تفصیل انتظامات سررشتہ کروڑگیری کی بجائے مشہور و معروف ہنکنگ کمپنی کا جو حیدرآباد میں پالمر انڈ کمپنی کے نام سے قایم ہوی تھی اور دریائے گوداوری میں جہازرانی کی کوششوں کا مختصر تذکرہ بہ لحاظ تعلق کردیا جاتا ہے۔

۱۷۹۹ء میں جنرل پالمر رزیڈنٹ متعینہ دربار پیشوا کے فرزند مسٹر ولیم پالمر جو ایک لکھنوی مسلمان بیگم کے بطن سے تھے حیدرآباد میں کسی فوجی عہدہ پر مامور ہوکر آئے مسٹر ولیم پالمر کے ایک بھائی مسٹر جان پالمر اسی زمانہ میں بمقام کلکتہ تجارتی کاروبار کرتے تھے حیدرآباد آنے اور کچھ عرصہ تک فوجی خدمت پر مامور رہنے کے بعد مسٹر ولیم پالمر نے استعفا دیکر تجارتی کاروبار شروع کیا اور ایک فرم پالمر انڈ کمپنی کے نام سے قایم کی اسوقت راجہ چندولال بہادر مدارالمہام اور مسٹر ہنری رسل رزیڈنٹ تھے اور ریاست کی مالی مشکلات زیادہ ہونے لگی تھیں۔

سنہ۱۸۱۴ء میں یہ فرم قایم ہوی تھی اور اوس کے پاس کثیر سرمایہ بھی موجود تھا۔ اب اس فرم نے سرکار عالی کو محاصل مالگزاری کی کفالت پر ہر مہینہ میں روپیہ دینا شروع کیا کمپنی کا سود فیصدی ۲۵ ہوا کرتا تھا اور ماہوار دو لاکھ روپیے دیے جاتے تھے اور اوسکے کفالت میں سالانہ تیس لاکھ روپیہ کی آمدنی کا علاقہ کمپنی کے تفویض میں تھا کچھ عرصہ بعد اس کمپنی میں سر ولیم رمبولڈ بھی حیدرآباد آکر شریک ہوگئے سر ولیم رمبولڈ ایک سابق گورنر مدراس کے فرزند اور گورنر جنرل وقت لارڈ ہسٹنگز کی ایک عزیزہ اور زیر ولایت لیڈی سے شادی کرنے کی بدولت خاص رسوخ رکھتے اور گورنر جنرل کے داماد خیال کیے جاتے تھے گورنر جنرل کی خاص نظر عنایت اون پر تھی اوسکی بدولت اس کمپنی کو حیدرآباد میں بہت جلد عروج حاصل ہوگیا۔ افسران رزیڈنسی اوس میں حصہ دار بنگئے اور یہ خیال عام طور پر پیدا ہوگیا کہ گورنمنٹ آف انڈیا خاص نظر توجہ سے اوسکی بہبود و ترقی کی

خواہاں ہے۔ اسی زمانہ میں لارڈ ہسٹنگز نے ایک خانگی خط سر ولیم رمبولڈ کو لکھا اور اوسمیں فقرات ذیل بھی موجود تھے "اوس فرم کی بہبودی میں جس کے ایک حصہ دار آپ بھی ہیں مجھکو خاص دلچسپی رہیگی۔ گورنمنٹ کی امداد وغیرہ کا تعین جو اس فرم کو حاصل ہوگا اگرچہ نہیں ہوسکتا ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ دیسی باشندے مثل اپنی گورنمنٹ کے اوس کارخانہ کی عزت کرینگے جو سپریم گورنمنٹ کے منشا سے قایم ہے" بہرحال ان رسوخ و اثرات کی وجہ یہ کمپنی سرکار عالی کو گراں تر سود پر وقتاً فوقتاً رقم قرض دیتی رہتی تھی یہاں تک کہ چھ سال میں اوسکی مقدار معہ سود ایک کروڑ روپیہ ہوگئی۔ اوسکی ادائی میں ملک کے مختلف اضلاع کمپنی کے سپرد کر دیے گئے۔

سنہ ۱۸۲۰ء میں مہاراجہ چندولال نے ۶۰ لاکھ کا قرضہ ۱۸ فیصد سود سے لیا اسمیں سے ۸ لاکھ روپیہ ڈایرکٹران کمپنی کو بطور انعام دیے گئے تھے۔ بقیہ رقم میں سے ایک کثیر حصہ مختلف انعامات وغیرہ میں صرف ہوکر ایک جزوی رقم داخل خزانہ سرکار ہوی۔ اسی سال کے اواخر میں سر چارلس مٹکاف رزیڈنٹ ہوکر حیدرآباد آئے اور کمپنی کے حالات کی تحقیقات کرنے پر اونکو معلوم ہوا کہ کمپنی ریاست کے حق میں ایک خطرناک چیز بنی ہوی ہے اور سرکار عالی کو لوٹ رہی ہے اوسکے ڈایرکٹروں کو بڑی بڑی ماہواریں ریاست سے جاری ہوگئی ہیں بعض افسران رزیڈنسی اوسکے عمدہ معاون بنے ہوے ہیں یہ حالت دیکھکر اونھوں نے اصلاح حالت پر توجہ کی اور نہایت زور سے گورنر جنرل کو توجہ دلائی کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی ضمانت سے سرکار عالی کو ایک کروڑ روپیہ تجار کلکتہ سے قرض دلوانا اور اوس روپیہ سے پالمر کمپنی کے مطالبات کا تصفیہ کیا جانا نہایت ضروری ہے مگر نہایت زوردار سفارشوں اور اثرات کی وجہ سر چارلس مٹکاف کی تجویز جب تک لارڈ ہسٹنگز وایسرائے رہے چل نسکی بلکہ سر چارلس مٹکاف کو یہ ہدایت ہوتی رہتی تھی کہ کمپنی اور سرکار عالی کے باہمی معاملات میں مداخلت نہ کریں سنہ ۱۸۲۳ء میں لارڈ ہسٹنگز عہدہ سے کنارہ کش ہوکر انگلستان کو روانہ ہوگیے۔ اور سر جان آڈم نے چند روزہ گورنر جنرلی کے

زمانہ میں کمپنی کے معاملات کی تفتیش کی تو یہ ظاہر ہوا کہ سرکار عالی پر معہ سود ایک کروڑ روپیہ زر واجب الادا ہے۔ اس تحقیقات کے بعد رزیڈنٹ نے حسب الحکم گورنر جنرل اعلیحضرت سکندر جاہ مغفرت منزل سے ایک دستخطی سند حاصل کی جسمیں حضور ممدوح نے شمالی سرکار کے سالانہ پیشکش رقمی ۷۰۰ء۱۶ء۱ روپیہ سے لادعوی لکھدیا تھا اور اس سند کے تحریر ہو جانے پر گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنے خزانہ سے کمپنی کا قرضہ ادا کر دیا۔ واضح ہو کہ شمالی سرکار مچھلی بندر اور اوسکے ملحقہ اضلاع کو کہتے ہیں جنکو اول نواب مظفر جنگ نے بصلہ حسن کارگزاری و اعانت فرانسیسوں کو مرحمت کیا تھا اور اوسکے بعد نواب صلابت جنگ نے برٹش گورنمنٹ کو سبسیڈیری افواج کے اخراجات کیلیے سپرد کر دیے تھے اور آمدنی میں سے بعد وضع اخراجات مثل برار سرکار عالی کو بچت دیجاتی تھی۔ بہرحال اس سند کی روسے وہ اضلاع دوامًا برٹش قلمرو میں ملحق کر دیے گیے۔

ادائی قرضہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد پالمر کمپنی کا دوالہ نکل گیا اور اوسکی وجہ ڈایرکٹروں کے مسرفانہ اخراجات تھے اس دوالہ کی وجہ کمپنی کے حصہ داران انگلستان میں سخت پریشانی اور سنسنی پیدا ہو گئی۔ اور اوس کے متعلق ۱۸۲۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ممبران کورٹ آف پروپرایٹرس نے ۶ دن تک پر زور و گرم جوش مباحثہ کیا تھا۔ اوس مباحثہ کا نتیجہ صرف یہی ہوا کہ لارڈ ہیسٹنگز کے طرز عمل کی سخت نکتہ چینی کیگئی۔ اور اوسکے ساتھ ہی بعض ممبروں نے جو پالمر کمپنی کے حمایتی تھے سر چارلس مٹکاف پر غیر واجب مداخلت کا الزام لگایا جس جوش و خروش اور ضخیم تحریرات اور طویل تقریروں کے ذریعہ انگلستان کی پبلک نے پالمر کمپنی کے معاملات پر توجہ مبذول کی تھی اوسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وارن ہیسٹنگز کے مقدمے کے بعد سے کوئی ہندوستانی مسئلہ ایسا نہیں پیش ہوا تھا جس پر ایسی توجہ ہوی ہو۔ پالمر کمپنی کے معاملات برٹش انڈیا کے تاریخی واقعات میں شامل ہو گیے ہیں اور بہت کم ایسی انگریزی ہندوستانی تاریخیں ہیں جنمیں اس کا تذکرہ نہ ہو۔

دیوالیہ ہو جانے کے بعد بھی مسٹر پالمر حیدرآباد ہی میں سرکار عالی کے ایک پولٹیکل پنشنر اور ذی رسوخ شخص کی حیثیت سے اقامت گزیں ہو گیے۔

اور ۱۸۶۷ء میں ۸۸ سال کی عمر گذار کر دنیا سے چل بسے اور یہیں دفن ہوئے انکی اولاد بھی ہوئی تھی ایک مسلمان عورت کو اونھوں نے گھر ڈال لیا تھا اوسکے مرجانے پر اوسکے زیورات فروخت کر کے اوس کا مقبرہ اور ایک مسجد حیدرآباد میں بنائی جو مسجد این صاحب کے نام سے موسوم اور ترپ بازار میں رزیڈنسی کی سڑک پر واقع ہے۔ مسٹر پالمر اور مسٹر ولیم رمبولڈ کی کوٹھیاں حیدرآباد میں ابھی تک قایم ہیں اب رمبولڈ کی کوٹھی میں نظام کالج قایم ہے

سر ارچرڈ ٹمپل جو کسی زمانہ میں رزیڈنٹ حیدرآباد تھے اپنے حیدرآباد کے روزنامچہ میں اس کمپنی کے متعلق حسب ذیل صراحت کرتے ہیں "میں نے وہ مثل دیکھی جو پالمر کمپنی کے معاملات کے متعلق مرتب ہوئی ہے اور جسمیں وہ اہم مراسلہ بھی شامل ہے جسکو مٹکاف نے پالمر ہوس اور مدارالمہام کی بد وضعی کے بارہ میں لکھا تھا اور نظام گورنمنٹ کے اصلاح مصارف کی ضرورت ظاہر کی تھی۔ یہ مراسلہ نہایت تطویل و تفصیل سے لکھا گیا ہے یہ لحاظ اپنے طرز بیان و زور اثر کے سرکاری مراسلات میں اشرفیت کا مرتبہ رکھتا ہے اور میرے خیال میں برٹش انڈیا کے محافظ خانوں کی یہ ایک بہترین چیز ہے۔

اس مراسلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ پالمر کمپنی نے نظام کو قرضہ نہایت گراں سود پر دیا ہے۔ یہ شرح سود ایسی ہے کہ وہ صرف کسی کفالت کے نہونے کی حالت میں ہی لیجاسکتی ہے اور برٹش اتھارٹی کے زور سے یقیناً یہ کمپنی نظام گورنمنٹ کو باقاعدہ ادائی قرضہ و سود پر مجبور کرتی ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ اوس قرضہ کی ذمہ دار برٹش و نظام گورنمنٹیں ہیں کوئی وجہ نہیں ہے کہ سود ایسی گراں شرح سے لیا جائے۔ نظام گورنمنٹ واجب الادا رقم سے بہت زیادہ ادا کر چکی ہے اور اسطرح ایک یوروپین ہوس کو دولتمند بنانے فایدہ پہونچانے میں نظام گورنمنٹ بہت کچھ نقصان اٹھا چکی ہے اور اسکی وجہ مسٹر پالمر اینڈ کو کو نظام کے لٹیرے کہنا درست ہوسکتا ہے۔"

اس مراسلہ کو پڑھنے سے لارڈ ہسٹنگز گورنر جنرل کے طرز عمل کو جو اس مقدمہ میں رہا غیر مناسب مسٹر جان آدم منصرم گورنر جنرل کی کارروائی کو نہایت مناسب اور درست خیال کرنا پڑا۔"

مسٹر پالمر کمپنی علاوہ مہاجنی کاروبار کے مصنوعات حیدرآباد کو ولایت میں اور ولایتی اشیاء کو حیدرآباد میں درآمد برآمد اور مختلف کاروبار کرتی رہتی تھی اسی کمپنی نے یہ منصوبہ بھی کیا تھا کہ دریائے گوداوری میں جہازرانی کا انتظام کیا جائے اور اوسکی بدولت تجارتی مال کی آمد و رفت میں آسانی پیدا کیجائے اس غرض کیلئے پہلے پہل سنہ ۱۸۲۱ء میں کوشش شروع ہوئی مادھاپور سے لیکر برلتش قلمرو تک اس دریا کی پیمایش کیگئی۔ مادھاپور میں ایک بڑا گودام ساگوان کی لکڑی کا بنایا گیا جسکی بہت بڑی مانگ اوس زمانہ میں تھی۔ مادھاپور سے ساگوان کے لٹھوں کو پانی میں بہاکر کورنگا میں لیکر آتے تھے اور وہاں وہ اچھی قیمت پر فروخت ہوکر دوسرے مقامات کو روانہ کیا جاتا تھا۔ پالمر کمپنی نے ایک جہاز بھی مقامی ساگوانی لکڑی کا دریا کے مناسب حال تیار کیا یا تھا اور اوسمیں چوبینہ کلکتہ کو فروخت کیلیے روانہ کرتی تھی۔ اسی کمپنی نے ایک کوٹھی چاندراس روئی کو خریدنے اور وہاں سے بذریعہ جہاز مختلف مقامات کو روانہ کرنے کیلیے قایم کی تھی مگر چند سال کے تجربہ سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کام میں کافی منافع حاصل نہیں ہوتا اور کمپنی کے دیوالیہ ہونے کے ساتھ یہ گودام بھی ٹوٹ گیے۔

سنہ ۱۸۵۱ء میں مدراس کے مشہور انجنیر سر آرتھر کاٹن جنھوں نے دریائے گوداوری و کرشنا کے اینکٹ نکالکر مدراس کے شمالی سرکاروں کو گلزار بنادیا ہے دریائے گوداوری سے جہازرانی کرنے اور اوس سے تجارتی فواید حاصل کرنے کی ایک تجویز مرتب کی اور سنہ ۱۸۵۳ء سے مزید تجربہ کیلیے عملی کوشش شروع کیگئی۔ دو کشتیاں جن میں ایک دخانی کشتی ۹۰ فٹ طویل اور دوسری بادبانی کشتی ۷۵ فٹ طویل تھی اور جن میں ۹۰ ٹن تک یا اناج بھرا جاسکتا تھا دلشاورم سے جون کے مہینہ میں چلائی گیں۔ دونوں کشتیاں مقام معینہ پر جو دریائے گوداوری و اندراوتی کے سنگم سے ۵۰ میل فاصلہ پر تھا پہونچنے میں کامیاب ہویں۔ اور ۴ دن اوسکو طے کرنے میں لگے۔ یہ ظاہر ہوا کہ بارش کے بعد جب پانی زیادہ ہوجاتا ہے تو تیزی سے کشتی چلتی ہے ورنہ رک جاتی ہے۔ اس تجربہ کے بعد دو لاکھ روپیہ ابتدائی پیمایش وغیرہ کے کاموں میں صرف کیے گیے۔ سنہ ۱۸۵۹ء میں کپتن ہیگ نے

ندی کو پورے غور کے ساتھ معائنہ کرنے کے بعد ایک بر آورد مرتب کی جسمیں تمام موانع ومزاحمتوں کو دور کرنے اور ہمیشہ کے لیے دریا کو آمد و رفت کے قابل بنانے کے لیے بیس لاکھ کے اخراجات کا تخمینہ کیا گیا تھا اور اوسکو گورنمنٹ مدراس نے منظور کرلیا اور کام فوراً شروع ہونیکا انتظام بھی کیا گیا اور اسی بنا پر ۱۸۶۰ء کے معاہدہ میں دریائے گوداوری کا تجارت کا تذکرہ بھی درج تھا یہ تخمینہ کیا گیا تھا کہ ہنگن گھاٹ تک جو بمبئی سے آدھے راستہ پر واقع اور دریائے گوداوری کا دھانہ ہے کشتیاں دس دن میں باد موافق رہنے کی صورت میں پہونچ جایا کرینگی۔ اور وہاں سے واپس کھینچکر لائی جانے کی صورت میں ڈھائی ماہ کا عرصہ لگیگا۔ روئی کو اس کے ذریعہ بمبئی روانہ کرنے کا خرچہ بمقابل ریلوے دو ثلث کم ہوگا۔ دوسرے اشیا کی درآمد برآمد بھی بکفایت ہوسکیگی۔ بعد منظوری فوراً کام شروع نہیں ہوسکا ۱۸۶۳ء میں سر رچرڈ ٹمپل نے جو اوسوقت منصرم چیف کمشنر سنٹرل پراونس تھے پھر دریا کا معائنہ اوسکے دہانہ سے لیکر دلشا ورم پیٹہ تک کیا اور ایک مبسوط رپورٹ پیش کی جسمیں اخراجات کا تخمینہ چھبیس لاکھ روپیہ کیا گیا تھا اسکو گورنمنٹ آف انڈیا اور سکرٹری آف اسٹیٹ نے منظور کرلیا۔ مگر ۱۸۷۱ء میں اس اسکیم کے اجرا کی تجویز پورے پورے طور پر ملتوی کردیگئی اور وجہ یہ ظاہر کردی گئی کہ اخراجات کے مقابل نفع کی امید یقینی نہیں ہے۔

اگرچہ اس تجویز کو ناکامی ہوی مگر اوس کے متعلق جو معاہدہ ہوگیا تھا اوس سے سرکار عالی کی توجہ اصلاح محاصل کروڑگیری کی جانب مبذول ہوگئی اور ۱۸۶۲ء میں باضابطہ محکمہ کروڑگیری قایم کیا گیا۔ تمام اندرونی محاصل راہداری وغیرہ کا خالصہ و جاگیر دونوں علاقوں میں لیا جانا قطعاً بند کردیا گیا۔ اور اوس کے عوض فیصدہ کے حساب سے ہر قسم کے مال تجارت پر محصول کروڑگیری مقرر کیا گیا اور بلحاظ آسایش رعایا بہت سی اشیا محصول سے مستثنیٰ بھی کیگئیں بعض اشیا پر محصول خفیف تعداد میں مقرر کیا گیا۔ سرحدوں پر چوکیاں مقرر کیگئیں اور حسب ذیل محصول خانے وصول محصول کے لیے قایم کیے گئے۔

ضمیمہ تعلیمات

نتیجہ امتحان مڈل اسکول سرکار عالی بابتہ سال ۱۹۱۱ع

نمبر	نام کامیاب شدہ	درجہ	نمبر	نام	درجہ
مدرسہ عالیہ شریک ۹ کامیاب ۴			۴۴	شیخ اختر علی	دوم
۴	محمد ابو الفتح خاں	دوم	۶۲	سید خواجہ احمد اللہ	،،
۶	شاہ نواز جنگ	،،	۷۱	بیجے کے کرشنا مورتی راؤ	،،
۸	راجہ شامراج	،،	۷۶	نام علی بابا راجلو	،،
۹	سید احمد علی	،،	۸۱	ٹی راماں جلو چاری	،،
			۸۳	وجیاناتھ	اول
چادرگھاٹ گورنمنٹ ہائی اسکول شریک ۷۵ کامیاب ۱۷			گورنمنٹ سٹی ہائی اسکول شریک ۸ کامیاب ۴		
۱۱	ابو البرکت سید غوث الدین	،،	۸۵	محمد بدر الدین	دوم
۱۹	محبوب علی	،،	۸۹	میر اسد علی	،،
۲۶	محمد علی مہاجر	،،	۹۷	سید امان علی	،،
۳۲	محمد حسین	،،	۱۰۰	حافظ علی	،،
۳۴	محمد مظفر الدین	،،	ریزیڈنسی اسکول شریک ۱۲ کامیاب ۴		
۴۰	سید منیر الدین	،،	۱۰۴	ایم بالیا	دوم
۴۴	اسے ترل سادہ	اول	۱۱۱	کے راجچار	،،
۸۰	خواجہ معین الدین حسن	دوم	۱۱۲	وی رگھونندرا چاری	،،
۹۳	محمد عبد الرحمان	،،	۱۱۳	حسین عطار اللہ	
۹۶	محمد بدیع الدین	،،	آل سینٹ انسٹیٹیوشن شریک ۵ کامیاب ۲		
۹۳	رامیشور روں	،،	۱۱۶	بال سندرم ایس۔ آر	دوم
			۱۲۲	ہرل منی	اول

۱۲۳ راما لنگم — دوم
۱۲۶ لول فالنیکا — ״
۱۲۷ مدن موہن لعل — ״
۱۲۸ سید سعادت علی — ״

گورنمنٹ نارمل اسکول شریک ۲۹ کامیاب ۱۵

۱۲۹ یم چندر سکھراؤ فتح پورکر — دوم
۱۳۱ محمد اسحق — ״
۱۳۴ پی کیشو راؤ — ״
۱۴۱ محمد تاج الدین — ״
۱۵۱ سنگا ریڈی وینکٹ راؤ — ״
۱۵۳ محمد عبداللہ خاں — ״
۱۵۵ محمد عبدالستار — ״
۱۵۶ محمد حسین — ״

مدرسۂ اعزہ شریک ۴ کامیاب ۲

۱۶۰ مرزا محمد بیگ دوم — دوم
۱۶۱ سید یوسف علی — ״

مدرسۂ مفید الانام شریک ۸ کامیاب ۳

۱۶۶ پی بنسی دھر — دوم
۱۶۷ پی پنج ناتھ مصرہ — ״
۱۶۹ محمد افضل خاں — ״
۱۷۰ سری دھر گر راؤ — ״

ویدک دھرم پرکاشکا شریک ۴ کامیاب ۱

۱۷۳ شنکر شینکر راؤ کوریگل — دوم

۱۷۴ مادھو نیکیشن دیسپانڈیہ — دوم
۱۷۵ کرشناجی باپوراؤ بھالکی کر — ״

اسلامیہ بورڈنگ اسکول پلک پیٹھ شریک ۶ کامیاب ۲

۱۷۶ محمد شہاب الدین — دوم
۱۸۱ سید محی الدین علی — ״

اپر مڈل اسکول گولکنڈہ شریک ۶ کامیاب ۱

۱۹۵ شیخ محی الدین — دوم

اینگلو ورنا کلر مڈل اسکول بھونگیر شریک ۱۲ کامیاب ۴

۲۰۷ کرشنا رڈی پلی ماملی — دوم
۲۱۲ کشن راؤ — ״
۲۱۳ غلام احمد — ״
۲۱۴ غلام احمد — ״

گورنمنٹ مڈل اسکول بیدر شریک ۹ کامیاب ۲

۲۲۷ یم ڈی محمود شاہ خاں — دوم
۲۳۲ ہیرالال — اول

اپر مڈل اسکول شورا پور شریک ۷ کامیاب ۲

۲۳۴ پی ڈکشا چاری — دوم
۲۳۷ تسمے بھیم سین — ״

اپر مڈل اسکول مومن آباد

شریک ۱ کامیاب ۱			۴۴۷	دیلوی داس مہاجن	دوم
۲۴۳	کیشو	دوم	۴۵۴	وینکٹ راؤ کلیانکر	//
اپر مڈل اسکول ناندیڑ شریک ۴ کامیاب ۳			۴۵۹	چندر سین والوے	//
۲۴۶	گنپت	دوم	۴۶۰	دامودھر جھوبلے	//
۲۴۸	گوبند	//	۴۶۴	کیشو ابھی کر	آنر
۲۴۹	لکشمن	//	۴۶۵	تری پراسوارند و	اول
بیراکوٹ طلبا ر			۴۸۲	محمد شمس الدین	دوم
۲۵۱	بخشش علی	دوم	۴۹۰	سید بادشاہ حسینی	//
۲۵۵	میر اقبال علی خاں	//	۴۹۸	مرزا عابد حسین بیگ	//
۲۵۸	سید احمد	//	۵۰۲	یم سرینواس راؤ	//
۲۸۳	خواجہ سراج الدین	//	۵۰۶	عبداللطیف	//
۲۸۹	محمد عبداللہ	//	۵۰۷	یل جیارام پرشاد	//
۳۰۳	محمد افتخار حسین	//	سکندرآباد شہر محبوب کالج شریک ۲۷		
۳۰۵	محمد عنایت الرحمن	//	کامیاب ۹		
۳۲۹	نندلال	//	۵۱۰	بی راگھون جی پارک	اول
۳۴۴	سردار علی	//	۵۱۸	محمد ابراہیم شریف	دوم
۳۴۶	شاہ میرزا	//	۵۲۰	وی رامانندم	//
۳۴۷	شاہزادی مرزا	//	۵۲۸	جی راج گوپال	//
۳۵۷	سید مہدی علی	//	۵۲۹	کے گوری شنکر	//
۳۷۷	رامرسٹی رنگیا	//	۵۳۰	کے سری راملو	//
۴۱۹	نارائن راؤ	//	۵۴۰	وی وینکٹا چاری	اول
۴۲۲	راما لنگا ریڈی	//	۵۴۴	وی ڈی تھرو ونکدم	دوم
۴۲۸	شامراؤ بیدر	اول	۵۴۵	چارلس ڈیوڈ	//

ایس اے کنونینٹ ہائی اسکول
شریک ۳ کامیاب ۱

۵۴۸ ایگنا شیئس ڈیلو — دوم

مدرسہ اسلامیہ سکندرآباد شریک ۱۲
کامیاب ۴

۵۵۲ غوث خاں — دوم
۵۵۹ محمد علی — اول
۵۶۰ سید محمود — ״
۵۶۴ پی بھچی نارایَن — دوم

ڈبلیو نیم بائیس مڈل اسکول شریک ۱
کامیاب ۱

۵۶۶ سی بالجی نادلکر — دوم

ایس پی جی اے وی اسکول سکندرآباد
شریک ۲ کامیاب ۲

۵۶۸ سی وی داس کناناموفی
۵۶۹ گندہ بائی یسوراتہنم

اے وی اسکول بلارم شریک ۵ کامیاب ۲

۵۷۰ جی بہاری — دوم
۵۷۴ یل چنگل راؤ — ״

پرائیویٹ طلباء

۵۹۵ محمد اعظم حسین — دوم
۶۰۶ محمد یسین علی — ״

ورنگل سنٹر گورنمنٹ ہائی اسکول ورنگل
شریک ۱۱ کامیاب ۴

۶۰۸ ڈی وینکٹ نرسیا — دوم
۶۰۹ اندور گووند راؤ — اول
۶۱۰ سعید الدین احمد — دوم
۶۱۵ رائے گرو پرشاد — ״

اپر مڈل اسکول کھمم شریک ۸ کامیاب ۲

۶۱۸ مرزا نصیر احمد بیگ — دوم
۶۲۵ وینکٹ نرسم ہم عینا مندرا — اول

اپر مڈل اسکول مستھوارہ شریک ۹ کامیاب ۱

۶۴۰ نرہری تھوتم

لوور مڈل اسکول لنکسگو شریک ۱ کامیاب ۱

۶۴۴ یس نارایَن راؤ — دوم

پرائیویٹ طلباء

۶۴۹ پی سرنیواس راؤ

گلبرگہ سنٹر گورنمنٹ ہائی اسکول گلبرگہ
شریک ۱۲ کامیاب ۸

۶۷۱ مظفر حسین — دوم
۶۷۳ رام چندر لکشمیا — ״
۶۷۴ جی راگھو نندر راؤ — اول
۶۷۷ سرنیواس پانڈورنگ — ״
۶۷۹ کھیم چند — دوم
۶۸۰ کشتاجی بھیم راؤ — ״
۶۸۴ نارایَن بھیت — ״

۶۸۴	غلام احمد	
	اپر مڈل اسکول رائچور شریک ۱۴ کامیاب ۵	
۶۸۹	جناردهن رانگو ونندر دیسائی	دوم
۶۹۳	رام چندر بلونت	آنر
۶۹۵	سرنیواس تکارام وکشت	"
۶۹۶	ونیکوب راؤ ارجن راؤ	"
۶۹۸	ونکوبا رامراؤ	دوم
	مدرسہ فوقانیہ گلبرگہ شریک ۶ کامیاب ۱	
۶۹۹	سید تراب علی	دوم
	لور مڈل اسکول لنگسگور	
۷۱۸	محمد اسمعیل	دوم
	رشدیہ اسکول تلجاپور	
۷۲۹	بلونت	دوم
	پرائیوٹ طلبا،	
۷۴۵	کھنڈے راؤ یابا راؤ سکاپورکر	
۷۵۵	ونایک لکشمن چتانند	
	اورنگ آباد سنٹرل گورنمنٹ ہائی اسکول اورنگ آباد	
۷۶۵	گونداس	اول
۷۶۷	محمد نورالدین	دوم
۷۶۸	سداشیو کیشو پرن کر	"
۷۷۰	واسن سکھارام وکشت	"
	اپر مڈل اسکول جالنہ شریک ۳ کامیاب ۲	
۷۷۲	بال کرشنا وامودہر چتلی	دوم
۷۷۳	دتاتری سروتم صراف	اول
۷۷۵	نارائن بھگونت پٹن دوم	دوم
۷۷۶	سداسیو بالاجی گجر	"
۷۷۷	ترنبک لنگو کلکرنی	اول
	اپر مڈل اسکول پٹن	
۷۸۰	فضل الدین	دوم
	اپر مڈل اسکول بیڑ شریک ۶ کامیاب ۳	
۷۸۵	پانڈورنگ نارائن میدیکر	دوم
۷۸۷	سری دھر یلا دنرالے	"
۷۸۸	وشنو گوپال راؤ مہاجن	"
	اپر مڈل اسکول ہنگولی	
۷۸۹	جے رام کاسی ناتھ	"
۷۹۰	گلاب بالارام	
۷۹۱	مہادیو ہنمنت	اول
	ورناکلر مڈل اسکول اورنگ آباد	
۷۹۸	میر ریاست میر منور علی	دوم
	مدرسہ فوقانیہ بیجاپور	
۸۰۳	واسدیو	دوم
۸۰۶	کریم خاں	"
	پرائیوٹ طلبا،	
۸۱۴	مرزا محمد بیگ	دوم
۸۱۹	محمد اصغر حسین	

	طلبائے لنوان حلقہ چادرگھاٹ اسٹینلی گرلس ہائی اسکول شریک ۷ کامیاب ۶		۸۴۲	میری اسٹرفیل	”
				تعلقہ سکندرآباد پلیس ای کانونٹ ہائی اسکول	
			۸۴۴	ہیٹی فونیکا	دوم
۸۳۱	شیونتی بائی دہرندر	اول	۸۴۵	تاجا یا نن جی خبائی	”
۸۳۲	میری دوردمتی گریگ	دوم	۸۴۶	روسینا ریڈ	”
۸۳۳	کیرولائن رحمان	”		بی او اینڈ بی اسکول	
۸۳۴	رتنما ابابا	”	۸۴۹	جی اے دی ٹیرس	دوم
۸۳۶	میرین ڈیونڈ	”		ویسلین گرلس مڈل اسکول	
	مدرسہ کانونٹ آف سینی موسٹ ہولی ورزن		۸۵۰	گنتا آنانا	”
۸۳۹	اسمن سیکویرا	دوم		پرایوٹ طلبار	
۸۴۱	میری روڈری کمیں	”	۸۵۶	یادگر دسنجی شاہ	دوم

تصحیح

کمشنر صاحب امتحانات مطلع فرماتے ہیں کہ محمد اسد اللہ جس کا رجسٹر نمبر ۸۰۱۵ ہے امتحان مڈل میں بدرجہ دوم کامیاب ہے۔

اعلان

متعلق عطائے ہائی اسکول لیونگ سرٹیفکٹ

(۱) قرارداد استحقاق۔ یہ سرٹیفکٹ تکمیل نصاب مقررہ مدارس پر صرف انھیں طلبا کو دئے جائینگے جنھوں نے (۱) جماعت ہائے وسطی سے جماعت ہائے فوقانیہ میں ترقی یاب ہونے کے بعد ایسے مدرسہ میں تعلیم پائی ہو جس کو کہ مجلس نے عطائے سرٹیفکٹ کا مجاز گردانا ہو (۲) اور جماعتہائے فوقانیہ کی ہر جماعت میں غرداً فرداً ہر میعاد

ششماہہ کے معینہ ایام درس میں سے کم سے کم (۶۰) فیصدی اور ہر سال کے جملہ ایام درس میں سے کم سے کم ۱۲۰ روز حاضر رہے ہوں۔

(۲) مجاز عطائے سند (سرٹیفکٹ) عطائے سرٹیفکٹ کا انحصار ایک ایسی مجلس پر ہوگا جس کے میر مجلس بہ لحاظ عہدہ ناظم تعلیمات ہوا کرینگے اور اس کے ارکان نظام کالج وعہدہ داران سررشتہ تعلیمات۔ علاوہ اساتذہ نظام کالج کے اور منتظمین مدارس خانگی مسلمہ سرکار کے بھی ہونگے ارکان مجلس باستثنا میر مجلس و معتمد مجلس صرف تین سال کے لیے مقرر کیے جائینگے جن کو دوبارہ منتخب ہونے کا حق بھی حاصل رہیگا۔ پابندی شرائط اسکیم ہذا سرٹیفکٹوں کے اجرا کا اہتمام اور وقتاً فوقتاً تنقیح و معائنہ ایسے رجسٹروں اور کارناموں کا جن کا کہ مدارس کو باغراض اسکیم ہذا رکھنا لازمی ہوگا۔ اسی مجلس کے متعلق ہوگا

(۳) سند کی غایت۔ شرکت جماعت فوقانیہ (مدارج ہائی اسکول) سے حصول سرٹیفکٹ تک جو امیدوار نے علمی تحصیل مدرسہ میں کی ہوگی اس سند میں اندراج ہوگا۔ علاوہ ازیں امتحانات عام سرکاری کے نتائج بھی اس میں مرقوم ہونگے جو منجانب مجلس عمل میں آئیگا جس سے کہ بصراحت معلوم ہوسکیگا کہ طالب علم نے کن کن علوم یا مضامین میں تعلیم پائی ہے اور بمقابلہ دیگر طلبا اس کی تحصیل علم کس پایہ کی ہے۔

مضامین تعلیمی بالعموم مشتمل مضامین مصرحہ فہرست (أ) (ب) پر حسب صراحت ذیل ہونگی۔ علاوہ اس کے اعلاً ایک یا زیادہ مضمون مضامین فہرست (ج) میں سے ہو سکیگا

(أ)

مبادی علم ریاضی

انگریزی علم ادب

دیسی زبان میں مضمون نگاری و ترجمہ

(ع) مرقومہ ذیل ایسی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان اختیار کیجائے۔

اردو۔ تلنگی۔ مرہٹی۔ کنڑی۔ انگریزی[1]

---

[1] صرف متوطان یورپ کے لیے۔

(ب)

المنیٹری سائنس (مبادی اصول العلوم) جغرافیہ تاریخ ہند علم الرسم (ڈرائنگ) ریاضت جسمانی اصول خانہ داری وسوزن کاری (صرف لڑکیوں کے لیے ہے)

(ج)

(۱) ان السنۂ قدیمہ یا السنہ خارجہ میں سے کوئی ایک (ا) السنہ قدیمہ یونانی ۔ لاطینی فارسی ۔ عربی سنسکرت (ب) السنہ خارجہ ۔ فرانسیسی ۔ جرمنی ایطلیاتی

(۲) ان ہندوستانی زبانوں میں سے کوئی ایک اردو ۔ کنڑی ۔ تامل تلنگی ۔ مرہٹی ۔

(۳) تاریخ انگلستان (۴) علم الجبر والمقابلہ (۵) عمل ریاضی (۶) علم مثلث (۷) علم نباتات (۸) علم طبیعیات (۹) علم کیمیا (۱۰) علم موسیقی (۱۱) علم فلاحت (۱۲) علم عمل تجارت وجغرافیہ (۱۳) بک کیپنگ (علم سیاق) وتجارتی حساب (۱۴) خط اشارہ (شارٹ ہینڈ رائٹنگ) وٹائپ رائٹنگ (۱۵) خلاصہ نویسی وفہرست نگاری (۱۶) سوزن کاری وخیاطی (۱۷) لیس بنانا یا اور کوئی مضمون جو سکنڈری نصاب تعلیم میں شریک ہو ۔

(۴) تکمیل سند (سرٹیفکٹ)

(۱) سند حسب نمونہ ضمیمہ اسکیم ہذا ہوگی ہر طالب علم کو جماعت فوقانیہ میں شریک ہوتے ہی ایک سادہ جدول سند کی دیجائیگی جو کہ اوس کے نام سے مدرسے میں محفوظ رہیگی اور اوسکی مدت تعلیم میں ہر میعاد معینہ پر صدر مدرس اوسکی خانہ پری کیا کرینگے ۔

(۲) ہر مضمون کے محاذی اسکی تصریح کیجائیگی کہ وہ کہاں تک پڑھایا گیا ہے اور اوس کے اکتساب میں بحیثیت مجموعی طالب علم نے فیصدی کتنے نمبر حاصل کیے ۔ لیکن علم دینیات ۔ ریاضت جسمانی دستکاری اور خطاطی کے متعلق صرف ایک عام رائے کا اظہار بغیر صراحت نمبر محصلہ کافی ہوگا ۔

(۳) جو سال کے اختتام پر طالب علم درجہ مافوق میں ترقی پانے کا قابل نہ ثابت ہوا ہو اوس سال کی تحصیل علم کالعدم سمجھی جائیگی اور نہ کوئی سند میعادی (ٹرم سرٹیفکٹ) قابل قبول ہوگی جو ایک ہی مدرسے میں حاصل نہ کیگئی ہو الا اوس صورت

ے مدارس نسواں میں اون چار مضامین مابل الذکر مشمولہ فہرست (ب) میں سے کسی ایک کے عوض امور خانہ داری وسوزن کاری رکھا جاسکتا ہے

ہیں کہ طالب علم کے والدین یا سرپرست نے بضرورت خدمت سرکاری نقل مقام کیا ہو یا کوئی ایسی خاص مجبوری لاحق ہوگئی ہو جسے صدر مہتمم مدارس اور مجلس واجبی سمجھے
(ھ) عام امتحان سرکاری

(۱) ختم مدت نصاب فوقانیہ پر جو امیدوار بغرض تکمیل سند عام امتحان (جو کہ زیر نگرانی مجلس ہوگا) میں شریک ہونا چاہینگے اون کی سندیں بوساطت صدر مدرس معتمد مجلس کے پاس ارسال ہونگی صدر مدرس کو لازم ہوگا کہ وہ اس امر کا اقرار کرے کہ وہ امیدوار جملہ مضامین مندرجہ فہرست (۱) اور منتخبہ مضامین مشمولہ مثل فہرست (ج) میں امتحان دینے کی قابلیت اور لیاقت رکھتے ہیں اور نیز یہ کہ اون کا مضامین مندرجہ فہرست (ب) کا اکتساب قابل اطمینان ہو۔

(۲) ایسے طلباء کی سندیں جن کے ذمہ کچھ بھی باید داد مدرسہ رہگئی ہو نہیں بھیجی جائنگی۔

(۳) اور نہ اون کی جن کی عمر ماہ امتحان کی پہلی تاریخ کو پندرہ سال سے کم ہو۔

(۴) ہر امیدوار سے داخلہ امتحان کے (دعہ) لیے جائینگے۔

(۵) اس امتحان میں جملہ مضامین مندرجہ فہرست (۱) اور ایک یا زیادہ مضامین مندرجہ فہرست (ب) کی جانچ ہوگی

(۶) تاریخ و مقامات انعقاد امتحان کا تعین اور اعلان برمحل کیا جائیگا۔

(۷) اس امتحان میں ہر مضمون کے جملہ نشانات مفروضہ یعنے ایک سو میں سے جتنے نشان حاصل ہونگے وہ منجانب مجلس سند کے آخری صفحہ پر درج ہونگے اور مجلس اس امر کی بھی مجاز ہوگی کہ تمام اندراجات سند سے جو بحالت مجموعی ایک خاص کیفیت پیدا ہو اوس کے متعلق اپنی رائے لکھ دے

(۸) عطائے سند (۱) سندیں بطریق مذکورہ بالا خانہ پری اور تکمیل کے بعد صدر مدرسین کے پاس بدیں غرض واپس کیجائینگی کہ مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء کے حوالہ کردیجائیں

(۲) اگر کوئی طالب علم مدرسہ سے علیحدہ ہونا چاہے اور وہ صدر مدرس کی رائے میں شرکت امتحان کے قابل نہ ہو تو صدر مدرس اوس کی عدم اہلیت کی شرح بدستخط خود سند پر ثبت کرینگے اور اوس کی تصدیق صدر مہتمم متعلق کرینگے اوس کے بعد وہ معتمد مجلس کے پاس بغرض معائنہ جائیگی وہاں سے بذریعہ صدر مدرس امیدوار کے حوالہ کیجائیگی

(۷) تتمہ سند (۱) کوئی طالب علم حسب شرح بالا سند حاصل کرنے کے بعد اگر چاہے کہ مضامین کورس کا اعادہ کرے یا مضامین مندرجہ فہرست (ج) میں سے کوئی جدید فن حاصل کرے تو اسے اپنے قدیم مدرسہ میں حق ہوگا یا کسی جدید مسلمہ مدرسہ میں حق شرکت حاصل ہوگا اور شریک عام امتحان سرکاری ہوکے بلحاظ کامیابی بہتر درجہ اور حیثیت کی سند حاصل کرسکتا ہے۔

(۲) اس طرح طالب علم جتنی دفعہ چاہے شریک امتحان ہوسکتا ہے۔

(۳) اگر کوئی طالب علم ایک یا کئی ایسے مضامین جن میں کہ وہ پیشتر امتحان دیچکا ہو پھر لینے کے متعاقب امتحان میں شریک ہونا چاہیے تو اوسے (۵) روپیہ داخلہ کے دینا ہونگے۔ ورنہ ہر نئے مضمون مندرجہ فہرست کے (ج) کے لیے (۷) روپیہ میں دونوں صورتوں میں طالب علم کے قدیم سند پر جدید ترقی کی کیفیت اس نہج سے لکھی جائگی جیسے کہ تکمیل سند کے ضمن میں مذکور ہوئی

(۸) مشتہر کر دیا جائیگا کہ اس قسم کی سند پانے کے بعد کون کون مدارج کی خدمت مدرسی یا ملازمت سرکاری یا تعلیم مافوق کے لوگ موزوں اور اہل اقرار دئے جائینگے۔

(۹) قواعد ذیلی۔ بہ پابندی شرائط اسکیم ہذا مجلس اس امر کی مجاز ہوگی کہ تشخیص اندازہ تعلیم مدرسہ بہ نسبت امتحان عام و دیگر امور متعلق عطائے سند کیلیے حسب ضرورت ذیلی قواعد نافذ کرے ان قواعد کی اشاعت وقتاً فوقتاً دفتر نظامت تعلیمات سے ہوا کریگی۔

(۱۰) تاریخ نفاذ اسکیم ہذا۔ اس اسکیم کا نفاذ یکم امرداد ۱۳۱۹ف م ۸ جون ۱۹۱۰ء ہوگا۔ اور پہلا عام امتحان سرکاری اردی بہشت ۱۳۲۰ف م مارچ ۱۹۱۱ء میں ہوگا اس لیے بالفعل عارضی طور پر سال گذشتہ کی پہلی اور دوسری میعاد اس امتحان کے دو ٹرم سمجھے جائینگے اس بنا پر جو عام امتحان ۱۳۲۱ف میں ہوگا اس کی تعلیم چار ٹرم میں ختم ہوجائیگی اور بعد ازاں چھ میعادوں میں ختم ہوگی۔

(۱۱) ابتدائی قاعدہ ۱۳۲۱ف میں تکمیل سند کیلیے امیدواروں کو ضرور نہیں کہ دیسی زبان کی مضمون نگاری اور ترجمہ ہی کا امتحان دیں لیکن صدر مدرسین کو یہ تصدیق لازم ہوگی کہ امیدوار اس طرح کا امتحان دینے کیلیے قابل اور اہل ہیں۔ ہاں جو امیدوار دیسی زبان میں مضمون نگاری اور ترجمہ کا امتحان دینے کے لائق نہ ہوں ان کی نسبت اس امر کی تصدیق کرنی ضرور ہوگی کہ وہ کسی دوسری زبان میں جس کے نصاب میں انہیں امتحان دینا لازم ہوگا امتحان دینے کے لائق ہیں اور یہ دوسری زبان السنہ مندرجہ فہرست (ا) میں سے کوئی ایک زبان ہوسکتی ہے۔ دستخط نظامت جنگ [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحیفہ نمبر ۷ و ۸ جلد ۶

ایڈیٹوریل

حیدرآباد کے پولٹیکل مرقع میں

اس سال بہت سی تبدیلیاں واقع ہوی ہیں۔ مسٹر جی۔ سی۔ واکر۔ آی۔ سی۔ ایس سی۔ ایس۔ آی بالقابہ نے بوجہ پیرانہ سالی معین الملہامی فینانس کی کرسی کو خالی کردیا۔ اور مسٹر اے۔ آر۔ گلانسی سابق فسٹ اسسٹنٹ رزیڈنٹ حیدرآباد نے اپنے وجود سے اس کو مزین فرمایا۔ اس تبدیل سے معتمدی دفتر فینانس میں تغیر آیا۔ یعنے مسٹر محمد اکبر نذر علی حیدری بی۔ اے معتمد دفتر فینانس نے معتمدی دفتر موصوف سے سبکدوشی حاصل کرکے معتمدی عدالت دکوتوالی وامور عامہ کا جائزہ لیا اور نواب نظامت جنگ بہادر ایم اے بیارسٹرایٹ لا منصرم معتمد عدالت نے اپنی سابقہ خدمت (رکنیت مجلس عالیہ عدالت) پر عود فرمایا فینانس کی خالی شدہ معتمدی پر عالیجناب بابو نند لال سیل صاحب صدر محاسب سرکار عالی کا تقرر عمل میں آیا۔ اور عالیجناب مولوی سید احمد صاحب سینیر مددگار صدر محاسب سرکار عالی کو صدر محاسبی کا قلمدان مرحمت فرمایا گیا۔

اس تمام انقلاب کی نسبت کوئی رائے دینا غیر ضروری اور الخیر فیما وقع سمجھ کر خاموش رہنا بہتر ہے لیکن اس انقلاب سے ہم کو جو جو امیدیں رکھنا اور آئندہ دیں کرنا چاہیے ان کا اظہار البتہ ضروری ہے۔

فینانس

(پ)

ہماری ریاست ابد مدت کا ایک ایسا ضروری سررشتہ ہے جس کو نظم و نسق مملکت میں وہی اہمیت حاصل ہے جو دل کو قالب انسانی میں ہے جس طرح دل کی صحت و توانائی بدن انسانی کی قوت و درستی کا موجب ہے اسی طرح فینانس کی مستعدی ذو فرض ادائی ریاست کی ترقی و بہبودی کا باعث ہے۔

ریاست کے مداخل پر غور کرنا کہ وہ مخارج کے لیے کافی ہیں یا نہیں اگر کافی نہیں ہیں تو اون کی فزونی کے کیا ذرایع ہیں مخارج کی نسبت تنقیح کرنا کہ وہ واجبی اور بجائے خود ہیں یا نہیں اگر واجبی نہیں ہیں تو اون کو کس طرح گھٹایا جاسکتا ہے گھٹے ہوئے اخراجات کو حسب ضرورت بڑھانا اور بڑھانے کے لیئے گنجایش نکالنا۔ یہ سب ایسے اہم امور ہیں کہ ان کا انصرام صرف سررشتہ فینانس کی مستعدی اور درست کاری پر منحصر ہے۔

دنیا کو اگر ایک ریل گاڑی فرض کیا جائے تو اس کا کوئلہ پانی یا بھاپ یا چلانے والی قوت صرف روپیہ ہے۔ امیر و غریب صرف روپیہ ہی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور سلطنتیں بھی صرف روپیہ ہی کے بل بوتہ پر چلا کرتی ہیں۔ روپیہ سے زیادہ دنیا میں کوئی شئے طاقتور نہیں ہے جس شخص کے پاس جتنا روپیہ ہوگا اتنا ہی وہ قوی اور عزتمند سمجھا جائیگا اور جو سلطنت جتنا زیادہ روپیہ رکھیگی اتنی ہی وہ زبردست اور عظیم الشان سمجھی جائیگی۔

پس روپیہ پیدا کرنا اور سلطنت کے خزانہ کو بھرپور رکھنا ضروریات اولین میں سے ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنا اور اوس کے حق سے ادا ہونا صرف فینانس کا کام ہے اور کسی کا نہیں۔

سلطنت کا خزانہ رعایا کی کمائی سے بھرتا ہے اور رعایا جس قدر زیادہ کماتی اور خوشحال و دولتمند ہوتی ہے اوسی قدر سلطنت کے خزانہ کو بھرتی ہے پس رعایا کو کمائی پر لگانا اور اوس کو خوشحال و دولتمند کرنا اور اوس کے فلاح و صلاح کے ذرایع

کا بہم پہونچانا فینانس ہی کے فرایض میں سے ہے۔

رعایا کی کمائی یا تو زراعت ہے یا صنعت و حرفت حقیقت میں یہی دونوں چیزیں روپیہ ہیں اور روپیہ انھی دونوں کا مرادف ہے پس اگر ہماری ریاست کا رقبہ مزروعہ زراعت اور بھی قیمتی زراعت سے مالامال ہے اگر ہماری آبادی صنعت و حرفت اور وہ بھی نہایت کارآمد صنعت و حرفت سے بہرہ اندوز ہے اگر ہمارے ملک میں تمام ممکن سے ممکن ذرایع رفاہ و فلاح رعایا موجود ہیں تو تو خیر زیادہ فکر کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر اس کے خلاف ہماری زمینیں بنجر پڑی ہوی ہیں اگر ہمارے تالاب ٹوٹے ہوے ہیں اگر ہماری نہریں خشک ہیں اگر ہمارے دریا بیکار بہہ رہے ہیں اگر ہمارے مزارعین جدید آلات زراعت اور سائنٹفک طریقہ کشاورزی سے نابلد ہیں اگر ہماری آبادی کا بہت سا حصہ بیکار ہے اور جو کچھ با کار ہے وہ بھی عمدہ عمدہ صنعتوں اور حرفتوں سے ناواقف ہے۔ اور جو کچھ صنعتیں باقی ہیں وہ بھی کس مپرسی کے عالم میں دن بدن گھٹتی جا رہی ہیں اور اسی کی بدولت ہماری برآمد سے درآمد بڑھی ہوی ہے۔ یعنے ہم اتنا کماتے نہیں ہیں جتنا گماتے ہیں۔ اگر ہمارا ملک اسباب رفاہ رعایا سے خالی ہے۔ اگر یہ تمام خرابیاں ہمارے ملک میں دکھائی دیتی ہیں تو ان تمام کا دور کرنا فینانس کا فریضہ ہے اور اوس کا ایسا انتظام کرنا بہت ضروری ہے کہ زمینات آباد ہو جائیں تالابوں نہروں اور دریاؤں سے آب پاشی کا کام لیا جائے۔ مدارس زراعت قایم کیے جائیں۔ جنمیں مزارعین اور اون کی اولاد کو زراعت کی جدید تعلیم دی جائے صنعت و حرفت کے مدرسے کھولے جائیں اور ساتھ ہی کارخانے قایم ہونے کا بندوبست کیا جائے جو جو صنعتیں کس مپرسی سے زوال پذیر اور قریب الفنا ہو گئی ہیں ان کو فروغ دیا جائے درآمد سے برآمد کے بڑھانے کی کوشش کیجائے ملک کے ہر گوشہ میں وسایل آمد و رفت یعنے ریلیں اور سڑکیں بنائی جائیں۔ غلہ کا نرخ ملک بھر میں یکساں رکھا جائے۔ سرکاری سکے اسی قیمت سے چلائے جائیں جو اون کے لیے مقرر کیگئی ہے الغرض ایسے کام کیے جائیں کہ

ملک میں رفاہیت و فلاحیت عام ہو اور وہ جدید تہذیب و تمدن سے آراستہ ہوتا جائے - ہمارے ملک میں سکہ کا نرخ ہمیشہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اشرفی چونی وغیرہ پر بٹہ لگتا ہے اشرفی سکہ سے خارج رہتی ہے وزن کے پیمانے اور باٹ مختلف ہوتے ہیں ٹپہ میں وی پی وغیرہ کا چلن نہیں ہوا ہے غیر ضروری اخراجات منظور ہوتے رہتے ہیں ملازمین سرکاری میں افسروں کی تنخواہوں کے تناسب سے عمال کی تنخواہیں بہت گھٹی ہوئی ہیں رشوت سے رعایا نالاں سنی جاتی ہے جس سے انصاف حق تریہی امن و آسایش کا خون ہوتا رہتا ہے یہ ایسے امور ہیں کہ ان کے انسداد کی جانب اخبارات توجہ دلاتے ہیں لیکن توجہ نہیں ہوتی - پس اب بہت جلد مناسب تدارک کی جانب ملتفت ہو جانا چاہیئے -

اگر ہمارے ملک میں فینانس کی مستعدی سے یہ تمام باتیں عمل میں آجائنگی - تو اوس کا لازمی نتیجہ یہ نکلیگا کہ تمام ملک آسودہ و خوش حال ہو جائیگا رعایا مالدار ہوگی محاصل بڑھیگا اور خزانہ سلطنت معمور ہو جائیگا - اگر مسٹر اسے - آر کلانسی - معین المہام فینانس ان امور پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں اور مسٹر بابو نند لال سیل معتمد فینانس ان کو توجہ دلائیں تو ملک ہمیشہ کے لیے ان کا ممنون ہوگا اور اون کو زندگی بھر یاد رکھیگا -

معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ

(پ)

رعایا کے حفظ امن انصاف رسانی اور شایستگی کی تمام ذمہ داریاں اسی سررشتہ کے سر ہیں - ریاست میں اس کو وہی مرتبہ ہے جو قالب انسانی میں دماغ کو حاصل ہے جس طرح دماغ اپنی سمجھ اور دیگر قوتوں سے انسانی ڈھیر کو ہلاکت اور نیز مضرت سے بچاتا اور زندگی کی سیدھی ڈگر پر چلاتا ہے اوسی طرح یہ سررشتہ پولیس عدالت تعلیم اور مذہب کی قوتوں سے سلطنت کو مضبوط و مستحکم رکھتا ہے اور اوس کا شیرازہ بکھرنے نہیں دیتا ہے

پولس اور عدالت اگرچہ امن و انصاف کے ذرایع ہیں اور ان سے رعایا میں انتظام قایم رہتا ہے اس لیے ہر گورنمنٹ نے ان دونوں کو نہایت اہمیت دی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی تعلیمات اور امور مذہبی بھی کچھ کم اہم و ضروری نہیں ہیں بلکہ اول الذکر تو امن و امان اور شایستگی کے ظاہری ذرایع ہیں۔ اصلی ذرایع صرف تعلیم و مذہب ہی ہیں پبلک جس قدر زیادہ تعلیم یافتہ اور پابند مذہب ہوگی اتنی ہی لڑائی جھگڑوں سے نفور اور دیانت و صلحکاری پر شیفتہ رہیگی۔ جسکی متعدد نظیریں تاریخ اقوام سے ملسکتی ہیں پس تعلیمات و امور مذہبی پر بطور خاص توجہ کرنا نہ صرف حالات ملک کے لحاظ سے بلکہ اصولی طور پر بھی ضروری اور معتمدی عدالت و کوتوالی کے فرایض میں سے ہے۔ اس وقت ہمارے ملک میں

تعلیمات

(۴)

کی کیا حالت ہے؟ کس قسم کی تعلیم رایج ہے؟ کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے؟ تعلیم کتنی پھیلی ہے؟ تعلیم کی مدت کیا رکھی گئی ہے؟ فری اور جبری تعلیم صنعت و حرفت کی تعلیم۔ زراعت کی تعلیم۔ ان چیزوں کی ضرورت ہے کہ نہیں اگر ہے تو کس حد تک کس زبان میں کس مدت کے لیے کن کن طبقات کو دیجانی چاہیئے یہ ایسے سوالات ہیں۔ جن کے حل کرنے کی جانب اب تک بہت کم توجہ کیگئی ہے لیکن ان کا حل کرنا بہت ضروری اور ملک کا نجات دہندہ ہے۔

ہمارے ملک میں اول تو تعلیم کا قحط ہے۔ اور جو کچھ تعلیم ہے وہ بھی ادھوری اور زیادہ تر غیر مفید ہے۔ جدید علوم و فنون سے ہمارا ملک بے بہرہ ہے اور ملک کے ساتھ ایک بڑی حد تک زبان بھی ان نعمتوں سے محروم ہے۔ ہمارے ہاں فری اور جبری تعلیم کا وجود نہیں ہے۔ صنعت و حرفت کی تعلیم مفقود ہے ملک اگرچہ زراعتی ہے مگر زراعت کا کوئی ایسا مدرسہ نہیں ہے جو دیسی زبانوں میں کشاورزوں کو جدید طرز زراعت سکھاتا ہو۔ انگریزی علوم و فنون سیکھنے والے انگلیوں پر شمار کیے جاسکتے

ہیں اور غربا بوجہ غربت ان علوم سے بے نصیب رہتے ہیں آبادی کے لحاظ سے شاید فیصدی ایک دو تعلیم یافتہ نکلیں تو نکلیں ورنہ یہ بھی نہیں۔ جو لوگ کچھ کچھ لکھنے پڑھنے لگ جاتے ہیں وہ ملازمت سرکاری کے خواہاں ہو کر امیدواری میں سالہا سال تباہ کر دیتے ہیں اور مبتلائے مصائب رہ کر بیکاری و بدکاری پھیلاتے ہیں ایسا کوئی سررشتہ موجود نہیں ہے جس کے اہتمام میں نئے علوم و فنون ترجمہ ہو ہو کر اردو کا سرمایہ بڑھاتے جائیں اردو اگرچہ ملک کی عام اور سرکاری زبان ہے لیکن اوس کی کوئی خاص پرداخت نہیں کیجاتی ہے۔ جس کا بدیہی ثبوت یہ ہے کہ پریس یہاں نہایت ردی حالت میں ہے پریس سے شاید دو چار ہی اخبار ورسایل نکلتے ہونگے اور وہ بھی اِس شان سے کہ بمشکل اُن پر اخبار ورسایل کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اگر کوئی شخص اپنی تصنیف و تالیف کو شایع کرنا چاہتا ہے تو یہاں کے پریس کی ردی حالت اور بے سروسامانی سے کبر اکر شمالی ہندوستان کے کسی مطبع سے معاملہ کرتا ہے۔ یہ سب ایسے امور ہیں کہ ان کیجانب معتمدی عدالت و کوتوالی کو التفات کرنا ازبس ضروری ہے مسٹر محمد اکبر نذر علی حیدری بی۔ اے۔ ایک نہایت روشن خیال تعلیم یافتہ ہمدرد نوع اور سچے مسلمان سمجھے جاتے ہیں اگر وہ ہماری تعلیم کا گنبد درست کرنے میں مدد ہوں۔ اگر وہ مرحوم سررشتہ علوم و فنون کو زندہ کرنے اور اوس کو مفید و کار آمد بنانے میں ساعی ہوں۔ اگر وہ خط نستعلیق کے ٹائپ کا کارخانہ قایم کرنے میں کوشاں ہوں (جس کے متعلق اون کے دفتر میں کافی مواد موجود ہے اور جس کی نسبت صحیفہ کے اسی نمبر میں ایک مضمون درج ہے) اگر وہ ملک سے بیکاری و بدکاری کو رفع کرنے کے باعث ہوں تو ملک اون کو اپنا محسن اور رفارمر تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے اور وہ اوس کی بدولت زندہ جاوید ہو جا سکتے ہیں۔

صیغۂ امور مذہبی

(۴)

کی یہ حالت ہے کہ جو لوگ مذہبی خدمات پر مقرر کیے جاتے ہیں وہ دینیات سے بہت

کم واقف ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ خطیبوں پیش اماموں موذنوں وغیرہ کے لیے
کوئی امتحان مقرر نہیں ہے۔ بلکہ شاید ان خدمات پر بلا استحقاق لیاقت نسلاً بعد
نسل باعتبار وراثت تقررات عمل میں آتے ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ مادری اردو زبان
میں موعظت و مذاکرہ نہیں ہوا کرتا جمعہ کی نماز تک میں عربی خطبے جو صدیوں سے بلا
کمی بیشی محفوظ چلے آرہے ہیں بغیر اس کے کہ صحیح تلفظ سے ادا کیے جائیں اور اون کا
مطلب سمجھا یا جائے۔ صرف ادائے رسم کے طور پر پڑھ دیے جاتے ہیں۔
مصلی جو عربی سے ناواقف رہتے ہیں خاک نہیں سمجھتے کہ ان کا کیا مطلب ہے
اور کیا اوامر و نواہی سنائے جا رہے ہیں ایسی حالت میں سامعین پر ان خطبوں کا
جو کچھ اثر ہوتا ہوگا وہ بھی معلوم ہے جب فرایض مذہبی کی ادائی کا یہ حال ہے
تو تبلیغ و اشاعت اسلام کا خدا ہی حافظ ہے۔ ہماری ریاست ہندوستان کی
سب سے بڑی اسلامی ریاست ہے اور اس حیثیت سے اس کا فرض ہے کہ حتی الوسع
اپنے مذہب کی خدمت و اشاعت کرے۔ مگر وائے بر حال ما کہ۔ اس کی طرف مطلق توجہ
نہیں ہے دوسرے مذاہب خصوصاً عیسائی مذہب بڑے زور و شور سے تبلیغ و
اشاعت میں منہمک ہے۔ اور خود گورنمنٹ کی جانب سے خادمان مذہب کو امداد
ملتی ہے قوم الگ کوشش کرتی ہے کہ دایرہ مذہب وسیع ہوتا جائے لیکن ہم
اس سے بالکل غافل و بے خبر ہیں۔ اس لیے نہایت سچائی اور پوری قوت کے ساتھ
ہم معتمدی عدالت کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ صیغہ مذہبی کی اصلاح پر کمربستہ ہو جائے
خطیبوں اور پیش اماموں کے لیے ایسا امتحان مقرر کرے کہ اوس کے پاس شدہ
دینیات کے پورے ماہر اور ایسے لایق و قابل ہوں کہ مادری زبان میں وعظ
و خطبہ کہہ سکیں مسلمانوں کو ضلالت و کجروی سے بچا کر راہ راست پر لا سکیں
تبلیغ اسلام کے فرایض انجام دے سکیں۔ اور حقیقی معنوں میں پیشوایان مذہبی
کہلا سکیں۔ مسجدیں آباد ہوں فرایض مذہبی ادا کیے جائیں اور مسلمان روز
بروز پابند مذہب اور دیانت و تقوی حاصل کرتے جائیں۔

معتمدی عدالت و کوتوالی سے اپنی امیدیں ظاہر کرنے کے اب صرف محاسبی باقی رہتی ہے۔

صدر محاسبی

گویا ریاست کا معدہ ہی۔ کہ سلطنت کی غذا وہیں جمع ہوتی ہے اور وہیں سے اعضائے سلطنت کو حصہ رسدی تقسیم پہونچتی ہے۔ جس طرح معدہ کا کام ہی کہ ہر عضو کو اوس کی حیثیت کے مطابق حصہ پہونچائے اور جس طرح معدہ کے درست فعل پر تمام اعضا کی درستی و توانائی موقوف ہی اسی طرح صدر محاسبی کا کام ہی کہ ہر سررشتہ کو اسکی ضروریات کے مطابق روپیہ دے اور فضول اخراجات اور زیادہ طلبیوں پر اعتراض کرے خزانہ کی جانچ پرتال کرتی رہی اور اس امر کی تنقیح کرے کہ جو سرکاری رقمیں سرکاری دفاتر کو دیجاتی ہیں وہ انھی کاموں میں لگائی گئیں اور انھی اشخاص کو دیگئیں جن کے نام سے لی گئی تھیں یا نہیں؟ بصورت ثانی مناسب تدارک عمل میں لائے وقت پر اجرائیاں کرے اور وقت پر ریاست کے جمع و خرچ کا موازنہ ترتیب دی یہ ایسی اہم امور ہیں کہ ان کے انصرام کے لیے نہایت لائق، مستعد، متدین، اور تجربہ کار، افسر کی ضرورت ہی۔ خدا کا شکر کہ صدر محاسبی کی ان ذمہ داریوں کو انجام دینے کیلیے سرکار نے مولوی سید احمد صاحب کے ایسے لائق تجربہ کار متدین اور خیر خواہ ملک و مالک کی خدمتیں پسند فرمائیں ملک کو اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنا چاہیے کہ ابھی ایسے نیک نفس موجود ہیں جو انصاف پروری اور حق رسانی کے مقابلہ میں کسی قسم کی رعایت مروت سفارش اور دباو کی ذرہ برابر پرواہ نہ کریں مولوی سید احمد صاحب نہایت مستجمع اوصاف بزرگ در ع گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی کے پورے پورے مصداق ہیں انسان کو اگر افسری و سروری ملجاتی ہی تو وہ نشہ حکومت و غرور دولت میں ایسا سرشار ہو جاتا ہی کہ اس کو گرد و پیش کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ ماتحتین اور اہل اغراض کو ذلیل و حقیر سمجھنے لگتا ہی۔ اور خیال کرتا ہی کہ اب دنیا میں ہی میں ہوں۔ دوسرا کوئی نہیں۔ سیدھی منہ بات کرنا اور بات سننا۔ انسانی اخلاق سے پیش آنا۔ بلا رو رعایت اپنے فرائض کو انجام دینا اپنی غلطی پر ہٹ دھرمی نہ کرنا اپنے آپ کو سب سے زیادہ بڑا سب سے زیادہ دانشور سب سے زیادہ معزز نہ سمجھنا یہ سب ایسی باتیں ہیں جو اس سے کوسوں دور رہتی ہیں۔ اور ان کی بھنک تک اس کو نہیں پہونچسکتی۔ لیکن جب کل شئی ہالک کے اثر سے اس کا دور حکومت ختم ہوتا ہی اور نشہ سرور ہرن ہو جاتا ہی تب آنکھیں کھلتی ہیں اور ساری شیخی کرکری ہو جاتی ہی ہمارا بیان صرف من گھڑت و قیاسی نہیں ہی بلکہ تجربہ اور مشاہدہ ہی کہ لوگوں نے وظیفہ پر علیحدہ ہونیکے بعد باہر نکلنا اور دوستوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہی۔ مگر مولوی سید احمد صاحب ایسے عالی ظرف اور حوصلہ مند ہیں کہ ان میں افسری کے صرف محمود صفات ہیں۔ مذموم نہیں اس لئے ہم دعا کرتے ہیں کہ ان کی عمر و صحت میں ترقی اور ان کے دور حکومت میں توسیع ہو۔ تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ ملک کو فائدہ پہونچاتے رہیں فقط اڈیٹر

سالنامہ صحیفہ بابتہ سنہ ۱۳۲۱ف ۲۰ مہر تک نصف قیمت پر ملیگا۔ فارم اس نمبر کے ساتھ ملفوف ہے خانہ پری کرکے جلد بھیجدیجیے۔ منیجر

(۱۱) فصیل شہر کے قریب بیرون فتح دروازہ حضرت عبدالصمد قاضی شاہ راجو نمری رحمتہ اللہ علیہ کا گنبد واقع ہے۔ آپ گلبرگہ شریف کے قاضی اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے خلیفہ تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد سلطان احمد شاہ بہمنی کے اصرار پر بیدر تشریف لائے سلطان علاء الدین ثانی بہمنی کے زمانہ میں ۱۵ ذی قعدہ کو آپ واصل حق ہوئے۔

(۱۲) شہر سے دو میل کے فاصلہ پر جانب غرب موضع بائی پاس کے بالا گھاٹ پر شاہ فتح اللہ صاحب کا مزار واقع ہے۔ آپ ملتان کے باشندے اور حضرت شاہ ملتانی بادشاہ صاحب کے جد اعلیٰ تھے سلطان علاء الدین ثانی بہمنی کے عہد حکومت میں سن سیدہ ہو کر بیدر تشریف لائے اور تین سال کے بعد انتقال فرمایا۔

(۱۳) بیدر سے ایک میل کے فاصلہ پر چدری میں حضرت شیخ ابراہیم المعروف حضرت مخدوم محی الدین قادریؒ کا گنبد ہے۔ آپ حضرت شیخ محمد ملتانی شریف القادریؒ کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ چھ مہینے بیدر میں اپنے والد بزرگوار کے پاس اور چھ گلبرگہ میں اپنی زوجہ محترمہ کے پاس رہا کرتے تھے بیدر کی با وصف صحبتوں سے غیر حاضر رہنے کی تلافی آپ ایک بیش بہا تصنیف سے کیا کرتے تھے۔ توکل اور قناعت میں آپ کی نظیر قابل تحسین ہے سلطان ابراہیم قطب شاہ نے بہت ہی اصرار سے آپ کو بلایا مگر آپ نے سلاطین کی صحبت سے مرتے دم تک کنارہ کشی اختیار کی۔ ۲۷ شوال ۹۶۸ھ کو نود سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۱۴) آپ کے گنبد کے قریب آپ کے حقیقی بھائی مولانا شیخ بدر الدینؒ کا مقبرہ ہے مولانا موصوف صاحب ولایت و کرامت تھے ابراہیم قلی قطب شاہ اور امیر برید آپکے پکے معتقد تھے اور آپ کے ساتھ بہت سلوک کیا کرتے تھے۔ اس لئے دولت مندی اور فارغ البالی ہمیشہ آپ کو حاصل رہی۔ شریعت کی پابندی کا یہاں تک خیال تھا کہ مرض الموت میں بھی مود بانہ طریقہ سے فرائض کو ادا کرنے میں غفلت نہیں کی۔ حالانکہ مرض کی شدت نے نشست و برخاست سے معذور کر دیا تھا۔ اور زبان ادائے تلفظ کے قابل نہیں رہی تھی۔ ۸ ذی قعدہ ۹۸۱ھ کو نود سال کی عمر میں آپ نے انتقال

فرمایا۔

(۱۵) حضرت مخدوم کے گنبد باہر ایک سنگ بست اور پختہ چبوترہ پر ملک مرجان کی قبر ہے سنہ ۱۰۲۸ھ میں ابراہیم عادل شاہ نے سلطنت بیدر پر مسلط ہو کر اسکو اپنی جانب سے قلعدار مقرر کیا تھا سنہ ۱۰۶۷ھ میں جب اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے قلعہ بیدر کا محاصرہ کیا تو اس نے فتح برج کے پاس ایک سرنگ کھدوائی اور اس میں بارود بچھوا کر اس امر کا پورا پورا انتظام کیا کہ فوج مخالف کو یہاں آتے ہی اُڑا دے برج کے قریب بارود کا ایک خزانہ تھا ایک روز ملک مرجان اپنے بیٹوں کے ساتھ اس خزانہ کی سیر کر رہا تھا شومیٔ قسمت سے اُس میں آگ لگ گئی۔ اور اس کے صدمہ سے فصیل شہر کے ساتھ ساتھ ملک مرجان اور اسکے ساتھی نام و نمود کی تدبیروں اور فکروں سے ہمیشہ کے لئے سبکدوش ہو گئے۔

(۱۶) بیدر کی عیدگاہ کے متصل حضرت سید نظام الدین اولیا الحسنی والحسینی کا گنبد ہے آپ بہت بڑے علامہ اور سلطنت بہمنیہ کے وزیر خزانہ تھے۔ آپ کے تصرفات کے متعلق صرف اسی قدر بیان کرنا کافی ہے کہ علی برید آپکا گنبد نہیں توڑ سکا آپ کا عرس ہر سال ۲۹ ر ربیع الثانی کو ہوتا ہے

(۱۷) آپ کے گنبد کے بالکل قریب مولانا شاہ عبداللہ مغربی کا مزار اور مولانا شاہ ولی اللہ حسینی کا گنبد واقع ہے۔ موخر الذکر بزرگ کا عرس ماہ جمادی الاول میں ہوتا ہے۔

(۱۸) شہر سے دو میل کے فاصلہ پر جانب شرق ایک ٹیکری واقع ہے اسے شیخ نور صاحب ملتانی کی پہاڑی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں حضرت شیخ الشیوخ شیخ نور صاحب ملتانی کا مزار ہے۔ آپ بڑے عالم و فاضل اور صاحب ولایت و کرامت بزرگ تھے۔ سلاطین بہمنیہ کے عہد حکومت میں بیدر تشریف لائے ہر سال ۲۰ ر جمادی الاول کو عرس ہوتا ہے۔

(۱۹) تلنگھائی دروازہ کے نیچے حضرت شاہ شبلی مجذوب فقیر سدا سہاگ کا

مزار زیارت گاہ عوام ہے۔ مشہور ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے ایک وقت خشک سالی رفع ہوئی تھی۔

(۲۰) بیدر کے قریب جانب شمال ایک پرانی مسجد واقع ہے جس پر گولہ باری کے آثار نمایاں ہیں لیکن ابھی تک حوادث زمانہ سے مقابلہ کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ اس مسجد کو کالی مسجد کہتے ہیں ایام محاصرہ بیدر میں ایک مہینہ تک اورنگ زیب علیہ الرحمہ کا یہیں قیام ہوا تھا اس مسجد کے متصل حضرت امام الدین شیخ محمد حسین صاحب رحمت اللہ علیہ کا مزار واقع ہے۔ آپ وحید عصر اور یکتائے دہر تھے کم سنی ہی میں علم و فضل اور تصوفانہ کمالات میں دستگاہ حاصل کرلی تھی۔ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ آپ کی قابلیت کے معترف تھے اور خطاب امام المدرسین اور صدر مدرسی مدرسہ محمودیہ سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۰۸۱ھ کو مسجد مدرسہ محمودیہ میں مشغول نماز تراویح تھے کہ بجلی کے صدمہ سے مکان گر پڑا اور آپ واصل حق ہوئے۔

(۲۱) آپ کے مزار کے قریب حضرت شاہ مغفور رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ واقع ہے۔ ہر سال ۱۰ ربیع الاول کو اس پر صندل چڑھایا جاتا ہے۔

(۲۲) مدرسہ محمودیہ کے متصل سر راہ حضرت ملک ستان صاحب مجذوب کا مزار واقع ہے۔ آپ کا عرس ہر سال رمضان میں ہوا کرتا ہے۔

(۲۳) برج ست گنزی (اندرون قلعہ ارک) کے پائین میں حضرت شیرن صاحب مجذوب کا مزار واقع ہے۔ آپ کے تصرفات بیدر میں بہت کچھ مشہور ہیں۔

(۲۴) قلعہ قدیم کی جانب شمال ایک پہاڑی پر حضرت شاہ ظہیر الدین صاحب عرف خوزروئے پاک کا مزار واقع ہے۔ آپ حضرت سید السادات سید حنیف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ہمشیرہ زادے اور بڑے متوکل اور ریاضت کش بزرگ تھے آپ کا مزار زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

(۲۵) شہر کے جانب غرب ایک میل کے فاصلہ پر حضرت شیخ الشیوخ مخدوم حضرت شاہ زین الدین گنج نشیں جنیدی قادری بغدادی قدس سرہ کا مقدس گنبد مرجع انام

اور زیارت گاہ خاص و عام بنا ہوا ہے۔ آپ حضرت سید الطائفہ ابو القاسم جنیدی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں بڑے عالم و فاضل اور بیحد متوکل بزرگ تھے سلطان علاء الدین ثانی بہمنی کے عہد حکومت میں چالیس ہمراہیوں کے ساتھ رونق افروز بیدر ہو کر ایک نہایت ہی ویران جگہ میں جو گنج بن کے مشہور تھی سکونت اختیار کی مدت مدید تک آپ کی تشریف آوری کی کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ اس اثنا میں بے حد خشک سالی ہوئی اور کسی جگہ پانی کا چشمہ وغیرہ نہیں رہا۔ اور پانی پینے کے لئے بھی میسر نہیں آنے لگا۔ اتفاقاً ایک شخص نے حضرت کے پاس شیرین اور نفیس پانی کا چشمہ دیکھ لیا۔ اور اس کی اطلاع سب کو کر دی باشندگان شہر نے بالاتفاق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر رفع امساک باراں کے لئے دعا کرنے کی استدعا کی۔ حضرت نے اُسی قبول فرمایا اور دعا کی کہ فی الفور پانی پڑا۔ اور خلق اللہ کی پریشانی دور ہو گئی۔ اسی تاریخ سے آپ گنج نشیں مشہور ہو گئے۔ بادشاہ آپکا بڑا معتقد تھا ۹۰، سال کی عمر میں ۸۵۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔ گنبد کے اطراف ہمراہیوں اور اقربا کی قبریں قرینہ سے بنی ہوئی ہیں حیدرآباد کے مشہور بزرگ حضرت شاہ چندہ صاحب قادری (بانی کمان صوفیہ و مسجد صوفیہ مدرسہ صوفیہ بیدر) آپ ہی کی اولاد ہیں۔ (باقی دارد)

محمد عبد الوہاب عندلیب

رباعیات

یہ دل ہو مرا اور جفائیں تیری
آنکھیں ہو مری اور ادائیں تیری
تھک جائے اگر ہاتھ مرا وصل کی شب
لوں پنجۂ مژگاں سے بلائیں تیری

غم کھاتے ہیں اور خون جگر پیتے ہیں
زخموں کے عوض اپنا کفن سیتے ہیں
بیکاری کا اک شغل ہے یہ بھی ورنہ
سچ پوچھو تو مرنے کے لئے جیتے ہیں

بے جوش و خروش نوجوانی کیسی
معشوق نہ ہو تو شادمانی کیسی
ہے عمر خضر کو دونوں ہاتوں سے سلام
دل زندہ نہ ہو تو زندگانی کیسی

میر	ہمیشہ چشم ہے نمناک ہاتھ دل پر ہے	خدا کسی کو بھی ہم سا نہ دردمند کرے
〃	اضطراب و قلق و شوق میں کس طور جیوں	جان واحد ہے میری اور ہیں آزار کئی
〃	اللہ رے عندلیب کی آواز دل خراش	دم ہی نکل گیا جو کہا اُس نے ہائے گل
〃	داغ فراق و حسرت وصل آرزوئے شوق	میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لے گیا
〃	ہم بھی پھرتے ہیں اک حشم لیکر	دستۂ داغ و فوج غم لیکر
درد	نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص ہووے	دوستو درد کو محفل میں نہ تم یاد کرو
سوز	اے اہل بزم آؤں میں بھی پر ایک سن لو	تنہا نہیں ہوں ہمراہی نالہ و فغاں ہوں
〃	دل یہ سینے میں داغ روشن ہے	اپنے گھر کا چراغ روشن ہے
〃	اے طبیبو مجھکو سودا اور ہے.	تم جو کرتے ہو مداوا اور ہے
〃	مثل نے ہر استخواں میں درد کی آواز ہے	کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے
〃	چین نے دن کو ہے آنکھوں کو نہ شب آرام ہے	شام سے تا صبح رونا صبح سے تا شام ہے
〃	درد سے محفوظ ہوں درماں سے مجھکو کام کیا	بار خاطر تھا سو میرا یار شاطر ہو گیا
〃	دل ہے یا منزل کہ حسرت ہے یا غم خانہ ہے	بارگاہ درد ہے یا سوز کا کاشانہ ہے
〃	جو وہ شخص خنداں بہم دیکھتے ہیں	فلک کی طرف رو کے ہم دیکھتے ہیں
قائم	مت جا نثار دم پر قائم کے تو پیارے	یہ خستہ فی الحقیقت مدت سے مر چکا ہے
〃	درد دل کچھ کہا نہیں جاتا ہے	ہائے چپ بھی رہا نہیں جاتا
〃	عالم میں ہیں اسیر محبت کے ہر کہیں	لیکن ستم کسی پہ نہیں اس قدر کہیں
〃	دل ہے یارب کہ چشمۂ خوں ہے	چشم ہے یا لہو کا نالہ ہے.
ممنون	جگر جلتا ہے دل بھڑکے ہے کچھ سینہ سلگتا ہے	بہکے جاتے ہیں یارب ضبط کب تک کیجیے
جرأت	ہے مشکل زخم ہم آفت رسیدوں کی یہ صورت ہے	نہ رونے کا مزا ہے کچھ نہ لذت مسکرانے کی
مصحفی	بہار آئی خدا جانے کہ کیا گذرے اسیروں پر	نہیں معلوم کچھ اب کے برس احوال زنداں کا
〃	روز رومال سا دیدۂ تر پر رکھا	ایک پھاہا بھی نہ ناسور جگر پر رکھا
〃	غم کھاتا ہوں لیکن مری نیت نہیں بھرتی	کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

حسن	بیداد نے کہا بھی جو تم سے تو کیا ہوا	قصہ کو میرے سنئے کسی دردمند سے
افسوس	تو گلتی ہے مرے ہر بن مو سے دن رات	شمع تو ایک ہی شعلہ سے گلی جاتی ہے
"	نہیں یاد چمن صیاد سیر گلستاں بھولے	قفس میں جی لگا ایسا کہ یکسر آشیاں بھولے
نصیر	رفیق غم کے سوا یہاں نہیں کوئی دن رات	یہ درد پہلو ہے اپنا تو ہمنشیں دن رات
"	اپنا دل شکستہ کسی سے بنا نہ حیف	ہم لیکے شیشہ گر کی بھی دوکاں تلک گئے
"	جگر میں آہ سوزاں ہے رکھے چشم تر پانی	الٰہی دل کدھر جائے ادھر آتش ادھر پانی
مومن	ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی سے کسی کو ہم	منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم
غالب	خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں	چراغ مردہ ہوں میں بے زباں گور غریباں کا
"	غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانیکی	فلک کا دیکھنا تقریب اس کے یاد آنیکی
"	خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کسکو کوئی موسم ہو	وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا
"	نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا	کام میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا
"	جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام	دیا ہے ہمکو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
"	قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو	مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجان گلشن کو
"	ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ	جسکی بہار یہ ہو پھر اوسکی خزاں نہ پوچھ
"	کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو	کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے
"	جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی	لکھدیجیو یارب اوسے قسمت میں عدو کی
"	حیراں ہوں دلکو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں	مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
"	سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یہاں	دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے
"	ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی	کہ صبح عید مجھکو بدتر از چاک گریباں ہے
ظفر	پر درد کو تزئیں سے غرض کیا کہ سر زخم	یکساں ہے گزی کا ہو کہ کمخواب کا پھاہا
"	میں صبر کروں ہووے اگر ایک سی تکلیف	قسمت مجھے پہنچاتی ہے ہر ایک سی تکلیف
"	یہ قصہ وہ نہیں تم جسکو قصہ خواں سے سنو	مرے فسانۂ غم کو مری زباں سے سنو
"	نے شمع انجمن ہوں نہ میں لالۂ چمن	پھر کیوں جہاں میں داغ بدل آفریدہ ہوں

شہید — دل گداز اپنا نہ تھا جب سخت پتھر تھا شہید — درد کا پتلا بنا جب سے میں انساں ہو گیا

〃 — میں وہ گریہ کناں ہوں ہو اس باغ عالم میں — کہ بس جا رونے بیٹھا مثل شبنم اُٹھ نہیں سکتا

〃 — دیکھا نہ حیف باغ یہ پھولا پھلا ہوا — میں فصل گل کے بعد قفس سے رہا ہوا

〃 — قفس میں بند رہا یا اسیر دام رہا — نہ دیکھی صورت گل میں نے عمر بھر صیاد

〃 — دہن آہ و فغاں سے بند نہیں — مجھ سا دنیا میں دردمند نہیں

〃 — جوں مرد مک دیدہ اسیر قفسی ہوں — نالاں ہمہ تن مثل صدائے جرسی ہوں

〃 — شمیم گل جو قفس تک نسیم لائی ہے — مجھے خبر دو کوئی کیا بہار آئی ہے

باب الراء

راضی برضا (۲۴)

تاباں — دنیا کے نیک و بد سے کچھ تاباں نہیں ہے مجھکو غم — گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور یوں ہوا تو کیا ہوا

میر — بے رزی کا نکر گلہ غافل — رہ تسلی کہ یوں مقدر تھا

سودا — یوں نہ چاہیگا دل آگاہ یہ ہو وہ نہ ہو — اُس کی یہ خواہش معاذاللہ یہ ہو وہ نہ ہو

〃 — جوں گل ہر مجھ یہ احساں کیا ساقی ازل کا — میرے لہو سے مجھکو اک جام بھر دیا ہے

〃 — لب تشنگان جام تسلیم ہم ہیں ساقی — یا بادہ یا ہلاہل جو ہو سو واہ واہ ہے

درد — نہ مطلب ہر گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو — الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضی الٰہی ہو

سوز — نیک و بد سے نکروں اپنے لکھے کا شکوا — جو کہ قسمت کی ہے تحریر بہت اچھی ہے

〃 — جتنے ہیں کام تری سونپ خدا کو اے سوز — تیری تدبیر سے تقدیر بہت اچھی ہے

〃 — ستم کو اُس کے محبو ستم نہ کہیے کبھی — بغیر شفقت و لطف و کرم نہ کہیے کبھی

قائم — ہزار مہر ہیں مخفی فلک کے کینے سے — گرے ہے رخنہ عبث خضر کب سفینے میں

〃 — شادی و عیش دیا رنج و عنا دیتا ہے — لے تو دل کھول کر جو تجھکو خدا دیتا ہے

〃 — نہ کر تفرقہ صاف و درد جہاں میں — جو کچھ تجھکو ساقی دے سو واہ واہ ہے

قائم	نہ غم بر ہے نہ عیش و نشاط اچھا ہے	سبھی سادی ہے یہاں یہ فقیر کا گھر ہے
״	دیتا ہے وہی طبیب حاذق ؛	بیمار کو جو دوا ہے بہتر
״	کس سے کہوں حال بد کہ وہ آپ	کچھ مجھ سے بھی جانتا ہے بہتر
״	کل پہ رکھتے ہو مرے قتل کو کا ہے کیلئے	ہو چکے آج ہی وہ کیوں نہ جو ہونا ہووے
مومن	غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے	نہ میں بیزار دوزخ سے ہوں مشتاق جنت کا
غالب	ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق	نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی
ذوق	لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے	اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
شہید	کم و زیادہ فلک سے نہ ہو تو چیں بجبیں	ہلال وار تو کر شغل جبہ سائی کا
״	برنگ سرو گزری اس چمن میں ایک حالت	نہ شادی ہم کو شادی کی نہ غم تا زیست تھا غم کا
״	ہو اک ذرا تو امر حقیقت سے آشنا	اے بیوقوف شکوہ بیگانہ کیا ضرور
״	پاؤں میں آبلے ہیں آبلوں میں دشت کے خار	رنگ سو طرح کے ہیں میری تہی پائی میں
״	کون سی ایسی آدمی کی ہے لاکھ برس کی عمر (شہید)	دن ہیں گزرتے اب جیسی اسطرح گزار چلے ہیں

روانیٔ عمر (۲۳)

سودا	بہت بیجا ہے رہنا سرکشی سے بزم ہستی میں	کہ مثل شمع رشتہ عمر کا ہر آن ہے تھوڑا
״	کھینچ کر تیغ مگر چرخ پڑا ہے پیچھے	رات دن عمر کے کیا جلد گھٹے جاتے ہیں
״	جتنی بڑھتی ہے اوتنی گھٹتی ہے	زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہے
״	پیری چلی اور گئی جوانی ؛؛	اے درد کہاں کی زندگانی
جرأت	چلی جاتی ہے تو اے عمر رفتہ	یہ ہم کو کس مصیبت میں پھنسا کر
״	ہزار افسوس کیوں اے زندگانی	چلی تو خاک میں ہم کو ملا کر
مصحفی	نظارہ کروں دہر کی کیا جلوہ گری کا	یہاں عمر کو وقفہ ہے چراغ سحری کا
״	بحر جہاں میں رہنے کی تا دیر کیا خوشی	صد سالہ زندگی بھی ہے وقفہ حیات کا
حسن	شمع ساں شب کے مہماں ہیں ہم	صبح ہوتے ہی پھر کہاں ہیں ہم

مزدوروں کو ایک تالاب تیار کرنے کا حکم دیا حسب الحکم روزانہ کام انجام دیا جاتا تھا اتفاقاً ایک روز حاکم کا گذر وہاں ہوگیا اور دیکھا کہ تالاب بالکل ناتمام ہے اس نے مزدوروں کو بلاکر تاکید کی اور یہ لالچ دیا کہ اگر تم آج ہی رات میں تالاب تیار کردو تو تمھیں ایک توم[1] بھر روپیہ دیا جائیگا مزدوروں نے زر کے لالچ کے مارے ایک ہی رات میں تالاب تیار کر دیا اور صبح کو حاکم کے پاس انعام پانے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ پادشاہ سخت مشوش ہوا کہ خزانہ میں اتنا روپیہ نہیں جو وعدہ کے موافق ان کو دیا جائے اور جو وعدہ پورا نہ ہو تو سخت سبکی ہوگی اسی خیال میں غلطاں تھا کہ اتنے میں وزیر باتدبیر حاضر ہوا اور بادشاہ کو دریائے فکر میں ڈوبا ہوا پاکر پریشانی کا سبب دریافت کیا پادشاہ نے اپنے وعدہ کا حال اور اون کی کارگذاری بیان کی وزیر نے رائے بتائی کہ آپ نے توم بھر روپیہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے توم کا لفظ جس طرح تالاب کی توم پر کہا جاتا ہے اسی طرح کلہاڑی کے اس سوراخ کو بھی "توم" کہتے ہیں جس میں دستہ لگایا جاتا ہے پس اس معنی سے آپ توم بھر روپیہ عطا فرمادیں بادشاہ نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور وزیر نے حسب الحکم ایک کلہاڑی منگائی اور اس کا دستہ نکال کر توم میں روپیہ بھر دئے اور جتنا روپیہ اوس میں سماگیا مزدوروں کے حوالے کر دیا جب مزدوروں نے اپنی اس جان توڑ کوشش کے عوض خلاف امید اتنی قلیل رقم دیکھی تو اون کی آس ٹوٹ گئی اور زندگی سے بیزار ہوکر ہر ایک نے اپنے آپ کو ہلاک کر لینے کی ٹھان لی اور کسی نے پیٹ میں چھری بھونک لی کسی نے اپنا سر کاٹ لیا کسی نے گلے پر چھری پھیر لی غرض جدا جدا طریقوں سے اپنی اپنی جانیں سر دربار ملک الموت کے سپرد کر دیں۔

[1] دکن میں "توم" دراصل اس سوراخ یا نالی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ تالاب کا پانی زراعت وغیرہ اغراض کے لیے خارج ہوتا ہے مگر مجازاً اس کل حصہ یا مکان کو بھی توم ہی کہتے ہیں جو اس موری پر بنایا جاتا ہے جہاں محافظین تالاب بود و باش کر سکتے ہیں ۱۲

چنانچہ یہ بت انھیں کی یادگار ہیں بتوں کی شکل و ہیئت بھی جدا جدا ہے کوئی گلا کاٹ رہا ہے کسی نے پیٹ میں چھری بھونک لی ہے اور آنتیں نکل پڑی ہیں۔ مگر افسوس ایسی قیمتی یادگار جو کسی زمانہ کی بدعہدی اور ستم زدگی کا منظر پیش کرنے کے علاوہ صنعت سنگ تراشی کا اعلیٰ نمونہ ہے ایسی خراب و خستہ حالت میں پڑی ہوئی ہے کہ اُس کا کوئی قدردان و پرسان حال نہیں۔ اکثر راہ رو لڑکے آن پر سنگباری کرتے جاتے ہیں اس لیے روز بروز ان کے ٹکڑے ٹوٹتے جاتے ہیں [illegible] ان کا صاف شفاف اور صیقل کیا ہوا جسم دغیلا ہوتا جا رہا ہے اگر یہ [illegible] ہی پڑے رہے تو بالکل بیکار ہو جائینگے۔ اس لیے ہم سرکار عالی [illegible] کی توجہ اس جانب منعطف کراتے ہیں کہ ان کی خبر لیں اور [illegible] ایسی چیز جو قدیم زمانہ کے کارناموں کو تازہ کرنے والی ہے [illegible] دوبارہ ہاتھ نہیں آسکتی اور اس کا ایسی خستہ حالت میں پڑا رہنا [illegible] افسوس کے قابل اور اہل ملک کے مذاق پر حرف رکھنے والا ہے [illegible] تو بڑی قدر کے ساتھ باغ عام میں رکھے جانے کے لائق ہیں [illegible] سید شہاب الدین مہدی
[illegible] چھنگورہ

غزل

اغیار کر رہے ہیں شکایت کہاں کہاں
[illegible] ہے آپ کی شہرت کہاں کہاں

دل میرا آپ کا ہے تو لے لیجیے ابھی
کس کس طرح سے کی ہے حفاظت کہاں کہاں

اے چشم مست یار بتا دے مجھے پتہ
شوخی کہاں کہاں ہے شرارت کہاں کہاں

واعظ بہت ہیں مست مے عشق ہر جگہ
کرتے پھرینگے آپ نصیحت کہاں کہاں

دیر و حرم میں شیخ و برہمن کی منتیں
جھیلی ہے کیسی کیسی مصیبت کہاں کہاں

آنکھوں سے چن رہا ہوں گل نقش پا ترے
دنیا میں ہم نے پائی ہے جنت کہاں کہاں

دل میں ترے خیال سے آنکھوں میں شکل سے
[illegible] گئی مری قسمت کہاں کہاں

[illegible] میں مزار میں میدان حشر میں
[illegible] آئی اپنی ایک ندامت کہاں کہاں

او ٹھنے کو او ٹھ گئے تری محفل سے ہم مگر
[illegible] گیا قدم قدم رخصت کہاں کہاں

دیکھا ہے دیر و کعبہ میں ہم نے عدیل کو
پھرتے میں مارے مارے یہ حضرت کہاں کہاں

خط نستعلیق کا ٹائپ

(۴)

الخط الاسلامی کے ریویو میں ضمناً سرکار عالی کی اوس کوشش کا ذکر کرتے ہوے جو خط نستعلیق کا ٹائپ بنانے کے لیے کی گئی تھی میں نے خیال ظاہر کیا تھا کہ بجائے خط نظامی کو رواج دینے کے یہ کوشش کرنا چاہیے کہ سرکار عالی نے جو کچھ کام اب تک کرایا ہے اوس سے استفادہ کیا جائے۔

مضمون ختم ہو جانے کے بعد اوس کے مکمل حالات سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ اور اوس کے بعد مجھکو یہ لکھنے میں مطلق تامل نہیں ہے کہ ہمارے لٹریچر اور پریس کو ترقی دینے کا کوئی ذریعہ اگر ہے تو یہی ہے کہ اس کام کو اب عملی حیثیت میں لایا جائے۔

سب سے پہلے نواب فتح نواز جنگ مرحوم سابق ہوم سکریٹری اور مسٹر الیف گارڈن صدر مہتمم محبس بلدہ کو (جن کے ماتحت دار الطبع سرکار عالی تھا) ٹائپ کے رواج کا خیال آیا اور ابتدا میں سرکاری پریس کے لیے عربی حروف خریدے گئے تھے اس کے بعد مسٹر گارڈن نے نستعلیق خط کا ٹائپ تیار کرانے کے لیے کلکتہ بمبئی کے مختلف کارخانوں سے خط و کتابت کی بالآخر یہ معلوم ہوا کہ کلکتہ کی ایک مشنری سوسایٹی نے اس قسم کا ایک ٹائپ تیار کرایا ہے اور اوس کو فروخت بھی کرتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی نظر آگیا کہ ٹائپ بدنما اور بہت کچھ اصلاح کے قابل اور اون ضرورتوں کے لیے پورا پورا کارآمد نہ تھا جو اردو کے لیے لازمی ہیں سب سے پہلے تو یہ منا خیال کیا گیا کہ کسی ماہر کمپوزیٹر کے ذریعہ سے جو یہاں سے کلکتہ کو جائے حروف کی ساخت میں اصلاح کرائی جائے اور اوس کے بعد وہ خرید لیا جائے مگر تمام ضرورتوں کے لحاظ سے بعد میں یہ قرار پایا کہ ایک کمیٹی قایم کی جائے جو نستعلیق خط کے ٹائپ بنانے کے لیے مکمل تجاویز پیش کرے۔

اس کمیٹی میں مولوی محمد عزیز مرزا صاحب اسسٹنٹ ہوم سکریٹری مولوی سید احمد

صاحب مہتمم صدر محبس بلدہ - مولوی سید امام الدین صاحب مرحوم حیدر آباد کے مشہور خطاط شریک تھے اس کمیٹی نے غور و خوض کے بعد مکمل ٹایپ کا نمونہ مرتب کر دیا اور اوس کے ساتھ ایک رپورٹ بھی پیش کی اس رپورٹ کا کچھ اقتباس اس مضمون کے ساتھ شایع کیا جاتا ہے رپورٹ پیش ہونے پر اس کے مصارف وغیرہ کا اندازہ ہو رہا تھا کہ قحط اور طاعون وغیرہ سے سرکار عالی کی فنانشل حالت متزلزل ہو گئی اور اسی بنا پر یہ تجویز بھی کسی آیندہ موزوں موقع تک ملتوی کر دی گئی اس کی کل کارروائی اور نمونہ ٹائپ معتمدی عدالت و امور عامہ سرکار عالی میں موجود ہے

گذشتہ مضمون میں میں نے ظاہر کیا تھا کہ اس تجویز کے متروک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اوس کے لیے (۷۰۰) حروف مفرد و مرکب تیار کرنے پڑتے تھے اور اس قدر کثیر حروف کو ذہن میں محفوظ رکھکر کمپوز کرنا نہایت مشکل ہے مگر اب اس کے التوا کی اصلی وجہ معلوم ہو گئی ہے نیز یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ صرف ۲۷۴ پیٹرس بنانے پڑتے ہیں اور اون میں بھی کمی ممکن ہے۔ ایسی حالت میں یہ امر ہر طرح مناسب و موزوں ہوگا کہ اس کوشش و محنت کو جو ایک بار اٹھائی جا چکی ہے بیکار نہ جانے دیا جائے اس ٹائپ کے رواج کے متعلق یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس کے لیے ۲۷۴ پیٹر تجویز کیے گیے ہیں ممکن ہے کہ بعد تجربہ بعض جوڑ کم ہو جائیں تاہم اون کی تعداد تین چار سو کے مابین ہی رہیگی اور اس قدر پیٹرس کو ذہن میں رکھکر کمپوز کرنا مشکل ہے مگر جب کاتب اپنے ذہن میں تمام حروف اور اون کے جوڑوں کو محفوظ رکھتا ہے تو کمپوزیٹر بھی تھوڑی سی مشق کے بعد بآسانی اس ٹائپ کو کام میں لاسکتا ہے - البتہ کمپوزنگ کے لیے کسی قدر زیادہ عرصہ اور محنت بمقابل دوسری زبانوں کے عاید ہوگی لیکن وہ اون فواید کے مقابل جو اوس کی بدولت حاصل ہونگے ناقابل لحاظ ہے۔

دنیا میں اب ہر ایک زبان کی علمی و ادبی ترقی محض اسٹیم پریس اور ٹائپ کے وجود پر منحصر ہے یوروپ و امریکہ سے قطع نظر ہندوستان میں بنگالی گجراتی - مرہٹی ناگری زبانوں نے صرف ٹائپ کی بدولت فروغ حاصل کیا اردو جو ہندوستان کی

لنگوا فرنیکا زبان ہے ٹائپ کی مدد کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔

چونکہ حیدرآباد کی سرکاری زبان اردو ہے اور سرکار عالی اردو کی ہمیشہ سرپرستی فرماتی رہتی ہے اور اب ریاست کی فنانشل حالت بھی اس قدر درست ہوگئی ہے کہ مفید ملک تجاویز میں بلا تامل روپیہ صرف ہو سکتا ہے اس لیے اگر وہ اس ملتوی شدہ معاملہ کو تازہ فرمائے تو نہایت آسانی کے ساتھ اس کا سرانجام ممکن ہے۔

اس وقت دارالضرب سرکار عالی میں سکہ کے تھوڑی مقدار میں بننے کی بدولت اسٹیم پاور سے پورا پورا کام نہیں لیا جاتا ہے اور کام نہ رہنے کی وجہ سے برقی روشنی یا دوسرے کاموں میں اوس کی قوت صرف کی جارہی ہے اور اسی لیے بآسانی ممکن ہے کہ اوسی کے ساتھ اردو ٹائپ ڈھالنے کا کام بھی جاری کردیا جائے دارالضرب میں نہایت عمدہ حکاک اور مہرکن موجود ہیں وہ کسی قابل وماہر خوشنویس کے زیرنگرانی نستعلیق خط کے لیے میٹرس حسب نمونہ مجوزہ کمیٹی بنادے سکتے ہیں۔ متوسط درجہ کی فولڈنگ مشن اور دوسرے آلات حروف سازی زیادہ سے زیادہ تین ہزار تک میں مل جاسکیں گے بمبئی کلکتہ میں حروف سازی کے کارخانے ہیں وہاں سے دو چار کاریگر بھی مل جائینگے غرض تیس چالیس ہزار کے مصارف سے ایک مکمل کارخانہ دارالضرب کے ساتھ ہی نستعلیق حروف بنانے کا قایم ہو سکتا ہے چند روز کے بعد کارخانہ اپنے مصارف آپ برداشت کرلیگا۔ کیونکہ پتھروں کی خریداری کے عوض سرکاری مطابع کے لیے ٹائپ کے حروف مل جائینگے اور جس قدر ٹائپ سرکاری ضروریات سے زیادہ ہوں وہ مطابع ہندودکن میں فروخت ہو سکتے ہیں یہ نئی ایجاد ہے اور سرکار عالی کو اس کا حق ایجاد حاصل ہوگا اس لیے بکثرت اس کی فرمایش آئیگی اور بہت جلد صرف شدہ رقم وصول ہو جائیگی۔ بلکہ نفع وصول ہوگا۔

دارالطبع کے لیے بیس پچیس ہزار کے مصارف سے ٹائپ کے پریس اور اسٹیم انجن منگوائے جاسکتے ہیں۔ ان کے بدولت کام نہایت سرعت وکفایت سے ہوگا

سررشتہ تعلیم کی تمام کتابیں دار الطبع میں طبع کیجا سکینگی۔ ان مصارف کے لیے موجودہ آلات طبع اور پتھروں کے فروخت سے کسی قدر رقم بھی حاصل ہوجا سکتی ہے۔

الحاصل آٹھ ہزار روپیہ کے مصارف سے ایک بے انتہا ضروری کام سرانجام پائیگا سرکار عالی کی ہنر پروری و علم دوستی کی خاص شہرت ہوگی بہت جلد منافع وصول ہونا شروع ہوجائیگا۔ سرکاری ضروریات کے لیے مطابع غیر کی محتاجی نہ رہیگی۔ سررشتہ تعلیم اپنے حسب منشاء مدارس میں ارزاں قیمت پر کتب مہیا کرسکیگا۔ مطابع ہندوستان بھی اس سے استفادہ کرینگے اگر سرکار عالی کسی وجہ سے اس کام کو پورا کرنا پسند نہ کرے تو مطبع دایرۃ المعارف یا دوسرے مطابع کو سرکار عالی سے اس ٹائپ کی رائلٹی حاصل کرنا اور بطور خود اس کام کو سرانجام دینے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اعلی حکام مملکت کو اس ضروری امر پر متوجہ کرتے ہوے ہم مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب کی خدمت میں جن سے بڑھکر ریاست سرکار عالی میں اب کوئی شخص ٹائپ کے مالہ و ماعلیہ سے آگاہ نہیں ہے یہ عرض کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ اگر جناب ممدوح اس کام میں تھوڑی سی توجہ صرف فرمائیں تو یقین ہے کہ بہت جلد مفید نتیجہ پیدا ہوگا اور ملک کو نفع پہونچیگا فقط

اقتباس رپورٹ کمیٹی تجویز ٹائپ

بہ خط نستعلیق

جناب ہر مزجی صاحب معتمد عدالت وکوتوالی و امور عامہ نے بتاریخ ۱۲ ماہ اکٹوبر ۱۸۹۵ء ایک کمیٹی بارکان ذیل مقرر فرمائی۔

مولوی محمد عزیز مرزا صاحب اول مددگار معتمد عدالت مولوی سید احمد صاحب مددگار مہتمم صدر مجلس بلدہ میر امام الدین صاحب خوشنویس معتمدی عدالت۔

اور کمیٹی مذکور کو حکم دیا کہ مشورہ کرکے ٹائپ بطرز نستعلیق تیار کرنے کیلئے

ایک تجویز پیش کرے حسب ارشاد تاریخ مذکور سے تحریر رپورٹ تک ہم کئی مرتبہ جمع ہوئے اور اس معاملہ میں غور کیا ہمارے غور و فکر کا نتیجہ ذیل میں درج ہے

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے اور دیکھا ہے ٹائپ بخط نستعلیق یعنے ایسے خط کا جس میں اردو و فارسی لکھی جاتی ہے بنانے میں دو بڑی دقتیں ہیں (۱) سطر بندی سے متعلق ہے - (۲) اس پر مشتمل ہے کہ نستعلیق میں بعض حروف کے اشکال مختلف حروف کے ساتھ ملنے سے مختلف ہوجاتے ہیں -

اردو میں ۳۶ حروف ہیں ان میں سے اکثر کی چار چار شکلیں ہوتی ہیں ایک شکل مفرد اور تین پیوند - ابتدائی - وسطی - اور اخیر پھر یہ پیوند بہ لحاظ حرف کے جس کے ساتھ وہ مرکب ہوتے ہیں متفاوت شکل کے ہوتے ہیں مثلاً (ج) (ہ) کے ساتھ مرکب ہوتا ہے تو اوس کا مونہ کسی قدر کھلا رہتا ہے جیسے جھ اور جیم جب د - ل وغیرہ حروف سے ملتا ہے تو اوس کا مونہ ملا رہتا ہے جیسے جد جل اور جب جیم ر اور اوس کے متجانس حرف کے ساتھ مرکب ہوتا ہے تو اوس کی ایک خاص صورت ہوتی ہے مثلاً جر جز اسی طرح اکثر حروف کا حال ہے - یہاں تک اشکال کی تبدیل بہ لحاظ اون حروف کے ہوتی ہے جن سے وہ مرکب ہوتے ہیں پھر اور ایک دقت سطر بندی کی ہے - بلحاظ سطر بندی کے ایک پیوند کبھی سطر سے بہت اوپر رہتا ہے جیسے چ لفظ چیچلگوڑہ میں اور کبھی سطر سے کچھ اوپر جیسے ج لفظ جنتری میں اور کبھی سطر پر جیسے لفظ جن میں - مروجہ ٹائپ میں ان خوشنویسی کی باریکیوں کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے - ہر ایک حرف کے تین پیوند سے زاید نہیں ہیں اور وہی ہر ایک موقع میں جڑ دئے گئے ہیں اس وجہ سے مروجہ نستعلیق خط کا ٹائپ بجائے خوبصورت کے نہایت ہی بدنما اور بیڈول معلوم ہوتا ہے -

ہم نے بہ لحاظ جملہ اصول خوشنویسی ہر ایک حرف کے جس قدر اشکال عموماً لکھے جاتے ہیں مجوزہ ٹائپ میں تجویز کیے ہیں - یعنی ہر ایک حرف کے ابتدائی پیوند

تین قسم کے تجویز کیے ہیں ایک پیوند سطر سے بہت اوپر رہیگا۔ یہ پانچ چھ حرفی لفظوں کی ترکیب میں کام آئیگا کیونکہ اوس صورت میں وہ سطر سے بہت اوپر رہیگا اور دوسرا پیوند سطر سے کچھ نکلا ہوا ہے جو تین چار حرفی مرکبات میں مستعمل ہوگا اور تیسرا پیوند برابر سطر پر رہیگا جو دو حرفی لفظوں میں مستعمل ہوگا اسی لحاظ سے وسطی پیوند اکثر حروف کے لیے دو درجے کے تجویز کیے گیے ہیں ہمارے علم میں آج تک یہ لحاظ ٹائپ کے بنانے میں نہیں رکھا گیا ہے چونکہ بہ لحاظ ترکیب وسطر بندی ہر ایک حرف کے متعدد اشکال تجویز کیے گیے ہیں اس لیے حروف کے پیوندوں کی تعداد بہت زاید ہوگئی ہے یعنے صرف مفردات اور اون کے پیوندوں کی تعداد ۱۱۴ ہے چونکہ جو حروف ل کے ساتھ مرکب ہوتے ہیں اون کو علیحدہ علیحدہ حروف جوڑکر ترکیب دینے میں بدنمائی ہوگی کیونکہ ایسی ترکیبوں میں ایک حرف دوسرے حرف کے نیچے رہتا ہے اس لیے ایسے مرکبات کے لیے ایک ایک بلاک تجویز کیا گیا ہے نیز کـــا کی ترکیب بھی ایک خاص شکل رکھتی ہے جس کو علیحدہ علیحدہ حروف جوڑکر بنانا دشوار ہے اس لیے ایسے بعض مرکبات کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ بلاک تجویز کیے گیے ہیں ایسے جملہ مرکبات کی تعداد ۵۰ ہے جملہ حروف مفردات اور جملہ پیوند اور جملہ مرکبات کی تعداد بہ شمول ہندسوں کے ۲۷۴ ہوتی ہے اس لیے نستعلیق خط کا ایک کامل فانٹ بنانے کے لیے ۲۷۴ میٹرس (سانچے) ضرور ہونگے یہ تعداد بڑی ہے مگر ناگزیر ہے اور جب تک مختلف اشکال اور پیوند حروف کے نہ ہوں ٹائپ خوبصورت نہ ہوگا ممکن ہے کہ بعد تجربہ بعض پیوند کم ہوسکیں چونکہ ٹائپ کی ایک جدید وضع تجویز کیگئی ہے اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ٹائپ ہندوستان میں بھی کسی ایسے شخص کی نگرانی میں تیار کرایا جائے جو اصول خوشنویسی کا پورا ماہر ہو تاکہ عملی تجربہ میں جو خرابیاں یا دقتیں جوڑوں سے دوسرے اشکال و ترکیبات میں معلوم ہوتی ہوں اون کی فوراً اصلاح ہوتی جائے اگر پہلے ہی

نستعلیق خط کا ٹائپ انگلستان میں تیار کرایا جائے تو ناکامیابی کا سخت اندیشہ ہے۔

فہرست حروف جو مکمل مرتب کردی گئی ہے اوس میں حروف اوس باڈی کے نہیں ہیں جس باڈی کے حرف تیار ہونگے لیکن اوس کے تیار کرنے والے عکس لیکر جس باڈی کی خواہش ہو تیار کرسکتے ہیں ہمارے خیال میں آزمایشی ٹائپ انگلش باڈی کا بنانا مناسب ہے۔

کمیٹی کو میر امام الدین صاحب سے بے بہا مدد ملی [illegible] لیا جا سکتا ہے کہ اگر اس تجویز کو کامیابی ہوی تو اس میں بڑا حصہ میر امام الدین کی کوششوں کا ہوگا فقط

محمد عزیز مرزا

نمونہ ٹائپ نستعلیق

ا	آ ا ا ء
ب	با با ب ب ب ب ب ب ا ا ا
	ب ب ب ب ب ب ب
ج	ج ج ج ج ج ج ج ج ج ج
	ج ج ج

د ـد

ر ـر ـر

س ـسـ ـسـ ـسـس ـس

ص صـ ـصـ ـصـ ـص

ط طـ ـطـ ـط طـ ـطـ ـط ـطـ ـط ـط

ع عـ ـعـ ـعـ ـعـ ـعـ ـعـ ـعـ ـعـ ـع

ف فـ ـفـ ـفـ ـفـ ـف ـف ـفـ ـف

ک کـ ـکـ ـف ـکـ ـک ـکـ ـک ـکـ ـک ـک

ل | للل | ململ | ل

م | ممم | ممم | ماما | ممم

ممم | ممم | ممم | م مم م

ن | ننن | ننن | ننن | نزز

نننن | نن | ن ن | ن ن ن

و | سو

ہ | ہہہ | ہہہ | ہہ | ہہ

ہہہ ہ

ی	یا یٰا یِا	یتیہ	یتیہ	یا یا
	تتیہ	تتیہ	یٹیں	ی ئی ئ

ے ئے ے ئے

لا بلا ملا کلا گلا ہا

کا گا کل گل جو

نمونہ عبارت بخط نستعلیق

اعتبار اوسکا کرو جسکا تم تجربہ کر چکے ہو — احمقوں کی ہمنشینی سے تنہائی بہتر ہے — جو کسی سے خوش نہیں ہوتا اوس کی حالت افسوس ناک ہے

نقلہ محمد منظہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر ۱۰۹۹ صحیفہ جلد ۶

ایڈیٹوریل

"منگل کا دن اگرچہ نحوست و بدشگونی میں قدیم الایام سے ضرب المثل ہے لیکن ۲۹"
"رمضان ۱۳۲۹ھ کے ساتھ جو منگل طلوع ہوا تھا وہ دکن کی ایک کروڑ تیس لاکھ"
"رعایا کیلیے خصوصاً اور ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے لیے عموماً ایسا منحوس و"
"مشوم ثابت ہوا کہ تاریخ کے صفحوں پر ہمیشہ کیلیے یادگار رہیگا چوتھی رمضان کا"
"منگل منگل نہیں تھا۔ بلکہ ایک صاعقہ تھا جو اچانک دکن کے پائے تخت پر گرا۔"
"اور اوس کے امن و اطمینان آرام و آسایش، یمن و سعادت، بہروزی و بہبودی"
"فلاحت و رفاہیت، الغرض اوسکی تمام خداداد نعمتوں کو چشم زدن میں جلاکر"
"خاک سیاہ کر ڈالا۔

"جو عظیم الشان ناقابل تلافی نقصان اس منحوس منگل نے ہمیں پہونچایا۔ اوسکے"
"بیان کرنے کی طاقت اپنے الفاظ و قلم میں نہ پاکر خود سرکار عالی کی زبان سے اوسکا"
"اظہار کرایا جاتا ہے۔"

جریدہ غیر معمولی

جلد ۴۸ حیدرآباد دکن ۲۲۔ مہر ۱۳۲۰ ف م ۴ ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ نمبر ۲۹

حکم عالیجناب سر مہاراجہ بہادر یمین السلطنت پیشکار و مدار المہام سرکار عالی

علاقہ فینانس

۴ ماہ صیام سنہ ۱۳۲۹ھ م ۲۲ مہر سنہ ۱۳۲۰ ف

افسوس وصد ہزار افسوس وحسرت وصد ہزار حسرت آج ہم پر آسمانِ اندوہ والم ٹوٹ پڑا یعنی ہمارے سرتاج ہمارے آقائے ولی نعمت ہم پر ہمارے ماں باپ سے زیادہ شفیق ورحیم مالک ورعایا پرور ومعدلت گستر بادشاہ لفٹنٹ جنرل ہز ہائنیس مظفر الملک مظفر الممالک نظام الدولہ نظام الملک نواب سر میر محبوب علیخان بہادر فتح جنگ جی سی بی جی سی ایس آئی طاب ثراہ و فی الجنۃ مثواہ جنکی ذات قدسی صفات بہمہ اوصاف جہانداری و مملکت رانی متصف تھی اور جنکا عہد معدلت مہد کیا بلحاظ آسائش وصلاح وفلاح رعایا اور کیا بلحاظ عروج واستحکام سلطنت تاریخ دکن میں ابد الآباد یادگار رہیگا آج بروز شنبہ ۴ ماہ صیام سنہ ۱۳۲۹ھ تقریباً ایک بجے دن کے اس عالم فانی سے رحلت فرمائے عالم جاودانی ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حق تو یہ ہے کہ حضرت کی ذات بابرکات بلحاظ اقبالمندی و وسعتِ اخلاق وکمال ہمدردی انسانی اپنی آپ ہی نظیر تھی اور بوجہ اُن برکات کے جو حضرت کی ذات مجمع صفات میں مودع تھیں

حضرت کا سایہ عاطفت اس ملک سے اٹھ جانا ہم غلامان و خانہ زادان دولت آصفیہ کیلیے ایک سخت روح فرسا حادثہ ہے لیکن چونکہ بمصداق کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ہر متنفس کیلیے داعی اجل کو لبیک کہنا ناگزیر ہے نیز مشیت ایزدی میں کسی کو یارے دم زدن نہیں ہے لہذا اس ریاست ابد مدت کے امرا۔ اعزہ۔ واعیان و ارکان دولت نیز ملازمین رعایا و برایا کو بجز صبر و شکیبائی اختیار کرنے کے کوئی چارہ نہیں ہے لہذا۔ اعلیحضرت قدر قدرت حضرت بندگانعالی متعالی نواب میر عثمان علیخان بہادر مدظلہم العالی خلد اللہ ملکہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سانحہ جان گداز کی سوگواری میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے تمام دفاتر سرکاری سات روز تک بند رہیں بلدہ میں اس تعطیل کا آغاز ۲۳ ماہ مہر ۱۳۲۰ف م ۵ ماہ صیام ۱۳۲۹ھ سے ہوگا اور اضلاع میں وصول جریدہ کے دوسرے روز سے فقط ثبت شد دستخط

کشن پرشاد

مدار المہام سرکار عالی

"اس سانحہ جانگزا اور واقعہ ہوش ربا کے تفصیلی حالات حضرت غفران مکاں"
"کے سوانح عمری میں ترتیب کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔ جو اسی نمبر"
"سے تسلسل کے ساتھ شروع کر دی گئی ہے۔

یہاں صرف اون چند تاریخوں اور نوحوں کے درج کرنے پر اکتفا کیجاتی ہے جو اشاعت کی غرض سے ہمارے پاس وصول ہوے ہیں فقط

اڈیٹر

وارفتگی غم

یارب جہاں میں حشر یہ کیسا بپا ہے آج — کیوں ایسے اضطراب میں خلق خدا ہے آج
ہنگامہ خیز شورش آہ و بکا ہے آج — کھلتا نہیں ہے کچھ کہ یہ کیا ہو رہا ہے آج
چھایا ہے رنگ طرز تپیدن جہان پر
ہم ہیں کبھی زمیں پہ کبھی آسمان پر

ہیں جلوہ ریز دیدۂ گریاں یہ کیا سبب — آنسو ہیں آج خاک پہ غلطاں یہ کیا سبب
خلقت ہے مثل بخت پریشاں یہ کیا سبب — ہر شخص ہے جو چاک گریباں یہ کیا سبب
وارفتگی غم کا دلوں میں وہ جوش ہے
دامن کی ہے خبر نہ گریباں کا ہوش ہے

اک تیرگی جہان پہ چھائی ہوئی سی ہے — کوئی بلا ضرور یہ آئی ہوئی سی ہے
مشعل جگر میں دل میں جلائی ہوئی سی ہے — یہ آگ بخت بد کی لگائی ہوئی سی ہے
اب اشک و آہ سرد کا بیجا خیال ہے
اس سوز دل کی آگ کا بجھنا محال ہے

بربادیاں ہیں کیا تہ افلاک دیکھنا — دنیا میں اڑ رہی ہے یہ کیا خاک دیکھنا
کہتا ہے رو کے یہ دل صد چاک دیکھنا — جو کچھ دکھائے دیدۂ غمناک دیکھنا
اڑتی ہے خاک نوح کا طوفاں بپا ہے آج
بدلی ہوئی زمانہ کی آب و ہوا ہے آج

انسان کونسا ہے کہ جسکو قلق نہیں — کس کا جگر ہے رنج سے جو آج شق نہیں
کس کا ہے مونہ جو فرط تحیر سے فق نہیں — دامن پہ کس کے آج نمایاں شفق نہیں
خوننابہ بار ابر ہر اک چشم تر کے ہیں
قطرے نہیں ہیں اشک کے ٹکڑے جگر کے ہیں

---

۵ یعنے ۲۹ رمضان ۱۳۲۹ھ روز سہ شنبہ بوقت یک ساعت روز ۱۲

دنیا سے اٹھ گیا ہے الٰہی یہ کون آج — دنیا کی کر گیا ہے تباہی یہ کون آج
مہر وہ ہوا ہے دہر سے راہی یہ کون آج — پھیلا گیا جہاں میں سیاہی یہ کون آج

کیسا جہاں میں ہائے الٹ پھیر ہو گیا
کیا دیکھتے ہی دیکھتے اندھیر ہو گیا

تاریک سب جہان ہماری نظر میں ہے — ظلمت شریک بخت کی دودِ جگر میں ہے
اک جوش رنج و غم کا دل ہر بشر میں ہے — سودا جو ہے تو خانہ بدوشی کا سر میں ہے

وحشت کا گھر ہے قلب میں پہلو میں جان میں
چبھنے لگے ہیں حلق کے کانٹے زبان میں

ہر گنبد میں گریہ و ماتم کا شور ہے — ہر آنکھ آج جوشش گریہ سے گور ہے
آمادہ جان دینے پہ ہر جی کا جور ہے — بے طرح بیقراری آغوش گور ہے

برپا یہ حشر کیا تہ افلاک ہو گیا
ساکن فلک نما کا تہ خاک ہو گیا

محبوب کے فراق کا یارا نہیں ہے اب — جینے کا اپنے کوئی سہارا نہیں ہے اب
دن کیا گزار سکے کہ گزارا نہیں ہے اب — پرسان حال کوئی ہمارا نہیں ہے اب

حسرت بھری نظر سے جدھر دیکھتے ہیں ہم
پیش نگاہ یاس کا گھر دیکھتے ہیں ہم

ایسا بھی انقلاب جہاں میں ہوا نہ ہو — گلشن کوئی بہار میں ایسا لٹا نہ ہو
مایوس اس طرح دل پر مدعا نہ ہو — ایسی بھی نامرادی دست دعا نہ ہو

حسرت کا اک ہجوم دل نوحہ گر میں ہے
اب ہے اثر دعا میں نہ دم میں اثر میں ہے

شعلے نکل رہے ہیں دلِ داغدار سے — اک آگ ہے لگی ہوئی دل کے بخار سے
بہر قرار پھرتے ہیں ہم بیقرار سے — جا جا کے پوچھتے ہیں یہ کنج مزار سے

آرام کا جہان میں ملتا پتہ نہیں
راحت کی کوئی شکل یہاں کی رہا نہیں

بیتاب ساز سینہ و دل درد ہو گیا / چہرہ کا رنگ ضعف سے اب زرد ہو گیا
آشوب حشر پیش و فغاں گرد ہو گیا / و گرمیِ ملال سے دل سرد ہو گیا
نقشہ کوئی نشاط کا باقی نہیں رہا
میخوار لوٹتے ہیں کہ ساقی نہیں رہا

صورت ہے آج دختر رز کی بجھی ہوئی / وہ دیکھو ہے صراحی کو ہچکی لگی ہوئی
خالی ہے آج طاق میں بوتل بھری ہوئی / کہتی ہے یہ سرور کی رنگت اڑی ہوئی
ساغر کا ہے پتہ نہ سبو کا نشان ہے
ساقی کی یادگار فقط اک دکان ہے

ایسی دکان رہتی تھی جس میں چہل پہل / آتا تھا غمزدہ بھی تو جاتا تھا جی بہل
ہوتا تھا رنج و غم کا خوشی سے جہاں بدل / کوئی نہ بد دماغی واعظ کا تھا خلل
آزاد بادہ خوار تھے عشرت کا طور تھا
چھٹی تھی گرم ساغر گلگوں کا دور تھا

بیٹھے بٹھائے رنگ میں کیا بھنگ ہو گیا / ظاہر جہاں میں دہر کا نیرنگ ہو گیا
نغمہ صدائے غم کا ہم آہنگ ہو گیا / رندوں کا بخت مستعد جنگ ہو گیا
بنت عنب بھی صورت شمشیر کھنچ گئی
آنکھوں میں صاف موت کی تصویر کھنچ گئی

منگل کے روز چارم ماہ صیام کو / آئی اجل جو خسرو عالی مقام کو
اک صدمۂ عظیم ہوا خاص و عام کو / روتی تھی خلق آصف سادس نظام کو
سیل سرشک غم سے وہ طغیانیاں ہوئیں
ہر ایک رہگزر میں رواں ندیاں ہوئیں

کیا لکھوں ہائے کیسی قیامت بپا ہوئی / افسوس کیا تباہی خلق خدا ہوئی
بے سود چارہ سازی و فکر دوا ہوئی / بیکار ہم غریبوں کے دل کی دعا ہوئی
کیا زندگی کا موت سے نقشہ بدل گیا
آخر فریب دست قضا شہ پہ چل گیا

خلقت کا اک ہجوم سر رہگزار تھا　　مخلوق کے دلوں میں عجب انتشار تھا
سکتہ میں کوئی تھا تو کوئی بیقرار تھا　　جس پر پڑی نگاہ وہی اشکبار تھا
اُمڈی تھی خلق کیا تہ و بالا زمانہ تھا
جو تھا فلک نما کی طرف وہ روانہ تھا

نالے زباں پہ آنکھ میں آنسو لبوں پہ آہ　　دشوار تھی دفور غم و ہم سے قطع راہ
رعشہ تھا ہاتھ پانوں میں حالت بھی تھی تباہ　　دل تھا جو بیقرار تو بیچین تھی نگاہ
لغزش تھی گام گام پہ چلنا محال تھا
جو تھا ہجوم رنج سے وہ پایمال تھا

کہتی تھی خلق اے میرے آقا کدھر گیے　　دیتے تھے بے طلب جو وہ داتا کدھر گیے
ہم بیکسوں کے تھے جو سہارا کدھر گیے　　سب ملک و مال چھوڑ کے تنہا کدھر گئے
ڈھونڈیں کدھر کہاں سے تمھیں لا ئیں کیا کریں
تم ہی اٹھو تو جان ہم اپنی فدا کریں

سوز و گداز کی کوئی حد نہیں رہی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑ گیا اور نا تواں انگلیوں سے قلم گر پڑا رونا بہت کچھ ہے مگر افسوس کہ رویا نہیں جاتا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

محمد عبدالوہاب عندلیب حیدرآبادی ناظر تیہ خانجات ضلع میدک

قطعہ تاریخ

اچانک اک بجے سہ شنبہ کے دن　　بتاریخ چہارم ماہِ رمضاں
ندا یہ غیب سے اطہر کو آئی　　گیا جنت کو محبوب علیخاں

۱۳۲۹ ھ

سید اعظم اللہ حسینی اطہر اہلکار صدر محاسبی شاخ تالیف

قومی ماتم

رباعیات

(۱)

دنیا کا وہ انتظام باقی نہ رہا — انصاف کا اب تو نام باقی نہ رہا[1]
کس طرح جئیں شریف عزت نہ رہی — تھا دہر میں جو "نظام" باقی نہ رہا

(۲)

مطلوب جہاں بہار مطلوب نہیں — مرغوب جہاں شراب مرغوب نہیں
دو بھر ہے یہ زندگی اجیرن جینا — محبوب ہو کیا کہ "ہائے محبوب" نہیں

(۳)

"رشید"[2] کا معین شاہ عالی نہ رہا — ہیہات وہ قدردان "حالی" نہ رہا
ماتم میں ہے "شبلی"[4] کی طرح ہندوستان — کس منہ سے کہیں دکن کا والی نہ رہا

(۴)

ہمدرد غریباں شہ والا نہ رہا — خورشید کرم جگ کا اوجالا نہ رہا
کس کے آگے زبان بیکس وا ہو — کس سے کہیے کہ سننے والا نہ رہا

(۵)

بے تذکرہ دم بھر بھی گذرنے کا نہیں — ناسور یہ دلدوز ہے بھرنے کا نہیں
محبوب ہی جانوں سے زیادہ "محبوب" — یہ نام زبانوں سے اوترنے کا نہیں

(۶)

ہمدردی تھی اوڑھنا بچھونا تیرا — طغیانی پہ یاد ہے وہ رونا تیرا
کس بات کو روئے ترا رونے والا — سب کچھ تھا دکن میں ایک ہونا ترا

خستہ دل خستہ جگر - محمد قطب الدین تلقی حیدرآبادی

---

[1] فرط غم واندوہ کی حالت میں یہ رباعیاں لکھی گئی ہیں خود فراموشی کے عالم میں انسان ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جن کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی خدا کے فضل سے ملک میں عدل و انصاف کا وہی عالم ہے جو حضرت غفران مکان کے دور حکومت میں تھا رباعی کا مطلب صرف اظہار رنج و الم ہے نہ کہ حقیقت نفس الامری ۱۲- اڈیٹر [2] سر سید احمد خاں بانی علیگڈھ کالج [3] شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی [4] شمس العلما مولانا محمد شبلی نعمانی

قطعۂ تاریخ

انتقال پر ملال اعلیٰحضرت حضور پر نور نواب میر محبوب علیخان بہادر طاب ثراہ

یہ ہے کل کی بات اے سپہر کہن — کہ پھولا ہوا تھا ہمارا چمن
چٹکتے تھے غنچے مہکتے تھے گل — لیے ہاتھ میں ساغر ناب مل
چہکتی تھی بلبل سر شاخ پر — لڑاتی تھی نرگس نظر سے نظر
مگر آج کیا جانے کیا ہوگیا — وہ گلشن ہی سارا ہوا ہوگیا
جہاں فرش تھے پنکھڑے اور پھول — وہیں آج اڑتی ہے خاک اور دھول
جو تھا سیر و تفریح گاہ جہاں — وہی باغ ہے آج بے باغباں
تری موت آج اے نظام دکن — قیامت کا غم ہے غضب کا محن
ہزاروں یتیم آج اور بیوگاں — ترے غم میں ہیں آہ و نالہ کناں
کہاں سے اجل ناگہاں آگئی — تجھے ہائے کس کی نظر کھا گئی
ترے آڑے آئی بھلائی نہ کیوں — تری آئی فانی کو آئی نہ کیوں
جسے کہتے تھے عمر و دولت نصیب — اسے آج لکھتے ہیں جنت نصیب
نہ دم ہاتھ میں ہے نہ تاب رقم — صدائے الم ہے صریر قلم
سیاہی سے کیا سال ہجری لکھوں — ٹپکتا ہے کاغذ پہ آنکھوں سے خوں
نگاہوں میں عالم نہ ہو کیوں سیاہ — چراغ دکن بجھ گیا آج آہ

۱۳۲۹ھ

ایضاً

سدھارے خلد کو جب شاہ آصف — ہوا سارا جہاں نالان و گریاں
سر اندوہ سے لکھو سال فانی[لہ] — گئے جنت کو محبوب علیخاں

۱۳۲۹ھ

نمکخوار قدیم ابوالفہیم محمد احمد فانی وکیل منگلوری

لہ یا کے دس عدد لیے گئے ہیں ۱۲

قطعۂ تاریخ

(۴)

"خاکسار نے عمر بھر میں کوئی تاریخ نہیں کہی۔ لیکن حضرت غفران مکاں کے انتقال کا حادثہ ایسا جانکاہ و غم افزا تھا کہ اس واقعہ کو سننے کے بعد کوئی کام نہ ہو سکتا تھا چونکہ دفاتر بھی عام طور پر معطل اور وقت خالی تھا۔ خاکسار نے وقت کاٹنے اور غم دور کرنے کیلیے مادہ تاریخ انتقال کی جستجو شروع کی۔ الحمد للہ تھوڑی ہی مدت میں ایک ایسا مادہ ہاتھ لگا جس میں حضرت غفران مکاں کا پورا نام بہ صحت واقعہ موجود ہے۔ اور باوجودیکہ میں شاعر نہیں ہوں۔ مادہ موزوں بھی ہو گیا ہے [illegible] یہ تو [illegible]"

[illegible]

شاہِ آصفجاہ سادس از جہاں — رخت در دار البقا چوں برد۔ ہائے
خلق را ناخن بہ سنگ آمد دریغ — بر دل ما۔ ناخنے افزود ہائے
بلبل و طوطی بہ گلشن شد خموش — غنچہ و گل در چمن۔ افسردہ ہائے
سینہ زن صیحہ کناں بودش حرم — مو پریشاں کردش و طفلِ خرد ہائے
از وفاتش جن و انساں رنجہ شد — حور و غلماں و ملک آزردہ ہائے
یافت از صدیق اکبر انتساب — وز عمر انصافِ صاف [illegible] ہائے
در غنا بودہ چو عثمان غنی — در جلادت چوں علی گردہ ہائے
[illegible] بود۔ افغان و غور — خاورانش بود [illegible] زنگ کرد ہائے
[illegible] — [illegible] نعش [illegible] برد ہائے
[illegible] — تا [illegible] از اجل برخورد ہائے

[illegible] اکبر [illegible] گفت
میر محبوب علی خاں۔ مرد ہائے
[illegible] = ۱۹

سنہ ۱۳۲۹ ہجری

عہد محبوبی کی برکتیں

اور

عہد عثمانی سے امیدیں

ھَلَکَ الْخَلِیْفَۃُ بِالَّذِیْ مَجَّدَ — وَاَتَا الْمُؤمِنُ بَعْدَہٗ مَنْ یَّخْلُفُ

اگرچہ زمانۂ موجودہ میں یورپ نے جو درجہ دستوری حکومت کی بدولت حاصل کرلیا ہے اس کا یہ نتیجہ ہے کہ بادشاہ کا ماتم زیادہ تر اس کے ذاتی اوصاف وشمایل ہی کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن جو عالمگیر ماتم ہمارے شاہ محبوب کا ہو رہا ہے وہ اگر بیرونی دنیا میں اس لحاظ سے ہے کہ وہ ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی حکومت کے حکمراں تھے جنکی ذات بلحاظ اپنے اوصاف وشمایل کے برٹش گورنمنٹ کے لیے باعث تائید اور اہل ہند کے لیے عموماً سرمایہ نازش و افتخار اور مسلمانوں کیلیے خصوصاً ذریعہ مجد و علا تھی تو اسی کے ساتھ اور زیادہ ماتم اندرون قلمرو اس لحاظ سے بھی ہے کہ ایشیا کے وہ پہلے فرماں روا ہیں جن کے عہد حکومت میں رعایا نے حکومت دستوری کی برکتوں سے حظ اٹھایا جاپان میں بھی دور جدید عہد محبوبی شروع ہونے کے بعد ہی ہوا ہے پس اس لحاظ سے رعایا آصفیہ اپنے محبوب گم گشتہ کا جسقدر ماتم کرے بجا ہے۔ اگرچہ نواب مختار الملک کی دور وزارت کا بڑا حصہ عہد محبوبی میں ہی داخل ہے اور بلا شبہ انکی ترقیات و اصلاحات بھی ضمیمہ عہد محبوبی کے شمر نور ہیں لیکن چونکہ ان کیلیے ہم نے آیندہ مختار الملک مرحوم کی لایف علیحدہ لکھنے کا ارادہ کیا ہے اس لیے بالفعل ہم اس زمانہ ہی پر اتنا تذکرہ محدود رکھتے ہیں جب سے کہ زمام اختیارات اعلیحضرت طاب ثراہ نے اپنے ہاتھ میں لی۔

تذکرہ قلم بند کرتے ہوے تاریخ نویسی کے اس مسلمہ اصول کو پیش نظر رکھنا ضرور ہے کہ مورخ کو اس امر سے کوئی بحث نہ ہونی چاہیئے کہ ایسا ہوتا تو اچھا ہوتا کیونکہ واقعات

عالم کی زنجیر انسانی ہاتھوں میں نہیں ہے بلکہ وہ شئے جسکو ہم مشیت ایزدی سے تعبیر کرتے ہیں اس کو جدھر چاہے پھیرتی ہے۔ مورخ کا کام صرف یہ بتانا ہے کہ کیا ہوا۔

البتہ اس لحاظ سے کہ محض ماتم اور حسرت کرتے رہنے سے بجز اس کے کہ ہماری اس مردہ دلی کا اظہار ہو جو ہمارے صدیوں کے تنزل کا سبب وہی ہے اور کوئی سود مند نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا اور اگر ہم درحقیقت اُن زندہ اقوام کی طرح دنیا میں اپنی عظمت اور شان باقی رکھنا چاہیں جنکی تقلید ہم نے اس عہد محبوبی میں کی ہے اور اگر ہم اس دستوریا حکومت کی قدر کرتے ہیں جو شاہ محبوب نے ہم کو عطا کی ہے اور اگر ہم اسلام کی اس تعلیم پر کاربند ہوتے ہیں جس کا مکمل نمونہ اسلام کے نازک ترین موقع پر حضرت صدیق اکبر نے اس طرح ظاہر فرمایا تھا کہ گو پرندے ہم کو لے اڑیں لیکن جو کام شروع کر دیا گیا ہے وہ روکا نہیں جا سکتا ہم کو چاہیئے کہ اس دردمندی کی حالت میں راہ ترقی میں بے کھٹکے اور تیز رفتاری سے قدم آگے بڑھائیں بقول آزاد ع چلا رہی ہے ہمت مرداں چلے چلو

پس اس خیال کے لحاظ سے جو میری دردمند زندگی کا جزو لاینفک بن گیا ہے عہد محبوبی میں جو کچھ ہوا اوس کے بتانے کے ساتھ ہی ہم یہ بھی خدا پر بھروسہ رکھکر جتاتے جائینگے کہ عہد عثمانی کے ساتھ کیا کیا دل افزا امیدیں وابستہ ہیں۔

جلوس میمنت مانوس

چودھویں صدی ہجری شروع ہو رہی تھی جبکہ اعلیحضرت طاب ثراہ نے زمام خسرویانہ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی، ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ وہ تاریخی یادگار تاریخ ہے جبکہ اس عہد کی ابتدا ہوئی نئی صدی کے ساتھ ساتھ نیا دور حکومت شروع ہونے والا تھا اور قدرت نے اس کے لیے نئی باتیں بھی پیدا کر دی تھیں پرانا مدبر اعظم مختار الملک پرانی صدی کے پرانے ارمان لیے ہوئے تہ خاک ہو چکا تھا پرانی صورتیں سبھی جاری تھیں اُن صدی کیا تحفہ لائیگی کہ ایسی حالت میں نئی صدی کے ساتھ سب کچھ نیا ہو گیا۔ اس نئی صدی کے ساتھ ساتھ کئی اولیات یادگار رہینگے اول تو یہ کہ سلطنت آصفیہ کی تاریخ میں یہ اولین

دفعہ تھا کہ بادشاہ مسند نشین ہونے کے بعد دوبارہ بااختیار رہنے اس سے پہلے یہ صورت پیش ہی نہ آئی تھی دوسری اولیت یہ تھی کہ لارڈ رپن سب سے پہلے گورنر جنرل ہیں جنھوں نے ملک حیدرآباد پر قدم رکھا تیسری اولیت یہ کہ پہلا موقع تھا جبکہ کسی فرمانروائے آصفیہ کی مسند نشینی کے دربار میں گورنر جنرل حاضر رہے چوتھی اولیت یہ تھی کہ دربار بھی نئی وضع کا تھا جسمیں مغربی انداز نے قدیم مغلیہ انداز کی جائے لی۔ ہاتھیوں کے عوض بگھیاں۔ بیانڈ۔ کرسیان شاہی دربار میں یہ سب چیزیں نئی تھیں لباس طرز دربار مراسم بھی نئے تھے۔ گورنر جنرل کی ناصحانہ اسپیچ بھی نئی چیز تھی اور اس سراسر نصیحت آموز تقریر کا خاتمہ اس طور پر ہوا تھا کہ خدا کرے کہ آپ کی رعایا کی اولاد آج کے دن کو دکن کی تاریخ میں عمدہ زمانہ کا شروع روز لکھے (یہ بھی یادگار رہیگا کہ اس اسپیچ کا ترجمہ فارسی میں سنایا گیا جو گویا فارسی کیلیے دربار میں اخیر موقع تھا) لارڈ رپن کی یہ امید (جیسا کہ اعلیحضرت نے دربار جوبلی کے موقع پر ارشاد فرمایا) پوری ہوی اور اس دور جدید کی بنا اس دن قایم ہوی جسکی مختصر کیفیتیں ہم ذکر کرینگے۔

پہلی وزارت

اعلیحضرت نے اس روز نواب عماد السلطنت مرحوم کو مدار المہام مقرر فرمایا جنکی عمر اس وقت صرف بیس سال کی تھی اور درحقیقت اس سے زیادہ کم سن آج تک کوئی مدار المہام مقرر نہ ہوا یہ بھی ایک اولیت تھی نوجوان شاہ و وزیر نے ترقی کی راہ میں اس سرعت کے ساتھ قدم اٹھائے کہ نظر بد کا خوف ہونے لگا۔

کونسل آف اسٹیٹ

اس جوان دور میں دستور کی بنا پڑی نواب مختار الملک مرحوم نے اگرچہ مکمل اڈمنسٹریشن قایم کر دیا تھا لیکن درحقیقت دستور قایم نہ ہوا تھا بلکہ ایک حد تک شخصی حیثیت ہی برقرار تھی نوجوان شاہ و وزیر نے طے کر دیا کہ نئی صدی کے ساتھ دستور بھی داخل ہونا ضرور ہے جو بعد کی تمام ترقیات کا سرچشمہ ہے چنانچہ ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ کو پہلی دفعہ کونسل

کا اجلاس ہوا اور اعلیحضرت نے اس میں ارشاد فرمایا آج شاید حیدرآباد کی تاریخ میں یہ اول وقت ہے کہ یہاں کے امرا بالاتفاق رئیس وقت کے سامنے سرکاری کاموں میں مدد دینے کے واسطے جمع ہوئے ہیں میں سرکار اور رعایا دونوں کے حقوق کی یکساں حفاظت کرونگا۔"

قانونچہ مبارک

کونسل آف اسٹیٹ نے اگرچہ زیادہ خدمات مملکت انجام نہیں دئے اور مہاراجہ اسلطنتہ مرحوم کے بعد سر آسمانجاہ مرحوم کی وزارت میں اس کا وجود عدم مساوی ہوگیا لیکن بالآخر اعلیحضرت اقدس نے یہ تصفیہ فرمادیا کہ جب تک ایک کانسٹیٹوشنل لا مرتب ہو نظم سلطنت پوری طور پر دستوری نہیں ہوسکتا چنانچہ اس لحاظ سے قانونچہ مبارک مرتب فرمایا گیا اس کی تکمیل بذریعہ قواعد قانونچہ فرمائی گئی جس پر اس وقت نظم مملکت کا دارومدار ہے۔

کبنٹ کونسل

کونسل آف اسٹیٹ کو بہ تبدیل ہئیت کبنٹ کونسل کا لقب دیا گیا اور اسکو پوری قوت بخشی گئی اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس محترم کونسل نے حفاظت مہمات سلطنت میں کافی حصہ لیکر ہمیشہ کیلیے اپنے وجود کو ضروری ثابت کردیا ہے قواعد قانونچہ اور کبنٹ کونسل اعلیحضرت کے عہد کے دو اہم کارنامے ہیں جن میں اصول تمدن کی رو سے نہایت عمدہ مصلحتیں مرکوز رکھی گئی ہیں۔

عہد عثمانی میں امید ہے کہ یہ دونوں چیزیں اور زیادہ آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہونگی جو کچھ فروگزاشتیں قانونچہ مبارک کے بدفعات مرتب ہونے کی وجہ سے ہیں اون کو دور کرکے ایک مکمل قانونچہ مع قواعد مرتب کردیا جائیگا تاکہ وہ علی الدوام بطور دستور العمل سلطنت کام دیتا رہے۔

فرقہ امرا

متعدد وزارتوں اور رفتار زمانہ کے تجربہ سے اعلیحضرت نے اس اصول تمدن کو پیش نظر رکھی

طور سے دریافت فرمالیا تھا کہ ایک ہی شخص پر کل بار نہ ڈالا جائے جس سے خود اوس کو ایک طرف کسی کام میں بھی پوری توجہ کا موقع نہیں مل سکتا اور اس طرح کام خراب ہو جاتا ہے اور دوسری جہت سے دوسروں کے بیکار رہنے سے رفتہ رفتہ اون کی قابلیت کا مادہ بھی مفقود ہوتا جاتا ہے ہمارے گذشتہ تنزل کی بڑی وجہ یہ بھی تھی نواب شمس الملک مرحوم کے انتقال کے بعد اخبارات نے اس امر پر توجہ دلائی کہ چودھویں صدی کے شروع میں جسقدر قدیم نفیس تجربہ کار امرا مثل مہاراجہ نرندر پرشاد و نواب سر آسمانجاہ و سر خورشید جاہ و سر وقار الامرا وغیرہ موجود تھے آج ان کے نظائر طبقہ امرا میں نہیں ملتے اور اگر اب بھی اس انحطاط کی خبر نہ لیجائے اور موجودہ امرا کی قابلیت سے فایدہ اوٹھانے اور ان کو تجربہ کار بنانے کی کوشش نہ کیجائے تو چند ہی سالوں میں یہ عظیم الشان فرقہ امرا جو ہر ملک میں پشت و پناہ سلطنت ہے نظم سلطنت میں حصہ لینے کے کسی طرح قابل نہ رہیگا اور اس کے بعد کیا خدا نخواستہ اوس وقت بعض المہامی کے خدمات برٹش گورنمنٹ سے مستعار لینے کی ضرورت نہ ہوگی - ضرورت ہے کہ کبنٹ کونسل میں اور بھی امرا شریک کیے جائیں ورنہ آیندہ فرقہ امرا کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اور زیادہ خطرے درپیش ہونگے - اعلیحضرت نے بھی اس وصول کو تسلیم فرماکر نہ صرف معین المہامی فوج پر نواب خانخاناں بہادر کا تقرر فرمایا بلکہ کبنٹ کونسل میں زاید رکن کی ضرورت تسلیم فرماکر نواب مظفر جنگ بہادر کا انتخاب فرمایا گیا اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر کی توجہ سے جو خود بھی اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ہیں امید ہے کہ فرقہ امرا قابلیت حاصل کرکے اپنے آپ کو پشت و پناہ سلطنت ثابت کریگا -

مجلس وضع قوانین

یہ مجلس بھی خاص اعلیحضرت کے عہد محبوبی کی مبارک یادگار ہے جسکی بدولت رعایا کو کانسٹیٹیوشنل گورنمنٹ کا حق عطا فرمایا گیا ہے جن اشخاص نے بلاد متمدنہ کی تاریخ پڑھی ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حق کس قدر مشکلات اور قربانیوں کے بعد رعایا کو حاصل ہوا ہے - لیکن اعلیحضرت نے سلطنت آصفیہ کے قدیم اصول کے لحاظ سے جسکی رو سے سرکار اور

رعایاے آصفیہ دونوں کا مطمح نظر ایک رہتے خود رعایا کو یہ محترم حق عطا فرمایا جسکی قدر کرنی ہمارا فرض ہے مجلس کے افتتاح کے وقت نواب سر وقار الامرا مرحوم مدار المہام وقت نے نہایت درست بیان کیا تھا کہ کیسی بڑی قدرتی نعمت محبوب فرماں روا نے اپنی پیاری رعایا کو عطا فرمائی ہے مجلس وضع قوانین نے اس وقت تک جو کام کیا ہے وہ قابل اطمینان ہے۔

گذشتہ سال سے اخبارات میں یہ تحریک ہو رہی ہے کہ اب وقت آگیا ہے۔ جبکہ اس مبارک اور معزز مجلس کا دائرہ اثر وسیع کیا جائے اور ارکان کو سوال کا حق دیا جائے۔ اور انتخاب زیادہ عمومیت کے ساتھ ہو کیونکہ محض یہی ایک طریقہ ہے جس سے نظم مملکت کی مختلف خرابیاں آسانی کے ساتھ رفع ہو سکتی ہیں اور انتظام مکمل حالت میں آجائیگا عہد عثمانی میں امید ہے کہ یہ تحریک بار آور ہوگی اور وہ اپنے محبوب باپ کے لگائے ہوے پودے کو ایک تناور درخت کی شکل میں لے آئینگے۔

فینانس

دستور کی اہم برکتوں کے ساتھ تمام دوسرے سررشتوں میں بھی ترقی کا قدم آگے بڑھتا ہی گیا اس وقت ہم ایک سرسری نظر ڈالیں گے عہد محبوبی کے پہلے صرف ایک دیسی صدر محاسب تمام فینانس کے ذمہ دار ہوتے تھے مداخل مخارج کا حساب مرتب ہوا کرتا اور اس اصول کو تسلیم کیا جاتا رہا کہ پس انداز خزانہ میں محفوظ رہنی چاہیے اور اس لحاظ سے نواب مختار الملک کی فینانشل کامیابی مسلم تھی۔ عہد محبوبی میں سب سے پہلے جو جدید انتظام ہوا اس میں معتمد پولیٹیکل و فینانس کا عہدہ قایم ہوا اور نواب محسن الملک بہادر اس کے پہلے معتمد قرار دئے گیے موازنہ کا دستور قایم ہوا اور نواب محسن الملک مرحوم نے اس کو اس کے ابتدائی مراحل میں کامیابی کے ساتھ قایم کیا۔ فینانس کی آخری ترقی مسٹر واکر کے بجٹ نوٹ سے ظاہر ہو سکتی ہے جو عموماً اخبارات میں شایع ہو چکا ہے اگرچہ بہ نسبت زمانہ نواب مختار الملک کے اس صیغہ میں برٹش افسروں کے خدمات مستعار لینے کی ضرورت ہوی ہے لیکن امید ہے کہ آیندہ ہم اپنے فینانس کی خود نگرانی کر سکیں گے رصدخانہ کی

شاندار عمارت۔ دارالضرب کی وسیع شہری بجلی کی روشنی اس عہد میں حیدرآباد میں نظر آنے لگی ہے۔

سکہ

اعلیحضرت ہی کے دور میں سکہ محبوبیہ کی صورت پبلک کو نظر آئی غدر کے زمانہ تک قدیم سکہ جاری تھا بعد غدر خود برٹش گورنمنٹ کی تحریک پر بعہد اعلیحضرت افضل الدولہ مرحوم سکہ بدلا لیکن وہی وضع برقرار رہی۔ اعلیحضرت طاب ثراہ کے عہد میمنت مہد میں نہایت بیش قرار رقم کے صرفہ سے مشن کا بنا ہوا سکہ محبوبیہ مشتاق نگاہوں کے لیے جلوہ افروز بنا اگرچہ اس کثیر مصارف اور اکسچینج کی دقتوں کو دیکھ کر بار ہا اخباروں میں اس کے متعلق بحث ہوی لیکن اعلیحضرت طاب ثراہ نے ہر وقت یہی اصول مدنظر رکھا کہ سلطنت کے لیے اس کی خاص علامت کی بقا لازمی ہے اور اپنا یہ فرض تصور فرمایا کہ جو اختیارات شاہی ورثتاً حاصل ہوے ہیں وہ حضرت کے جانشینوں کے لیے کلیتاً بحال و باقی رہیں۔ اس لحاظ سے بفضلہ امید ہے کہ سکہ محبوبیہ بطور یادگار حضرت تاقیام ریاست ابد مدت باقی رہیگا اور اس کے رواج کے جو موانع مسٹر واکر نے بیان کیئے ہیں۔ ان کے دفعیہ کی فوری تدابیر سرکار آصفیہ کی طرف سے عمل میں لائی جائنگی جو تمام رعایا آصفیہ کی متحدہ خواہش ہے۔

مالگذاری

عہد محبوبی کی ابتدا میں اس صیغہ کا انتظام بھی غیر یورپین ہاتوں میں تھا اس ابتدائی دور میں مسٹر ڈنلاپ کے خدمات مستعار لیے گیے جو اب تک کارگذار ہیں اس سررشتہ کی روش کم و بیش نواب مختار الملک مرحوم کے اصول پر چلی آرہی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ مالگذاری نے اس عرصہ میں اس قدر ترقی نہیں کی جو کم از کم برار کی سابقہ و موجودہ مالگذاری کے لحاظ سے موزوں کہی جاسکے۔ اس سررشتہ میں تو قیر آمدنی کی بہت بڑی گنجائش موجود ہے اور اس کے ساتھ ہی ضرورت ہے کہ لائق عہدہ دار مہیا کیے جائیں جسکی طرف مسٹر واکر نے بھی توجہ دلائی ہے امید ہے کہ لائق عہدہ داروں کے پیدا کرنے کیلیے آیندہ

عہد میں خاص طور سے انتظام کیا جائیگا۔ عہد محبوبی میں جدید ضلع بندی ہوی قحط کے زمانہ میں آسایش رعایا کیلئے بے دریغ رقم صرف کیگئی۔

سررشتہ عدالت

اس سررشتہ میں سب سے اہم اصلاح جوڈیشل اور اگزیکٹیو اختیارات کی علیحدگی ہے نواب مختار الملک کے زمانہ میں مدار المہام انتظام ریاست کے ساتھ عدالت کے بھی اعلیٰ حاکم تھے لیکن اعلیحضرت نے حکام عدالت کی عظمت بڑھادی جوڈیشل کمیٹی کے تقرر سے گویا انتظامی اختیارات عدالتی اختیارات سے علیحدہ ہوگیے اعلیحضرت کو خاص توجہ تھی کہ عدالت کی وقعت اور قانون کی حکومت کا خیال قلمرو آصفیہ میں اسی طرح قایم رہنا چاہیئے جس طرح بلاد متمدنہ میں اعلیحضرت نے مثل بلاد متمدنہ کے شاہی اختیارات عدالتی کارروائی میں کسی موقع پر کام میں نہیں لائے۔ درحقیقت قانون اور عدالت کی جو عظمت اعلیحضرت نے ملک میں قایم فرمادی ہے اس کے احسان سے کبھی ملک عہدہ برا نہیں ہوسکتا یہ دوسری بات ہے کہ انتظام عدالت میں اس قسم کے اصلاحات کی ضرورت ہو جس سے انصاف زیادہ گراں نہ ہونے پائے جیسے آنریبل مولوی سید امیر علی صاحب نے اپنے بعض اہم مسائل ایک میں نہایت وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے لیکن یہ کام ہماری بساط سے باہر کا ہے اور امید ہے کہ آیندہ ان ہدایات پر کافی توجہ کی جائیگی۔

عدالت کے ساتھ ساتھ کوتوالی و محابس کا بھی انتظام ترقی پذیر ہے۔ صیغہ طبابت بھی ایک حد تک ترقی پذیر رہا زنانہ ہسپتال خاص طور پر یادگار رہیگا۔ اخبارات میں میڈیکل اسکول کی اس قسم کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جس سے اس کے فواید کم از کم اسی طرح جاری ہوسکیں جیسے نواب مختار الملک مرحوم کے زمانہ میں تھے امید ہے کہ آیندہ اس بارہ میں بھی توجہ مبذول ہوگی۔ سررشتہ طبابت یونانی بعہد سر آسمانجاہ مرحوم عہد محبوبی کا ایک مبارک جدید صیغہ قایم ہوا جسکی ملک نے بے انتہا قدر کی اللہ امید ہے کہ آیندہ اوس کو اور زیادہ مفید کرکے دونوں طبابتوں کو باہم قریب ملنے کا موقع دیا جائیگا۔

سررشتہ ٹپہ میں بھی رفتار ترقی مسلسل جاری رہی۔ سال گذشتہ منی آرڈر کا طریقہ جاری

کیا گیا۔ اگرچہ [illegible] سررشتہ ٹپہ کے [illegible] اصلاحات [illegible] ہوتے رہے [illegible] لیکن اعلیحضرت
نے سکہ کی طرح ٹپہ کی بھی حفاظت اپنا ضروری فرض تصور فرمایا۔ [illegible] انگریزی کے خطوط
کو سرکار عالی کے ٹپہ سے بلا معاوضہ تقسیم کرنے کا قاعدہ اعلیحضرت ہی نے جاری فرمایا جس
سے بے انتہا سہولت پیدا ہوگئی لیکن سرکار عالی کے علاقہ سے انگریزی علاقہ میں جانے والے خطوط
کو ابھی تک یہ سہولت نصیب نہیں ہوئی ہے۔ اگر برٹش انڈیا کے اخبارات اس مسئلہ پر کافی
بحث کریں تو قوی امید ہے کہ برٹش گورنمنٹ اس تحریک کو ضرور منظور کرلیگی۔ اگر یہ تحریک
طے ہوجائے تو پھر انگریزی ٹپہ خانجات کی ملک سرکار عالی میں کوئی ضرورت باقی نہیں رہیگی
انگریزی سررشتہ ٹپہ بھی بار سے بچیگا۔ اور ٹپہ سرکار عالی ہمیشہ کے لیے خطرہ سے محفوظ ہو جائیگا۔
دربار دہلی کی قربت کے لحاظ سے اگر اخبارات اس مسئلہ پر جو بالکل واجبی تحریک ہے سرکار
انگریزی کو توجہ دلائیں تو یقین ہے کہ اس میں کامیابی ہوگی۔

سررشتہ تعمیرات و آب پاشی کی رفتار بھی جاری ہے۔ ریلوے کا سلسلہ بڑھا یا گیا ہے اور
اکثر اضلاع میں واٹر ورکس کا کام انجام پایا۔

عام فایدہ کی غرض سے پہلے یتیم خانہ ورنگل میں قایم ہوا جو بعد سرور نگر کے وکٹوریا میموریل
آرفینج کی شاندار عمارت میں جو اعلیحضرت نے عطا فرمائی سالانہ صہ ہزار کے صرف سے قایم ہے
ابھی حال میں احمد محلہ میں بیت المعذورین قایم کیا گیا ہے اور جو اسکیم انسداد گدا گری
و قیام محتاج خانہ کی شایع کیگئی۔ اس سے پبلک کو قوی امید ہے کہ اس کام کو ایسی عملی شکل
دیجائیگی جس سے اسکے مجوزہ فوائد دلخواہ طور پر حاصل ہو سکیں۔

سررشتہ امور مذہبی میں حال میں ایک ایسی اصلاح کی بنا ڈالی گئی ہے جو اگر کامیاب
ہوجائے تو عام مسلمانوں کی اصلاح میں اس سے بہت بڑی مدد ملیگی۔ یعنے اہل خدمات شرعیہ
قاضی وغیرہ جنکو قدیم سے وراثتاً معاش جاری ہے اور جو اپنے خدمات کے فرایض سے
دن بدن نابلد ہوتے جارہے ہیں ان پر مدرسہ نظامیہ کی تعلیم لازمی قرار دیگئی ہے اور
دوسرے اہل خدمات پر امتحان مقرر کیا گیا ہے عہد عثمانی میں اس اصلاح کے عملی طور پر
کامیاب ہونے کی قوی توقع کیجاتی ہے۔ یہاں تک ہم نے ان سررشتوں کا ذکر کیا ہے

جن کا تعلق راست سرکار سے اندرون قلمرو ہے لیکن اعلیحضرت کی فیاضی صرف اندرون ملک محدود نہ تھی بلکہ بیرون ملک میں بھی اس کے فواید عام تھے ابھی حال میں لندن کی مسجد کی تعمیر اور مدرسہ میوری کی صحت گاہ میں بیش قرار چندے مرحمت فرمائے گیے۔ علیگڈہ کالج کی امداد عام طور پر مسلم ہے۔

سررشتہ تعلیم

ایڈمنسٹریشن کے سب صیغوں پر بحث ہو چکی ہے لیکن سب سے اہم صیغہ تعلیمات جو گویا ملک کی زندگی کا سرچشمہ ہے ہم نے اس کو سب کے آخر میں ذکر کرنا مناسب سمجھا اعلیحضرت شاہ محبوب کو تعلیم سے جو دلچسپی تھی اس کا اظہار نہ صرف مختلف اسپیچوں میں فرمایا ہے بلکہ اکثر فرامین مبارک میں بھی نہایت صراحت کے ساتھ ارشاد ہوا کہ تعلیم کیلیے روپیہ صرف کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہونی چاہیئے۔ سب سے زیادہ ثبوت تعلیم سے دلچسپی رہنے کا اعلیحضرت میر عثمان علی خاں بہادر کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ مبذول فرمانے سے ملسکتا ہے بہرکیف اسمیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اعلیحضرت حامی تعلیم تھے اور جیسا بارہا ارشاد فرمایا آپ کی دلی خواہش اور تمنا تھی کہ ابنار وطن ملک و سلطنت کیلیے شایستہ ارکان اور عمدہ زیور ثابت ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ سررشتہ تعلیم نے اس مبارک دور میں جو نتایج پیدا کیے وہ کہاں تک قابل اطمینان ہیں اگرچہ اس عرصہ میں زمام تعلیم ایک ایسے نامور فرد فرید کے ہاتھ میں رہی جنکی اعلی علمی اوصاف اور قومی اسپرٹ مشہور زمانہ رہی ہے اور بہ ظاہر ترقی کن رپورٹیں پبلک کے روبرو پیش ہوتی رہی ہیں لیکن نظر انصاف سے دیکھا جائے تو ثابت ہوگا کہ باوجود ہر قسم کے وسایل ترقی کی [illegible] افزایش اخراجات کے نتیجہ تعلیم پیش قدمانہ نواب مختار الملک کے ترقی معکوس کی خبر دیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مدارس کے طلبا کی تعداد زیادہ ہوگئی لیکن یہ زیادتی قابل تعریف نہیں کہی جا سکتی جب کہ یہ دیکھا جائے کہ زندہ دلی کی وہ اسپرٹ جو تعلیم سے مطلوب ہے [illegible] ہوگئی اور ہوتی جارہی ہے ہماری تازگی کا کوئی نشان نہیں ملتا معاشرت اور تمدن کی [illegible] بہ تنزل حالت ہے وہ محبان وطن سے چھپی ہوئی نہیں ہر علمی

چمن دن بدن سوکھتے ہی چلے جا رہے ہیں اگر کسی لائین میں کوئی ترقی بھی ہوئی ہے تو وہ اس قدر آہستگی کے ساتھ ہے کہ اس کا اوسط اس رفتار تنزل کا مقابلہ نہیں ہو سکتا جو بدقسمتی سے درحقیقت بیاری ہے قحط الرجال کا خوفناک اثر ہم میں عام جاری ہے جب کسی طبقہ سے کوئی نامور فرد اٹھ جاتا ہے تو اس کا جانشین نہیں ملتا۔ اس تمام زبون حالت کی اصلاح صرف تعلیم میں منحصر ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ اس عہد جدید کی شروع ہونے کے بعد ہی جاپان نے پردۂ گمنامی سے سر نکالکر کس آن بان کے ساتھ اپنے آپ کو دول متمدنہ کی اعلیٰ ترین صف میں داخل کر لیا جس کا تمام راز صرف تعلیم میں منحصر ہے۔ ہماری مردہ دلی کی دلیل اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ محبوب ٹاؤن ہال ناتمام حالت میں پڑا ہوا ہے جس شہر میں ٹاؤن ہال کی تکمیل میں ایسی تعویق ہو گیا اس کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ شہر ابھی ٹاؤن ہال کے قابل ہی نہیں ہوا حالانکہ رعایائے حیدرآباد نے جشن ہائے سالگرہ وغیرہ میں جس سیر چشمی کے ساتھ چندہ دیا اس کے لحاظ سے ٹاؤن ہال کی تکمیل کوئی غیر معمولی بات نہ تھی لیکن صرف کام کرنے والوں کے موجود نہ ہونے سے یہ ناتمام عمارت محبان وطن کو حسرت و اندوہ کے گرداب میں مبتلا کرتی ہے۔ پس جبکہ یہ مسلم ہے کہ زندگی کی اسپرٹ صرف تعلیم سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس کے لیے ایک طرف مسلم یونیورسٹی اور دوسری طرف ایریبل گوکھلے کا مسودہ قانون تعلیم جبری برٹش انڈیا میں عام جوش کا مرکز بن رہے ہیں۔

تو یقین ہے کہ اعلیٰحضرت میر عثمان علیخاں بہادر اس سوال سے گہری دلچسپی لینگے کیونکہ سررشتہ تعلیم حیدرآباد فی الواقع زندگی کی اسپرٹ پیدا کرنے میں کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ دراصل مسلم یونیورسٹی کی صدا اعلیٰحضرت طاب ثراہ کے ہی ابتدائی عہد میں حیدرآباد سے ہی بلند ہوئی تھی ایک عظیم الشان جلسہ میں اسکی اسکیم مرتب ہوئی جسکی یاد صرف پرانے اخبارات کے فائل میں زندہ ہے یقین ہے کہ عہد عثمانی میں تعلیم کے متعلق ایسی گہری اور موثر دلچسپی لیجائیگی جس سے گذشتہ فروگذاشتوں کی تلافی ہو کر حیدرآباد جاپان بن جائیگا۔

آمین آمین لا ارضی بواحدۃ حتی اضیف الیہ الف آمینا

راقم
نیاز زردمند

شاہ محبوب کا مرثیہ

نثر میں

"۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کا منحوس منگل - ماتم محبوب میں گذرا تھا - تمام دن الم ناک" "وہاں فرسا نظارے دیکھتے - دلخراش نوحے اور صبر آزما مرثیے سنتے - آہ وزاری کرتے اور نالے" "بھرتے بسر ہوا تھا - شام کو تھکے ماندے گھر آئے - تو کسی پہلو چین اور کسی صورت قرار نہ" "آتا تھا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سینہ میں دل یا دل میں اطمینان نہیں ہے - سر میں دماغ" "یا دماغ میں سکون نہیں ہے - جسم میں جان یا جان میں تاب و تواں نہیں ہے" "ایسی حالت میں خیال آیا کہ شاہ محبوب کا مرثیہ لکھنے کے سوا اس وقت کوئی کام بن" "نہ آیگا - پس کاغذ قلم لیکے بیٹھ گیے - اور اوس وقت جو خیالات دماغ میں آئے" "حوالہ قلم کرتے گئے - اس رات کے بعد اب تک پھر اس مرثیہ میں کچھ بڑھانے گھٹانے" "کی نوبت نہ آئی - نہ طبیعت ہی قابو میں آئی - ناچار ناتمام مرثیہ حوالہ صفحات صحیفہ" "کیا جاتا ہے - کہ اس کا ناتمام ہی شایع ہونا مناسب اور غم محبوب کی انتہا نہ ہونے کا" "ثبوت ہے فقط" اڈیٹر

لمن الملک الیوم

للہ الواحد القہار

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک

ذو الجلال والاکرام

دردِ ما را نیست درمان الغیاث رنج ما را نیست پایاں الغیاث

کس منہ سے کہا جائے - کس قلم سے لکھا جائے - کس عنوان سے بیان کیا جائے - ہائے ہائے - پھر ہائے ہائے - پھر ہائے ہائے - ہمارا عروس البلاد اجڑ گیا - ہمارا باغ دکن بگڑ گیا -

ہماری زندگانی کی دھوپ ڈھل گئی۔ ہماری جوانی کی چاندنی بڑھاپے کے اندھیرے سے بدل گئی ہماری بوستان بے خزاں کی بہار باقی رہی۔ ہمارے حسن و جمال کی سنوار جاتی رہی۔ کوئی جنگل اندر اندھیرے میں لٹتا ہے۔ ہم شہر اور اوجالے میں لٹ گئے۔ کوئی بیماری یا بلا یا قحط و طاعون و زلزلہ سے پٹتا ہے۔ ہم عین خوشحالی و بیفکری و صحت و توانائی میں دست مفاجات سے پٹ گئے۔

ہمارا تخت و افسر بے سر ہو گیا۔ ہمارا سر بے تخت و افسر ہو گیا۔ ہماری خوشی مر گئی۔ ہمارا چین چھن گیا۔ ہمارا آرام گزر گیا۔ ہم زندہ تو ہیں مگر مردوں سے بدتر۔ ہم حرکت تو کر رہے ہیں مگر حرکت مذبوحی۔ ہم دیکھتے تو ہیں مگر دکھائی نہیں دیتا۔ ہم سنتے تو ہیں مگر سجھائی نہیں دیتا۔ ہم رونا چاہتے ہیں مگر آنسو خشک ہو گئے ہیں ہم چیخنا چاہتے ہیں مگر گلا بیٹھا جا رہا ہے۔ ہم چلنا چاہتے ہیں مگر زمین قدم پکڑے لیتی ہے۔ ہم بیٹھنا چاہتے ہیں مگر دم اکھڑا جا رہا ہے آخر ہم سوچتے ہیں کہ کس حال میں ہیں اور ہم پر کیا گزر رہی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ قدرت ہماری طبیعت کے ساتھ کیا کر رہی ہے۔

اُف اُف آہ آہ اوہ اوہ۔ قلم میں طاقت نہیں کہ زبان کھولے۔ زبان میں یارا نہیں کہ بیان کرے۔ بیان میں صفائی نہیں کہ بات سمجھائے۔ بات خود ایسی نہیں کہ سمجھ میں آئے۔

عقل اگرچہ دراک ہے مگر اس وقت غیر مدرک ہو گئی۔ ادراک اگرچہ موجود ہے مگر اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ کان سنتے ہیں مگر دل کو یقین نہیں آتا۔ دل ٹھکانے کہاں ہے جو سنتا اور سمجھتا دماغ مختل ہو گئے۔ اعضا شل ہو گئے۔ سر چکرا گیا۔ دل گھبرا گیا۔ بدن کانپ رہا ہے۔ رُواں رُواں لرز رہا ہے۔ ہاتھ پانوں میں سنسنی پڑ گئی ہے۔ بوٹی بوٹی پھڑ پھڑا رہی ہے۔ پہلو میں دل کی سی دھڑک رہی ہے۔ سینہ میں غم کی آگ بھڑک رہی ہے۔ آہ کھینچتے ہیں دھواں نکلتا ہے مونہ کھولتے ہیں شعلے بلند ہوتے ہیں۔ کام کاج ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ امیدوں کا سہارا ٹوٹ گیا۔ قسمت بگڑ گئی۔ مقدر پھوٹ گیا۔ ایک دوسرے کا مونہ دیکھتے ہیں اور آنسو کے گھونٹ پیتے ہیں۔ کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں سکتے۔ کہنے والا کچھ کہتا ہے تو سننے والا ہکا بکا رہ جاتا ہے۔

لوگو بتاؤ! صاحبو خدا کیلیے بولو! دکانیں کیوں بند ہو رہی ہیں؟ کچہریاں کیوں برخاست کر رہی ہیں؟ لوگ بدحواس وسراسیمہ کیوں بھاگے جارہے ہیں؟ سڑکوں پر دور تک ٹھٹ کے ٹھٹ کیوں جمے ہوے ہیں؟ گاڑی گھوڑے، بگیاں، موٹریں، کیوں دوڑ رہی ہیں؟ شاہی گاڑیاں پرانی حویلی سے فلک نما کو کیوں بھاگ رہی ہیں۔ امرائے ملک شاہزادے و ولیعہد نواب میر عثمان علیخان بہادر کو اپنے حلقہ میں لیکر چومحلہ کو کیوں روانہ ہوے ہیں۔ فقیروں کی جماعتیں چوبداروں کی ٹکڑیاں، شاگرد پیشوں کے غول، روتے پیٹتے چیختے چلاتے، خاک اڑاتے ہاتھ ملتے، کہاں جارہے ہیں؟ ہائے محبوب ہائے محبوب کے نعرے کیوں بلند ہیں۔ خلایق کی آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہیں؟ محلات کی گریہ وزاری آسمان تک کیوں پہونچی ہوی ہے۔ ایوان شاہی کے دروازے کیوں بند ہوگئے ہیں؟ اور دربان ودربار پر انبوہ در انبوہ خلایق کیوں کھڑی سر پیٹ رہی ہے؟

دنیا میں کوئی کسی کے لیے نہیں روتا۔ کوئی کسی کے لیے سر نہیں پیٹتا۔ کوئی کسی کیلیے خاک نہیں اڑاتا کوئی کسی کیلیے گریبان نہیں پھاڑتا۔ کوئی کسی کیلیے مونہہ نہیں نوچتا۔ الغرض کوئی کسی کیلیے دیوانہ نہیں بن جاتا۔ پس اس قدر ان گنت خلایق کا اپنے اپنے کاروبار بند کردینا۔ گھروں سے نکل کے ایوان شاہی کے گرد صدقے ہونا۔ رونا بسورنا۔ چیخنا چلانا۔ آنسو بہانا۔ آہیں بھرنا۔ کپڑے پھاڑنا۔ آپے سے باہر ہوجانا بے سبب نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ اون کا سب سے بڑا سرپرست۔ اُن کا سب سے بڑا غمخوار۔ اون کا سب سے بڑا حامی۔ اُن کا سب سے بڑا ادالی۔ اون کا سب سے بڑا وسیلہ۔ اون کا سب سے بڑا ذریعہ۔ اون کا پالنے والا۔ اون کا کھلانے پلانے والا۔ اون کا ناز سہنے والا۔ ان کا دکھ درد بانٹ لینے والا۔ اُن کا ملجا وماوا۔ اون کا مالک ومولی۔ دنیا سے ہائے دنیا سے ہمارے سدھار چکا ہے اور یہ سب لوگ اس کی بخششوں اور نوازشوں اور شفقتوں اور عنایتوں سے ہمیشہ کیلیے محروم وبدنصیب ہوچکے ہیں۔

ہائے ہمارے محبوب! محبوب ترین محبوب! محبوبوں کے محبوب! تو نہیں مرا سخاوت مرگئی۔ شجاعت مرگئی۔ ہیبت ومتانت مرگئی۔ عزت ودولت مرگئی۔ جاہ وجلال گیا۔

شان و تمکنت مرگئی۔ وقار و اعتبار مرگیا۔ ابہت و جلالت مرگئی۔ امن و امان مرگیا۔ صحت و عافیت مرگئی۔ بے فکری و خوشحالی مرگئی۔ صلاحیت و فلاحیت مرگئی۔ آرام و آسایش مرگئی۔ کامرانی و رفاہیت مرگئی۔ سکون و اطمینان مرگیا۔ فرحانی و راحت مرگئی۔ الغرض جتنی میسر حاصل جتنی دولتیں نصیب اور جتنی نعمتیں میسر تھیں سب مرگئیں۔

اب تیرے بعد کون اشرفیوں کا مینہ برسائیگا؟ کون سونے چاندی کی نہریں بہائیگا؟ کون نعمتوں کی دیگیں لٹائیگا؟ کون خلعت و کمخواب پہنائیگا؟ کون حاتم کی قبر پر لات ماریگا۔ کون پھر زمانہ کا اکبر اور جہانگیر اور شاہجہان اور عالمگیر کہلائیگا۔

مولود خوانوں کی جماعتیں تجھے یاد کرکے چلائینگی۔ ناچ رنگ تالے تیری سوہنی الاپینگے۔ فقیر۔ مشایخ۔ سادھو۔ گوسائیں۔ پادری۔ موبد تجھپر آنسو بہائینگے۔ تیرے نوکر چاکر حشم خدم۔ علم بردار۔ چوبدار۔ تیرے لیے داغ برسینہ رہینگے۔ بیوائیں۔ اندھے۔ لنگڑے۔ زندہ درگور ہوجائینگے۔ سوسائیاں۔ انجمنیں۔ کلب۔ مدرسے۔ شفاخانے۔ خیرات خانے تیرا سوگ منائینگے۔ الحاصل کوئی طبقہ ایسا ہوگا جو تیرا ماتم نہ کریگا۔

ای موت! ای سخت موت! ای قہر خدا موت! ای ظالم جفا موت! تو کتنی خونخوار کتنی سنگدل ہے۔ تو کتنی جلاد کتنی جابر ہے۔ تو کتنی خوفناک کتنی موذی ہے تو کتنی بیباک کتنی تکلیف دہ ہے

کیسا ہیبت ناک ہے ہر کام تیرا ای اجل — کسقدر بدنام دیکھا نام تیرا ای اجل

تونے کیسی مصیبت ڈھائی۔ کیا قیامت اٹھائی۔ دیکھ تو سہی یہ وہی دلعزیز۔ فیاض۔ باقبال۔ شجیع کوہ وقار بردبار بادشاہ تھا۔ جو کل تک دنیا بھر کے بیکسوں کا ملجا بے بسوں کا ماوا بیچاروں کا چارہ کہلاتا تھا۔ آج وہی تیرے ظلم و جفا سے خود اس قدر بیکس اور بے بس اور بیچارہ ہے کہ اپنی غریب رعایا کے کفن دفن کا محتاج ہے۔ کل تک اسکی ایک نگاہ غلط انداز کسی پر پڑجاتی تھی تو اوسکو فرش خاک سے اٹھاکر اوج سماک تک پہونچا دیتی تھی۔ آج تونے اسکو ایسا گرایا ہے کہ اب وہ کبھی نہ اٹھیگا۔ کل تک اوس کے نام کی دُہائی دنیا بھر کے مارگزیدوں کو جلا دیتی تھی آج تونے اس کو ایسا کاٹا ہے کہ اب کسی کی دہائی اسکو قیامت تک نہ اٹھا سکیگی۔ کل تک اسکی عملداری اور حکمرانی کے حدود کوسوں اور منزلوں تک پھیلے ہوئے تھے آج تونے اوسکو ایسا سمیٹا ہے کہ قبر کی تنگ و تاریک چاردیواری میں بند کر دیا ہے۔ کل تک اوسکی شمع ہستی کاشانۂ دولت و اقبال کی جلوہ افروز تھی۔ آج تونے اوسکو ایسا بجھایا ہے کہ خلایق کے دل سے دھواں

نکل رہا ہے کہ آج تک اسکی گالی لوگوں کیلیے فخر تھی اور اسکا ایک حرف رعایا کیلیے ہفتاد پشت کا سرمایہ سعادت
آج تو نے اس پر ایسا منتر پڑھا ہے کہ سب اس کیلیے دعا کر رہے ہیں۔ کل تک لوگ اس سے بہرے بندھوایا
کرتے تھے آج تو نے اُسے ایسا باندھا ہے کہ لوگ اس کے جنازے پر پھول چڑھا رہے ہیں کل تک اسکی یہ حالت
تھی کہ اگر کسی کو مارا بھی تو ایسا کہ عمر بھر تک نہیں کہلاتا رہا آج تو نے اس کو ایسا مارا ہے کہ اب نہ کسی کو کچھ
نہیں کہلا سکتا نہ کوئی اسکو کچھ کہلا سکتا ہے۔

موت اے بے تمیز موت بے حیا موت! ایسے رحم مجسم ایسے فیض عمیم ایسے سرچشمہ نعم کو مارتے وقت تجھ
اور اب ہم اور لاکھوں غریبوں کی آہ نیم شبی سے بھی نہ ڈری جنکا اس کے بعد کوئی وسیلہ اور سہارا نہ رہا اور جو خود کہیں کے نہ رہے
موت او ستم پیشہ ظالم موت ایسے رحم مجسم بادشاہ کی جان کے عوض تو ہم میں سے ایک دو نہیں دس بیس نہیں
ہزار پانچ سو لے لیتی تو ہم اف تک نہ کرتے بلکہ ہم تیرا شکریہ بھیجتے ہم تجھے ہر طرح کی رشوت دیتے ہم تجھ کو منانے
سمجھاتے ہم تیری بھینٹ چڑھانے کیلیے دنیا کی ہر چیز مہیا کر دیتے۔ مگر افسوس تجھے ہم پر رحم نہ آنا تھا نہ آیا اور
جو کچھ کر گذرنا تھا کر گذری۔

ہائے ہمارا محبوب بادشاہ ہم سے روٹھ گیا کیونکہ ہم نے جیتے جی اسکی کچھ قدر نہ کی اسکی دی ہوئی نعمتوں کا
شکریہ نہیں سمجھا اسکی جاں فشانیوں اور شفقتوں کی جو قدر ہونی چاہیے نہیں کی۔ اسکی برکتوں اور رحمتوں کو دل میں جگہ نہیں دی
اور جب تک سایہ فگن رہے تب تک اس کے سایہ کو سایہ ہما نہ سمجھا۔ اب ہم کو اسکی برکتیں اسکی نعمتیں اسکی رحمتیں یاد آتی
ہیں اور آنسو بہا بہا کر رو دیا کرتی ہیں کہ آہ ہر شے کی قدر بعد زوال۔

آہ ہمارا محبوب ہمارا محبوب ہم سے روٹھ گیا اور ایسا روٹھا کہ اسکا رشتہ زندگی یک بیک
ٹوٹ گیا۔ اگر وہ بیمار رہتا۔ اگر اسکی علالت کا سلسلہ دراز کھنچتا۔ اگر اس کا علاج کچھ دن تک جاری رہتا تو
وہ یقینا نہ مرتا۔ اسکو ہم اور ہماری دلی دعائیں یقینا نہ مرنے دیتیں۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا اور نصف النہار
کی روشنی میں اس کا سایہ ڈھلا کر اندھیر مچانا ضرور تھا۔ ہائے

دیکھتے ہی دیکھتے اندھیر کیسا چھا گیا ‏‏ آفتاب فیض و رحمت یک بیک گہنا گیا

ہمارا محبوب بادشاہ ہم سے روٹھ گیا۔ اور ہمارے ہاتھوں سے اسکی برکتوں کا سلسلہ چھوٹ
گیا۔ محبوب کا کام اگرچہ روٹھنا ہے مگر ہمارا محبوب کبھی ہم سے نہ روٹھتا تھا اگر روٹھتا بھی تھا تو
اس شان سے کہ نوازش۔ عتاب کی ہمرکاب ہوتی تھی اور مہربانی۔ تکلیف کی ہم ردیف ہوتی تھی۔

آج وہ [illegible] ایسا روٹھا ہے کہ کسی کے منائے نہیں منیگا۔ اور کسی کے بنائے نہیں بنیگا۔ [illegible] نزدیک آ۔ بدبختی قریب ہو۔ بیکسی ہمارا ساتھ دے۔ مصیبت ہمارا ہات پکڑ۔ اب تم ہی ہماری دمساز و ہمراز ہو۔ اب تم ہی ہماری شفیق و رفیق ہو۔ اب تم ہو اور ہم میں [illegible] ہیں اور ہمارا خدا ہے۔ وہی ہم سب کا والی اور وہی ہمارا مولی ہے۔ اللہ بس ما باقی ہوس فقط اڈیٹر

نوحۂ تعزیت

اے دکن تیرے مقدر میں یہ ماتم الاماں
کیا قیامت ہے کہ ٹوٹا تجھ پہ غم کا آسماں

ہونہ کو آتا ہے کلیجا غم کا کیا اظہار ہو
دم نکل آتا ہے ہونٹوں پر بیاں ایسا بیاں

کھنچ گئی ہیں غم کی تصویریں در و دیوار پر
جس طرف دیکھو اُدھر غم کا سماں غم کا سماں

اس ملال جانگزا سے دل ہے عالم کا سیاہ
جو سویدا کا نشاں ہے وہ ہے ماتم کا نشاں

اے دکن کیونکر مٹے تیرے مقدر کا یہ درد
تیرے پہلے حرف سے ہے درد کا ظاہر نشاں

غم کی کوئی حد نہیں غم کا نہیں کوئی حساب
انتہا ہر چیز کی ہے انتہا اس کی کہاں

صبر رخصت ہو چکا اب جا چکے ہوش و حواس
غم نے کچھ ایسی خبر لی سب کے سب ہیں نیم جاں

مردنی چھائی ہوی افسردگی چھائی ہوی
یاس کا نقشہ کھنچا ہے جس طرف دیکھو وہاں

عرصۂ ہنگامۂ محشر دکن کی ہے زمیں
شورِ محشر ہے سوا شورِ عزا شورِ فغاں

گوشہ گوشہ شہر کا ہے چپہ چپہ شہر کا
غم کی منزل غم کا مسکن غم کا گھر غم کا مکاں

اشکِ خوں ہیں پی رہے ہیں کھا رہے ہیں غم پہ غم
روزہ داروں کیلیے دن رات دونوں یکساں

نقشۂ ماہِ عزا ہے نقشۂ ماہِ صیام
سب کے سر پر چل رہی ہے غم کی تیغِ خونفشاں

غم کے مارے مر رہے ہیں جینے والے ہائے ہائے
خضر سے رخصت نہ ہو جائے حیاتِ جاوداں

ہر طرف سامانِ غم ہے ہر طرف اسبابِ غم
اضطرابی آہ و زاری۔ گریہ بیتابی فغاں

کون وجہ برہمی ہے کون وجہِ انقلاب
آسماں ہے آسماں ہے آسماں ہے آسماں

قصرِ شاہی وہ جو عالم میں ہے ہمنامِ فلک
شانِ رفعت شانِ عظمت میں ہے ہم فلکِ آسماں

رنگ بدلا کچھ مزاجِ شاہ نے اس قیصر میں
کیا قیامت ہے کہ ٹوٹا آسماں پر آسماں

تھا مبارک نا مبارک ہو گیا وہ صیام
روزِ سہ شنبہ بھی کیا منحوس دن تھا الاماں

ملی ہو جس کا کشور کا نمونہ ہو گیا
سب کی آنکھوں میں کھنچا روزِ قیامت کا سماں

سایۂ ظلِ خدا عالم کے سر سے اٹھ گیا
اب کہاں آرام و راحت اب کہاں امن و اماں

ہو گئیں قربان روحیں عالمِ ارواح کی
عالمِ ارواح میں آصف ہوئے جب حکمراں

پہونچ گئی ناگہ عدم میں شاہ کی روحِ وجود
ورنہ وہ مطلق عدم تھا اسکی ہستی تھی کہاں

تاب شرحِ غم نہ اظہارِ الم کا حوصلہ
چاک ہے سینہ قلم کا [illegible] ہے ہر زباں

نعشِ شہ اٹھی ادھر اٹھا ادھر محشر کا شور
بن گیا صورِ قیامت خلق کا شورِ فغاں

شورِ محشر ہے بپا ہنگامہ ہے کہرام کا
نعش کیا نکلی کہ [illegible] کی نکلیں [illegible]

گنبدِ مسجد کا ہے کعبہ شاہِ آصف کا وجود
سنگِ مرقد سے عیاں [illegible]

رنجِ بیت الحزن کا نقشہ دکن میں کھنچ گیا
جلوہ فرما [illegible] صدق و صفا سے ہے یہاں

جلوہ گر روضہ میں ہیں کس بادشاہی ٹھاٹ سے
[illegible] رحمت ہے [illegible] کا ہر زماں

انجمن ہے انجمن آرا کا سایہ اٹھ گیا
الاماں اندھیر یہ گل ہے چراغِ گلستاں

یہ صدائے نالۂ عالم کی ہے پیہم صدا
ہو گیا جو سب سے جدا اب [illegible] کارواں

جانِ عالم ذات تھی رونق انھیں کے دم کو
بات بھی باقی نہیں ہے [illegible] تو ہے جہاں

غیرتِ باغِ جناں تھی رونقِ ملکِ دکن
باغباں کے دم قدم سے تھی بہارِ گلستاں

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند امروز حیف
ہو کا عالم ہے دکن کے میکدے میں الاماں

آصفِ رشکِ سلیماں ہی نہیں زیبِ سریر
تا ابد میں کیونکر نہ ہو گی تاسف کی زباں

آفتابِ سلطنت پر چھا گیا ابرِ زوال
خاک میں ہے ماہِ تابندہ حکومت کا نہاں

خاتمہ اخلاق کا اور خوبیوں کا ہو چکا
وہ مجسم خلق کی تصویر ہو کے ہیں نہاں

اب سخن کی بھی زمیں پر غم کا ٹوٹا ہے فلک
اس زمیں پر تھا بہت دشوار ذکرِ آسماں

محوِ غم فکرِ سخن کی طرح ہر شاعر ہے آج
اشکِ چشمِ تر کی صورت ہے طبیعت بھی رواں

نظم کی ہر بیت بھی بیت الحزن سے کم نہیں
گل ہوا صد حیف اس گھر کا چراغِ گلفشاں

دم قدم سے شاہِ آصف کے بھی تھا جوشِ سخن
زینتِ تاجِ سخن تھا بادشاہِ حکمراں

تھا سخن گوئی سخن سنجی کا شہ پر خاتمہ
اب کہاں ایسا سخنور اور ایسا قدرداں

شاہِ آصف جاہ کا ماتم وہ عالم گیر ہے
داغ جس دل میں نہ ہو وہ دل ہے سنگِ آستاں

ہے غمِ محبوب میں نالاں رعیت اس طرح
جیسے عاشق ہو غمِ محبوب میں نالہ کناں

جاں نثارِ شہ اراکینِ ریاست شاد کے
مبتلائے رنج و غم - محوِ الم - وقفِ فغاں

ماتمِ شہ میں وزیرِ شہ بہت ناشاد ہیں
آپ کے پیشِ نظر رنج و الم کا ہے سماں

شاہ کے ماتم میں فخر الملک بھی ہیں بیقرار
غمزدہ دل تعزیہ خانے کا ہے گویا نشاں

دیدۂ تر سے کبھی رستی جدا ہوتی نہیں
جاں نثار ایسے کہاں غمخوار ہیں ایسے کہاں

کوتوالی کے جگر میں صدر الصدور داغِ نہانی
دمبدم دل پر شہابِ رنج و غم اخگر فشاں

فوجِ غم کی عرصۂ دل میں صفیں استادہ ہیں
لشکرِ غم کے ہیں افسر افسر الملک الاماں

مضطرب آشفتہ حال افسردہ خاطر ہیں بہت
شہ کے غم میں ہیں سراسیمہ معین الدین خاں

رو رہے ہیں ابرِ باراں کی طرح سالار جنگ
غم کی بجلی گر پڑی ہے دل پہ اور ہے الاماں

شہ کے غم میں محوِ ماتم فوج کے صدر الصدور
جو ہیں غمخوارِ نظامِ سادس غفراں مکاں

ختم کیجے - نوحہ خوانی کب تک اے خواجہ وفا
تہنیت کا وقت ہے اب نغمہ سنجی کیجے ہاں

غم کی وہ کالی گھٹائیں دور کوسوں ہو گئیں
مہرِ تابانِ طرب پھر ہو گیا جلوہ کناں

شحنۂ ملکِ دکن نے دی نوید جاں فزا
قالبِ بیجاں میں سب کے آگئی پھر تازہ جاں

جشن از رقصِ طرب افزا ہے دورِ آسماں
آج ہے پیرِ کہن سالہ خوشی سے نوجواں

باقی آئندہ

محمد حبیب اللہ وفا نبیرۂ حضرتِ ذکا۔

شاہِ محبوب اور طاعون

تقریباً اٹھارہ سال ہوئے ہیں کہ ہندوستان کے کم و بیش تمام اقطاع میں طاعونِ ملعون اپنی تباہی اور بربادی بخش مصیبتیں پھیلائے ہوئے ہے اس عرصہ دراز میں اس

منحوس بیماری نے لاکھوں جانوں کا صفایا کر دیا۔ ہزارہا گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی سیکڑوں آبادیوں کو ویران و بے چراغ کر دیا۔ کروڑوں کے کاروبار پر پانی پھیر دیا اور مصیبت، پریشانی، خوف و ہراس، غربت، بیکسی، بربادی، بیدردی، کس مپرسی کی بلائیں گھر گھر پھیلا دیں۔ لطف یہ کہ ہر بیماری کا کچھ نہ کچھ علاج ہے۔ لکل داءٍ دواء لیکن اس زہریلے سانپ کے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ اس کا ڈسا ہوا کسی چارہ سازی سے بچتا ہی نہیں۔ اس کا چھوا ہوا پھر جیتا ہی نہیں۔

برٹش انڈیا کے اضلاع سے ہوتا ہوا یہ مرضِ لاعلاج اقطاعِ دکن میں بھی آ پہونچا۔ اورنگ آباد۔ پربھنی۔ گلبرگہ۔ رائچور و بیڑ وغیرہ میں بہت زور شور سے پھیلا اور آبادیوں کا ناس کر دیا۔ مگر غرہ رمضان ۱۳۲۹ھ تک حیدرآباد میں قدم نہ دھر سکا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ قہرِ خدا بحر الکاہل کے ایک جزیرہ سنگاپور سے جو چین کے قریب قریب ہے جہاز میں سوار ہو کے ہندوستان کے دروازہ (بمبئی) میں داخل ہوا اور وہاں سے پھر ہند کے گوشہ گوشہ میں پہونچ گیا۔

ایسی سریع السیر اور جہاں گشت بلا ہزاروں میل کاٹتی سمندروں کو پھاندتی جنگلوں کو طے کرتی ہوئی ہندوستان پہونچ جائے۔ اور برسوں حیدرآباد کے اردگرد منڈلاتی رہے پھر بھی حیدرآباد میں داخل نہ ہو سکے۔ تو یہ بات کرامت سے کم نہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں طاعون کے آنے کے ابتدائی زمانہ میں ڈاکٹر لاری ناظمِ وقت سررشتہ طبابتِ سرکارِ عالی نے بمبئی سے اس کے جراثیم (کیڑے) لا کے امتحان کیا تھا کہ وہ حیدرآباد میں زندہ رہتے اور پلتے بڑھتے ہیں یا نہیں۔ امتحان کے بعد معلوم ہوا تھا کہ حیدرآباد کی آب و ہوا جراثیمِ طاعون کی قاتل ہے اور یہاں یہ مرض نشو و نما نہیں پا سکتا۔

پہلی رمضان ۱۳۲۹ھ کو شاہِ محبوب کی طبیعت ناساز ہوئی اور کس قدر حیرت کی جگہ ہے کہ اُس تاریخ سے نامپلی حیدرآباد میں اس مرض سے تین چار آدمی بیمار ہوئے۔ ۴ رمضان کو شاہِ محبوب کا وصال ہوا۔ اور اس وقت سے بیماری نے اپنی پینگ بڑھائی اور شدہ شدہ اتنی پھیل گئی کہ روزانہ تین سو کے قریب اموات کی تعداد پہونچ گئی۔ حیدرآباد خالی ہو گیا

گرد و نواح کے جنگل پہاڑ آباد ہو گئے۔ شہر میں سناٹا چھا گیا۔ ماں کو بیٹی کی خبر نہیں۔ بیٹی کو ماں کا حال معلوم نہیں۔ اپنے بیگانے ہو گئے۔ اور بیگانے بعض بعض وقت اپنوں سے بڑھکر کام آئے۔ عزیز قریب اور رشتہ دار اپنے بیمار عزیزوں کو چھوڑ چھوڑ کے بھاگ نکلے۔ نفسی نفسی کا بازار گرم ہو گیا۔ کس مپرسی اور بیدردی کی بدلی چھا گئی۔ اموات کو بمشکل غسل و کفن نصیب ہوا۔ اور جنازہ کے ساتھ بعض وقت ایک بھی آدمی نہ دکھائی دیا۔ بلکہ نعشوں کو گاڑیوں میں ڈال ڈالکر ٹھکانے لگایا گیا۔ الغرض قیامتِ صغریٰ کا نمونہ پیش نظر ہو گیا۔

شاہِ محبوب کے مرتے ہی خلقِ خدا کے اس مصیبت میں پھنسنے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ خدا نے اپنے محبوب و برگزیدہ بندہ کی خاطر اُسکی زندگی بھر اوسکی رعایا کو اس بلا سے محفوظ رکھا تھا جب وہ خود دنیا سے گزر گیا تو اب اوسکی رعایا پر جو کچھ نہ گزرے کم ہے فقط

ایڈیٹر

المحبوب

دیباچہ

(۱)

اعلیٰحضرت غفران مکان نواب میر محبوب علیخاں طاب ثراہ و فی الجنۃ مثواہ۔ کی سوانح عمری قلمبند کرنا۔ صرف اس حیثیت سے ہی مجھ پر فرض نہیں ہے۔ کہ میں ریاستِ ابد مدتِ حیدرآباد کا ایک ادنیٰ نمکخوار ہوں اور اسی ریاست کی سرزمین (اورنگ آباد) پر پیدا ہوا۔ اسی ریاست کے آب و دانہ سے پلا بڑھا۔ اسی ریاست کے خرچ سے تعلیم پائی۔ یہیں کی آب و ہوا میں رہ کر اس قابل ہوا کہ اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات کو ابنائے ملک پر ظاہر کر سکوں۔ بلکہ میرے آبا و اجداد بھی اسی ریاست کے سایہ عاطفت میں پناہ گزیں تھے اور اون کی پشتہا پشت اسی ریاست کے امن و معدلت میں کٹی ہیں۔

اتنے گراں بہا احسانات کی یاد میں اگر مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکے۔ کہ اپنے محبوب

خلایق بادشاہ کی محبوبِ عالم زندگی کے محبوب ترین حالات کو قلمبند کروں اور یادِ جوزگی اہلِ قلم و اڈیٹرِ رسالہ ہونے کی مجھ سے اتنا بھی نہ بن پڑے کہ اپنے ممدوح کو ادائے حق کے جوہر و محسن کے کارنامے سنا سکوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب و کوتاہ عمل کون ہو سکتا ہے؟

شاہِ محبوب کی زندگی تک۔ اُس کی ایک ایک ادا اتنی پیاری اور دل لبھانے والی تھی۔ کہ اُس کے اشارۂ ابرو پر عالم کا دل سمٹ جاتا تھا اُس کی گردشِ چشم پر خدائی کھچی آتی تھی۔ اُس کی نشست و برخاست پر دنیا تہ و بالا ہوتی تھی اُس کی باتیں مصری کی ڈلیاں کہی جاتی تھیں۔ اُس کے شعر حافظہ پر نقش ہو جاتے تھے اُس کے الفاظ دل میں اتر جاتے تھے۔ اس کی حرکتیں مرحمتِ ایزدی کا مرادف سمجھی جاتی تھیں۔ اس کے مانند بود کے حالات سننے کو کان ترستے رہتے تھے اُس کا جمالِ جہاں آرا دیکھنے کو آنکھیں ترستی رہتی تھیں۔ اُس کے احکام سیاست و پالٹیکس کی جان متصور ہوتے تھے۔ اور اس کے ارشاد جانِ اذعانِ و نورِ ایمان خیال کیے جاتے تھے وہ سایۂ خدا تھا اور خلایق اُس کو آیۂ خدا سمجھتی تھی۔ الغرض وہ اتنا پیارا۔ اتنا مرغوب، اور اتنا محبوب تھا۔ کہ اپنے زمانہ کا محبوبِ خدا تھا۔ ایسے محبوب بادشاہ کے جدا ہونے کا قلق اس قابل تھا کہ موجودہ نسل اپنی عمر تک تو اس کے غم میں سینہ فگار و دل افسردہ رہتی۔ مگر انسان کی قابلِ افسوس غفلت شعاری کا برا ہو کہ ابھی شاہِ محبوب کو ہم سے جدا ہوئے پورا برس بھی نہیں گزرا ہے کہ ہم اوسے بھلا بیٹھے ہیں۔ اور روز بروز زیادہ بھلاتے جاتے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کو بھی یہ فکر نہیں پائی جاتی کہ کو ایسا سواد پیدا کر دے جس سے شاہِ محبوب کی یاد تازہ رہے۔

سنا جاتا ہے کہ "قدرِ ہر شئے بعد رفتن" مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقولہ صحیح نہیں ہے ورنہ ہم کم از کم شاہِ محبوب کی یاد تازہ رکھنے کی ضرور کوشش کرتے۔ اور اگر ممالکِ متمدنہ کی یادگار پرستی کو رہنما بنا کے کوئی فنڈ یا عمارت یا بت یا اور کوئی یادگار قائم نہ کرتے تو نہ کرتے۔ اتنا تو ہوتا کہ ممالکِ مشرقیہ کی طرح ہی اُس کو بھلا نہ دینے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ تلاش کرتے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج شاہ محبوب کو ہم سے دائمی لا انتہا مفارقت اختیار کیے پورے آٹھ مہینے گزر گئے ہیں۔ مگر اب تک کسی کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ بقدرِ امکان اُس کی سوانح عمری ہی مرتب کرتا۔ اور اُس کے سیاسی، اخلاقی، اور شاہانہ کارناموں کو دستبردِ زمانہ سے محفوظ رکھنے میں ساعی ہوتا۔

باوصف اس کے کہ ملک میں اہلِ قلم کی کمی نہیں ہے اور شاہِ محبوب کی عام علمی سرپرستی و معارف پروری نے گھر کے علاوہ باہر کے اہلِ قلم و اربابِ رقم کو بھی وابستۂ دولت بنا رکھا تھا تاہم کسی نے اوس کے حالات شایع کرنے کی طرف اعتنا نہ کی۔ اور یہ گراں مایہ فخر اِس خاکسارِ بے مقدار کی ہی قسمت میں آیا ــــــ برین فخر گر جان فشانم رواست

المحبوب کو لکھنے والے کے فرایض اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ شاہِ محبوب کے حالاتِ زندگی کے پہلے اُن کے بزرگ و واجب التعظیم اسلاف کے حالات بطورِ اجمالی سنا دئے جائیں اور اختصار کے حدود سے آگے نہ بڑھا جائے۔ مگر میں ان حدود سے عمداً تجاوز کرتا ہوں۔ اور گزشتہ فرمانروایانِ سلسلۂ آصفیہ کے حالات تا بحدِ امکان تفصیل سے لکھتا ہوں میں اِن حالات کے ضمن میں موجودہ نسل کو یہ دکھانے کی کوشش کرونگا کہ گزشتہ صدیوں میں ملک میں کیا کیا انقلاب واقع ہوئے پہلے وہ کس حالت میں تھا زمانہ کے ساتھ ساتھ کیا کیا تغیرات ہوتے گئے اور اب وہ کس حالت میں ہے۔ اُس کی تمدنی اقتصادی۔ و سیاسی حالت پہلے کیا تھی اب کیا ہے۔ صنعت و حرفت کے بازار کا پہلے کیا رنگ تھا۔ اب کیا ہے تعلیم و تعلم کا چرچا پہلے کتنا تھا۔ اب کیسا ہے۔ اخلاق و دینداری کا پاس و لحاظ پہلے کس درجہ تھا۔ اب کس قدر ہے۔ گزشتہ فرمانرواؤں نے اپنے زمانہ میں کیا کیا کام کیے۔ کن کن سے لڑے۔ کن کن سے ملے۔ اور ملک کے حفظ و استحکام کی بابت کیا کیا تدابیر عمل میں لائے۔ مختصر یہ کہ میں ان تمام باتوں کو تفصیل وار بیان کرنے سے یہ مقصد رکھتا ہوں کہ ملک والوں کو ملک و مالک کے حالات سے باخبر بنا دوں اور اپنی بساط کے مطابق ملکی تاریخ لکھکر اپنے فرض سے سبکدوش ہو

اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے جو اصحاب میرا ہاتھ بٹائینگے صرف مجھی کو اُن کا ممنونِ احسان نہ ہونا چاہیئے بلکہ ملک اور موجودہ نسل کو بھی اُن کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے فقط خاکسار محمد اکبر علی

المحبوب

سلسلۂ آصفیہ

خواجہ عابد خاں

(۱)

اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخاں غفران مکاں کی پانچ پشتوں میں ممالکِ محروسۂ دکن کی فرمانروائی چلی آرہی ہے۔ اس کے قبل دو پشتوں میں امارتِ مغلیہ کا ستارہ چمکتا رہا ہے اور اس کے پہلے کی پشتیں توران میں اپنے علم و فضل اور روحانیت کا سکہ چلاتی تھیں یہی وجہ ہے کہ حضرت غفران مکاں میں خصوصیاتِ شاہانہ کے علاوہ علم و فضل اور روحانیت کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے جن کا ذکر اپنے موقع پر کیا جائیگا۔

خاندانِ آصفیہ کا وہ ہیرو۔ جس نے سب سے پہلے سرزمین ہند پر قدم رکھا۔ **خواجہ عابد خاں** ہے یہ بزرگ ۱۰۳۰ھ میں سمرقند میں پیدا ہوئے ان کے والد ماجد حضرت **خواجہ شیخ عالم** جن کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے ہوتا ہوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہونچتا ہے۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور صاحبِ سلسلہ تھے۔ آپ کے علم و فضل کی یہ کیفیت تھی کہ شاہِ توران کے دربار سے "اعلم العلماء" کا خطاب عطا ہوا تھا۔ اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی سے سلسلۂ بیعت ملا تھا۔

رسالۂ **عوارف** اور **رشح النصائح** اور **اعلام القوی** وغیرہ آپ کی تصنیفیں ہیں۔

خواجہ عابد خاں آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے جو فارغ التحصیل ہونے کے بعد شہر بخارا سے وارد دہلی ہوئے اوس وقت ہندوستان میں شاہجہان کا دور دورہ تھا۔ اور سلطنتِ مغلیہ کی قدردانی کا آفتاب نصف النہار پہ پہونچا ہوا تھا۔ دنیا کے ہر ہر گوشے سے اصحابِ علم و فضل و ارباب فن و ہنر دہلی میں کھنچے آتے تھے۔ غالباً یہی کشش خواجہ عابد خاں کو بھی ہندوستان کھینچ لائی۔

معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ عابد خاں نہ صرف ایک مشائخ زادے اور فارغ التحصیل مولوی ہی تھے۔ بلکہ فنِ سپہ گری و جنگ آزمائی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ کیونکہ اوس زمانہ میں دربارِ مغلیہ سے وہی لوگ امارت کے تمغے پاتے تھے۔ جو صاحبِ سیف ہونے کے علاوہ قلم کے بھی دھنی ہوتے تھے۔ اور عقل و تدبیر کے ساتھ ساتھ شجاعت و مردانگی کا جوہر بھی رکھتے تھے۔ خواجہ عابد خاں کی اس جامعیت نے اُن کو بہت جلد دربارِ شاہی میں پہونچا دیا۔ اور پہلے ہی باریابی میں چھ ہزار روپیہ نقد اور خلعت پارچہ سے سرفراز و ممتاز فرمائے گئے۔

حکومتِ مغلیہ کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ وہ علم و ہنر کی بہت بڑی قدردان تھی۔ اور وہی لوگ امرا اور گورنر بنائے جاتے تھے۔ جو خود بھی صاحبِ فضل و کمال ہوتے تھے۔ اور صاحبانِ فضل و کمال کی قدر بھی کرتے تھے۔ اکبر سے لیکر شاہجہاں کے زمانہ تک ہندوستان مرقع جیسے باکمال عالموں، شاعروں، مورخوں، صناعوں نیز قابل سپاہیوں سے معمور ہوتا رہا۔ ویسے باکمالوں کو اب زمانہ مشکل سے جمع کر سکیگا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک طرف تو کشورستانی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ دوسری طرف علمی فتوحات کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ آج کل کی کامیاب سلطنتیں اس راز کو اچھی طرح پا گئی ہیں۔ اور علم و فن کی قدردانی کو اپنی دولت و سلطنت کا سب سے ضروری جزو سمجھتی ہیں۔ سلطنت کے

علاوہ افرادِ رعیت میں بھی اس قدر دانی کا اتنا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ کہ آج ایک ایک اخبار غبارہ بازی کے لیے لاکھوں روپیہ کا انعام مشتہر کرتا ہے۔!

جن سلطنتوں یا قوموں میں علم و فن کی قدر دانی کا شوق نہ پایا جائیگا اُن کی نسبت زمانہ کی پیشین گوئی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری دن گذار رہی ہیں۔

خواجہ عابد خاں متوسلِ دربارِ شاہی ہونے کے بعد شاہزادہ اورنگ زیب کے رکاب میں متعین کیے گئے۔ اس خدمت کو چند دن تک انجام دینے کے بعد آپکو حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ وہاں سے واپس لوٹے تو شاہزادہ اورنگ زیب کو زیب دہِ اورنگ پایا۔ شاہنشاہ نے اپنے اتالیق کے علم و فضل زہد و تقویٰ کی یہ قدر دانی کی کہ صدر الصدور کے عہدہ جلیلہ پر مامور فرمایا اور ہندوستان کا شیخ الاسلام بنا دیا۔

چند دن کے بعد شاہنشاہ کو جو ہمیشہ مردم کار کا جویا رہتا تھا۔ آپکی مذہبی خدمات کے بجائے پولیٹیکل خدمات کی ضرورت لاحق ہوئی اور پہلے پہل صوبہ اجمیر کی گورنری عطا کی اور بعد ازاں ملتان اور بیدر کی صوبہ داری پر مقرر فرمایا۔

ان عظیم الشان ذمہ داریوں کے عوض خواجہ صاحب کو خطابِ **قلیج خاں** اور منصب پنجہزاری اور خلعت و نقارہ بھی عطا ہوا۔ اُس زمانہ کے قواعد و قوانین ایسے جامع اور سہل العمل نہ تھے۔ جیسے آج کل کے ہیں نہ اُس زمانہ کے تمدنی و سیاسی حالات ایسے تھے جیسے ہمارے زمانہ کے ہیں اُسوقت نہ ریل تھی نہ تار نہ ٹپہ۔ نہ رعایا باضابطہ تھی نہ مختلف سررشتوں میں ایسا امتیاز تھا کہ ہر ایک کے فرائض علیحدہ علیحدہ ہوں۔ اور

ہر سررشتہ کا افسرِ اعلیٰ جدا جدا مقرر ہوتا ہو۔ وقتاً فوقتاً بغاوتیں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ چوروں لٹیروں کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ انتظامی قوت کو اپنے رقبۂ حکومت پر آسانی سے حکومت کرنے اور اقتدار قائم رکھنے میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آتی تھیں۔ اس لیے صدر الصدور کی خدمت کی بہ نسبت ان بڑے بڑے صوبوں کی گورنری کو بہت نازک اور مہتم بالشان سمجھنا چاہیے۔ یقیناً خواجہ عابد خاں میں حکومت کی قابلیت بدرجہ اتم موجود تھی اسی لیے اس قدر جلد جلد مختلف صوبہ جات کو اُنکی خدمتوں کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اُن کی اسی سیاسی قابلیت کا نتیجہ ہے کہ اُنکی قابلِ تعظیم اولاد اسی بہبود نظم تھی کہ آج تک ہندوستان کے چھوٹے آدھے حصے کی مالک ہے۔

[illegible] میں شاہنشاہ اورنگ زیب نے قلعہ گولکنڈہ کا محاصرہ کیا اور خواجہ عابد خاں کو بھی شریکِ جنگ رکھا۔ اس گیرودار میں خواجہ عابد خاں کے شانہ پر ہتھنال (ایک قسم کی چھوٹی سی توپ) کا گولہ آلگا جس کے صدمہ سے سیدھا ہاتھ شانہ سے جدا ہو گیا۔

آج کل کا کوئی مہذب یا باقاعدہ جنگی تعلیم یافتہ جنرل ہوتا۔ تو نہ معلوم اس صدمہ سے اُس کی کیا گت بنتی۔ لیکن یہ خواجہ عابد خاں کا ہی دل و جگر تھا کہ وہ اُسی حالت میں کمال ہمت و مردانگی سے گھوڑے پر سوار ہو کر کیمپ میں تشریف لائے۔ شاہنشاہ کو خبر ہوئی۔ تو عمدۃ الملک اسد خاں کو مزاج پرسی کے لیے روانہ کیا۔

اُس زمانہ میں عملِ جراحی میں اتنی ترقی نہ ہوئی تھی کہ آپریشن کرتے وقت کلوروفارم سونگھایا جاتا۔ یا مسمریزم کے عمل سے بیہوش کیا جاتا۔ یورپ کے زندگی کو نہایت عزیز رکھنے والے بہادر اس واقعہ کو سنکر شاید بہت حیران ہونگے۔ کہ خواجہ عابد خاں ایک طرف باتیں کرتے ہوئے

بائیں ہاتھ سے قہوہ پی رہے ہیں۔ اور دوسری طرف سرجن بیٹھا ہوا اُن کے مثانہ کا گوشت کُرید رہا ہے۔ اور زخم سے ٹوٹی ہوئی ہڈی کی کرچیاں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکال رہا ہے۔ مگر خواجہ عابد خاں ہیں کہ خبر تک نہیں ہوتے۔ اور تیوری پر بل تک نہیں ڈالتے۔

افسوس ہے کہ یہ زخم خواجہ صاحب کو ایسا کاری اور مہلک لگا کہ اُس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ اور تین دن کے بعد راہی جنت ہو گئے۔

قلعہ گولکنڈہ کے نواح میں شیخ نظام کے مقبرہ کے راستے آپ کا مدفن واقع ہے۔ چونکہ آپکی اولاد و ذریت سے سلطنت آصف جاہیہ کی داغ بیل پڑنے والی تھی اسلیئے گویا آپ نے اُسی سلطنت کے پایۂ تخت میں قیامت تک قیام کرنا مناسب خیال فرمایا۔

میر شہاب الدین خاں

غازی الدین خاں بہادر، فیروز جنگ،

فرزندِ ارجمند سبلے ریور نگ پاقلیچ خاں

خواجہ عابد خاں المخاطب بہ قلیچ خاں بہادر کو دو صاحبزادے تھے۔ میر شہاب الدین خاں میر حامد خاں۔ فرزند آخرالذکر میر حامد خاں کی نسبت زیادہ حالات نہیں دریافت ہوئے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ عہدِ عالمگیری کے ایک جنرل تھے اور شاہزادہ **محمد اکبر بن عالمگیر** نے جب باپ سے بغاوت کی ہے۔ تو میر حامد خاں شاہزادہ باغی کے اعوان و انصار میں سے تھے۔

البتہ **میر شہاب الدین خاں** نہایت بلند اقبال و ذی سطوت بیٹے ثابت ہوئے۔ اور اپنی تدبیر ملکی و قابلیتِ فاتحانہ سے ترقی کرتے کرتے امارت کے اعلے زینے طے کر گئے۔ اور علاوہ مختلف صوبوں کے گورنر ہونے کے مغل امپائر کے کمانڈر انچیف (سپہ سالارِ اعظم) بنائے گئے۔ اور اسکے ساتھ ساتھ ایسے ذی عزم و عظیم الشان بیٹے کے باپ بنے جس نے ایک جداگانہ سرکار قائم کر لی۔ اور سلطنتِ آصفیہ کا بانی اور پہلا فرمانروا ہونے کی حیثیت سے اُن کو ایسی تاریخی لازوال شہرت دیدی کہ آج ہم اُن کی سوانح زندگی قلمبند کر رہے ہیں۔

ابتدائی حالات میر شہاب الدین خاں ولایت زا ہیں۔ توران میں اون کی ولادت واقع ہوئی۔ اور وہیں نشو نما پائی۔ اس لیے اُن کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و عادات پر ہندوستانی آب و ہوا کا اثر نہ پڑ سکا۔

دربارِ شاہی کی باریابی

سنِ شعور کے بعد [illegible]ھ میں دہ دربارِ عالمگیری میں باریاب ہوئے۔ اور نذرانہ میں شاہنشاہ کو ایک مینا کار سپر گذرانی جس کا مطلب یہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر شاہنشاہ اس فدوی کی سرپرستی فرمائیں گے تو فدوی اعدائے دولت کے حملوں کے مقابلہ میں سپر کا کام دیگا۔ شاہنشاہ نے اپنے اتالیق کو فوراً زمرہ مصاحبین میں داخل کرلیا۔

خطابِ خانی

آپ کامل دس سال تک مصاحبین کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آپکی جنگی قابلیت کے کارنامے شروع ہوئے۔ جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ [illegible]ھ میں شاہنشاہ نے **رانائے اودے پور** کی سرکوبی کے لیے **حسن علیخاں** کو روانہ کیا۔ خانِ موصوف کو راجہ کے تعاقب میں پہاڑوں میں گھسنا پڑا۔ اور دشواری کی وجہ سے تعاقب کی خبریں پایۂ تخت کو نہ پہونچنے لگیں۔ خبر رسی کا سلسلہ منقطع ہونے سے شاہنشاہ کو تردد ہوا کہ مبادا **حسن علیخاں** نے راجہ سے سازباز کرلیا ہو۔ اس وقت صحیح کیفیت دریافت کرنے کے لیے ایک ہوشیار و مستعد افسر کی ضرورت تھی۔ شاہنشاہ کی نظرِ مردم شناس نے **میر شہاب الدینخاں** کو انتخاب کیا۔ **شہاب الدینخاں** اگرچہ پہاڑی علاقوں سے بالکل ناواقف تھے۔ مگر آپ کی فطری سپاہیانہ قابلیت کے علاوہ شاہنشاہ کے انتخاب کی تعریف کرنی چاہیئے کہ آپ نے دو دن کے قلیل عرصہ میں تمام حالات کی صحیح اطلاع بہم پہونچالی۔ اور شاہنشاہ کی خدمت میں من وعن کیفیت عرض کردی۔ شاہنشاہ اِس کارِ نمایاں سے بہت مسرور ہوا۔ اور **شہاب الدین خاں** کے خطاب کے ساتھ فیل و ترکشِ خاص بھی مرحمت فرمایا۔

دوسرا خطاب

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ اِس واقعہ کے تین سال بعد میر شہاب الدین خاں کو ایک اور کارِ نمایاں دکھانے کا

موقع ہاتھ آیا۔ ۱۰۹۴ھ ہجری میں شاہزادہ محمد اکبر نے باپ سے
بغاوت کی۔ زمانہ حال کی ضابطہ پسندی نے اگرچہ اس قسم کی بغاوتوں
کا بہت کچھ استیصال کر دیا ہے۔ پھر بھی سنتے رہتے ہیں کہ کبھی کسی صوبہ کی
رعایا نے بغاوت کر دی۔ کبھی کسی پارٹی نے سازش پھیلائی کہیں شخصیت
وجمہوریت کے جھگڑے پیش آئے۔ کہیں حقوق طلبی پر کشت و خون ہو گیا
وہ زمانہ آج کل کے مقابلہ میں ڈارک ایج (ازمنہ مظلمہ) کہا جا سکتا ہے۔ اور
اوس زمانہ میں اس قسم کی بغاوتیں معمولی باتیں تھیں۔

الغرض شاہزادہ محمد اکبر نے بغاوت کی اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے
آپ کے بھائی میر حامد خاں نے باغی شاہزادہ کا ساتھ دیا۔ شاہنشاہ
نے شاہزادہ کی فہمائش و تالیف قلب کے لیے میر شہاب الدین خاں کو
سفیر بنا کے بھیجا۔ آپ نے اپنے حسن تدبیر و لطف قابلیت سے شاہزادہ کی ایسی
تفہیم کی کہ وہ اپنے نفرت انگیز منصوبہ سے باز آگیا۔ شہاب الدین خاں نے
اپنے بھائی کو بھی شاہزادہ سے الگ کر کے بادشاہ کی خدمت میں پہونچایا۔
شاہنشاہ اس نمایاں ترین کارنامہ پر بے انتہا خوش ہوا اور آپ کے
پہلے خطاب پر "غازی الدین خاں بہادر" کا اضافہ فرمایا۔

تیسرا خطاب مع علم و نقارہ۔

دوسرے ہی سال ۱۰۹۵ھ ہجری میں آپ سے
ایک اور مہتم بالشان کام ظہور میں آیا۔ سنبھا جی
نامی ایک شریر باغی راہوری کے قلعہ میں پناہ گزیں تھا۔ اور راعیان دولت کو
تنگ کرتا رہتا تھا۔ شہاب الدین خاں۔ غازی الدین خاں بہادر اوس کی
سرکوبی کو روانہ کیے گئے۔ آپ نے وہاں جا کے قلعہ کو آگ لگا دی اور باغیوں
پر فتح نمایاں حاصل کی۔ اس گرانمایہ خدمت کے صلہ میں آپ کو تیسرا خطاب
"فیروز جنگ" عطا ہوا۔ اور علم و نقارہ سے بھی سرفراز فرمائے گئے۔

فتح بیجاپور و خطاب فرزند ارجمند بے ریو رنگ

اس کے

دوسرے سال ۱۶۸۵ء میں شاہنشاہ نے بیجاپور فتح کرنے کیلیے شاہزادہ کی سرکردگی میں فوج روانہ کی اور فیروز جنگ بہادر کو بھی شاہزادہ کے اشٹاف میں متعین فرمایا۔ اس مہم میں غنیم نے کچھ ایسی چالاکی و چابکدستی سے کام لیا کہ افواج شاہی کو چاروں طرف سے محصور کرلیا۔ جس سے رسد بالکل بند ہوگئی۔ روز بروز سپاہیوں پر میدان تنگ ہونے لگا۔ رسد نہ آنے سے فاقہ کشی کی نوبت آگئی۔ فوج میں بددلی پھیل گئی۔ اس فشار و بے اطمینانی کی کیفیت کچھ کچھ اس واقعہ سے ظاہر ہوگی کہ شاہزادہ کی پیاری اور چاہتی بیوی "جانی بیگم" غنیم اور لڑائی سے اس قدر تنگ ہوگئی تھی کہ خود بھی مارنے مرنے پر آمادہ ہوگئی۔ اور کمال مردانگی سے ہاتی پر سوار ہوکر میدان میں آتی تھی اور مخالفین پر تیر چلا چلا کے دل ٹھنڈا کرتی اور سپاہیوں کے حوصلہ بڑھاتی تھی۔

اقوام عالم میں اگرچہ مسلمان قومیں بہادر ترین مانی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مسلمان عورتوں کو بھی نسوانِ عالم میں سب سے زیادہ بہادر سمجھنا چاہیے۔ مذہبی لڑائیوں میں مسلمان عورتوں کی شرکت زبان زد روایت ہے۔ صلیبی لڑائیوں میں بھی مسلمان عورتوں کا حصہ لینا مشہور رہے۔ افغانستان، ترکستان اور عرب و افریقہ وغیرہ کی عورتوں کی جنگجوئی اور جرات و بہادری دنیا کو حیرت میں ڈالتی رہی ہے اس گئے گزرے زمانہ میں بھی طرابلس کی عرب عورتوں نے ملعون اٹلی کی بے رحم و خونخوار فوجوں کے مقابلہ میں جو پامردی و دلاوری دکھائی ہے۔ اس کی نظیر یورپ و امریکہ اپنی عمر تک بھی نہیں پیدا کرسکیگا۔ مسلمان عورتوں کی یہ بہادری و جاں بازی صرف اون کی قوتِ ایمانیہ کا پرتو ہے اور کچھ نہیں کیونکہ انہیں خوب یقین ہے کہ کفار کے ہاتوں بہادرانہ موت کا پیالہ پیتے ہی شہادت کی پھولوں کی قیامت تک سرسبز و شاداب رہنے والی چادر انھیں اُڑھا دی جائیگی۔ اور اسکے بعد جنت الفردوس میں اپنے بچوں اور شوہروں کے ساتھ ابدالآباد تک لطف و عیش کے میوے کھاتی رہینگی۔ دوسری عورتیں

کیونکہ دنیا ہی دنیا کو ابتدائے زندگی اور منتہائے عیش ونشاط سمجھتی ہیں اس لیے ممکن نہیں کہ قیامت تک خواب وخیال میں بھی کبھی وہ مردوں کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھانے کی جرات کرسکیں اور اپنی بہادری کا ثبوت دے سکیں۔

مگر اہ دختر ابی خواہ یورپ اپنی کلدار توپوں، جنگی جہازوں، اور ہوائی غباروں کے برتے پر انصاف وحق پژوہی کو بھولکر ہماری ہستی کو دنیا سے مٹانے کے درپے ہے۔ لیکن اُس کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک ہم میں قوتِ ایمانیہ موجود ہے۔ اور ہماری عورتیں تک لڑائیوں میں حصہ لیتی ہیں۔ ممکن نہیں کہ نور اللہ (اسلام) کا سچائی دکھانے والا چراغ بجھ سکے اور دنیا میں کفر وضلالت کا اندھیر چھاجائے۔!

ہم بیجاپور کی اِس سراسیمگی وبے بائگی کے عالم میں فیروز جنگ بہادر نے ایسی بہادرانہ وجانبازانہ خدمتیں انجام دیں کہ فوج کا اکھڑا ہوا دم بندھ گیا۔ اور بگڑا ہوا کام بن گیا۔ اور اوس کے بعد لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا۔

فیروز جنگ بہادر نے اپنی تدبیر ومردانگی کو کام میں لاکر بنجاروں سے ساز باز پیدا کیا۔ اور اُن کے ذریعہ سے رسد کی عظیم مقدار بہم پہونچائی اس کے علاوہ ایک اور کام یہ کیا کہ انھیں دنوں غنیم کے لیے ایک باغی **پیرانایک** نے چھ ہزار فوج پیادہ کی حفاظت میں بیجاپور کو رسد روانہ کی تھی۔ **فیروز جنگ بہادر** نے موقع پاکر ایک منتخب دستہ فوج کے ساتھ اس لشکر پر ایسا چھاپہ مارا کہ دشمن کے ہوش اُڑ گئے۔ ہرچند اُس کی تعداد زیادہ تھی لیکن۔ آپ نے بے تحاشا اُن کی صفوں میں گھوڑا اڑا دیا۔ اور آن کی آن میں درہم برہم کردیا ایک سخت مقابلہ کے بعد دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور اسکو جان بچاکر بھاگنا پڑا۔

اِس رسد کے ملنے سے فوج کو بڑی تقویت حاصل ہوئی ۔ اور شاہزادی نے مسرت وشادمانی کے عالم میں آپ کو سینہ سے لپٹا لیا ۔ اور دیر تک آپکے تدبر وتہور کی تعریف کرتا رہا ۔

اِس جانبازی کی خبر دربار شاہنشاہی تک پہونچی ۔ تو اورنگ زیب کی زبان سے بے اختیار یہ دعا نکل گئی ۔ "آج خدا نے جسطرح فیروزجنگ کی بدولت اولادِ تیموریہ کی شرم رکھ لی ۔ اسی طرح قیامت تک اُس کی بھی اولاد کی شرم رکھے"

غالباً یا گویا زود عدل گستر شاہنشاہ کی اِسی دعا کا نتیجہ ہے کہ آج تک فیروزجنگ بہادر کی اولاد نہایت اعزاز واحترام کے ساتھ سوا کروڑ رعایا دکن کی فرمانروائی کر رہی ہے ۔ اور اللہ قادر وتوانا کی عنایتوں سے امید ہے کہ قیامت تک اسی طرح حکومت کرتی رہیگی ۔

یا رب ایں آرزوئی من چہ خوش است　　یا رب ایں آرزوئی من چہ خوش است

فیروزجنگ بہادر کے اِن خدمات جلیلہ کے معاوضہ میں شاہنشاہ نے اُن کے خطابات سابقہ پر "فرزندِ ارجمند بے ریو رنگ" کے لقب کا اضافہ کیا ۔ اور فتحِ بیجاپور کا سہرا بھی آپ ہی کے سر باندھا ۔

غور کرو ۔ گزشتہ زمانہ میں خطابات والقاب کیسی قیمتی چیز تھے ۔ اور اُنکے حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جانبازیاں اور جانفشانیاں کرنی پڑتی تھیں پہلے کے زمانہ میں جاگیرات، مناصب، عہدے، خطابات، یہ سب چیزیں کشورکشائی وکارگزاری کا مترادف تھیں ۔ اور محض پدرم سلطان بود کے اصول پر نہیں عطا کر دی جاتی تھیں ۔ آج زمانہ کا رنگ ایسا بدلا ہے کہ اگر باپ ۔ جنگ دولہ یا ملک کا خطاب رکھتا تھا تو بیٹا بھی میراثِ پدر کی طرح اِن خطابات کا مستحق سمجھا جاتا ہے ۔ اور باپ کو کوئی عہدہ یا منصب تھا تو بیٹا بھی اسی عہدہ یا منصب پر فائز ہونا چاہتا ہے ۔ لیکن اس سے کوئی بحث نہیں کیجاتی ہر

کہ استحقاق کے لیے کارگزاری و اہلیت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ اور بیل کی جگہ بھیڑ اور بھیڑ کی جگہ بھیڑیا تو نہیں سنبھالنے لگا ہے۔ !!

تسخیر ادد گیر اِس واقعہ کے دوسرے سال ۱۰۹۶ھ میں **فیروز جنگ بہادر** نے ابراہیم گڑھ عرف اددگیر کے قلعہ کو فتح کیا۔ اور

منصب ہفت ہزاری و ہفت ہزار سوار اوس کے دوسرے سال مہم گولکنڈہ میں (جہاں آپکے نامور والد خواجہ عابد خاں قلیچ خاں کام آئے۔ اور جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے) کارہائے دست بستہ بجا لاکے منصب ہفت ہزاری و ہفت ہزار سوار سے سرفراز ہوئے۔

فتح ادھونی ۱۰۹۹ھ میں قلعہ ادھونی کو جو رائچور کے نواح میں واقع ہے عادل شاہی کو ترسدی مسعود سے چھین لیا اور اسی سال سنتا کی سرکوبی پر متعین فرمائے گئے۔ سنتا بڑا شریر باغی تھا۔ شاہنشاہ اُس کے ہاتوں تنگ آگیا تھا اور اُسکو ہمتائے شیطان کہا کرتا تھا۔ شاہنشاہ کے خاص الفاظ جو عمدۃ الملک اسد خاں مدارالمہام وقت کے موسومہ رقعہ میں درج ہیں حسب ذیل ہیں :-

"اما فکر سنتائے شیطان ہمتا۔ ضرور۔ بخان فیروز جنگ بہادر سزائے آن ہمزاد پر جنگ بنویسد (یعنے مدارالمہام بنویسد) کہ بیش از دست برود۔ دستِ عبار تش ببندد
ع مرد آخربیں مبارک بندہ ایست ــــــ"

غالباً سنتا کوئی مرہٹہ سردار تھا۔ اوس کی تادیب کے لیے **فیروز جنگ بہادر** روانہ ہوئے۔ لیکن وہاں کی آب و ہوا نے آپ کی بصارت پر برا اثر کیا حضوری دربار سے مستثنیٰ کیے گئے۔ پھر بھی آپ کی کشورکشائی کے جوہر ماند نہ ہونے پائے اور آپ بدستور سابق فوج کشی کرتے رہے۔

فیروز جنگ بہادر نے سنتا پر یہاں تک میدان تنگ کیا کہ بالآخر ۱۱۰۸ھ میں اوس کا سر کاٹ کر شاہنشاہ کی حضور میں روانہ کیا۔ اور مورد تحسین و آفریں ہوئے۔

تسخیرِ اسلام پور | [illegible] ہجری میں اسلام پور عرف دیوگڑھ کو فتح کرکے سلطنتِ مغلیہ میں شامل کیا۔

خطابِ قلیچ خاں | [illegible] ہجری میں شاہنشاہ **اورنگ زیب** نے فرطِ عنایت سے آپکو ایک انگوٹھی عطا فرمائی۔ جس پر "قلیچ خاں" کندہ تھا۔ [illegible] ہجری تک آپ صوبۂ بہار کے گورنر رہے۔ ایلچ پور آپ کا ہیڈکوارٹر تھا۔ اِسی سال شاہنشاہِ **اورنگ زیب** کی وفات واقع ہوئی۔ اِس بادشاہ کی ملازمت و رفاقت میں آپ نے کامل چالیس سال نہایت کامیابی سے بسر کیے **اورنگ زیب** کی جو جو مہربانیاں اور عنایتیں آپ کے حال پر مبذول تھیں وہ اُن رقعات سے معلوم ہونگی جو شاہنشاہ نے اُن کو لکھے تھے:۔

"من می خواستم کہ برائے آن دولت خواہ خود بیایم۔ اما بہ چہ امر وکدام نظر نشد۔ لہٰذا سیادت خاں را۔ نیابتاً فرستادیم۔ تا بہ چشم ما بیند۔ و اظہارِ مافی الضمیر کند۔ از میوہ ہائے نورس آنچہ بہم رسید۔ انگور ست۔ اما طبیبا یونانی برائے آن عمدۂ مخلصانِ مزاجداں مضرّی گویند۔ لہٰذا ماہم برخود ناگوار کردیم۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد صحت کامل و شفائے عاجل یکجا می خوریم

ع یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است۔ تو بدیں آرزو مرا برساں"

دیگر۔ "خانِ فیروز جنگ یک رنگِ من۔ تفریقِ فوج لاعلاج است فدوی زادہ راز و دبہ حضورِ کرامت گنجور بفرستد (غالباً نواب نظام الملک آصفجاہِ مرحوم کی طرف اشارہ ہے کہ اُن کو دربارِ شاہی میں روانہ کیا جائے) کہ بانعامات واد رارات امتیاز یافتہ بازبیش آں دولت خواہ خواہد رسید ع

ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ ز اسرارِ غیب۔ باشد اندر پردہ۔ بازیہائے پنہاں غم مخور"

دیگر۔ "خانِ فیروز جنگ یکرنگِ من۔ الحمد للہ دوری قلبی نیست

ع گر دریمنی و بامنی پیشِ منی۔ ور پیشِ منی و بے منی در یمنی۔

از احوالِ شبانروزی اکثر اطلاع می دادہ باشد تا کہ مواصلتِ صوری ہست"

اشاعت کو توسیع کے قابل نہ سمجھیں تو نہ سمجھیں۔ کم سے کم اس خیال سے ہی کہ اُن کا یہ خادم ہے
ہر دم صحیفہ اُن کی خدمت گزاری کے لیے تیار رہتا ہے۔ اور صحیفہ کے چلانے میں بڑی بڑی
دشواریوں کے باوصف مالی نقصان بھی انگیز کرتا ہے۔ اگر ایک ایک دو دو خریدار
پیدا کر دیں۔ تو تعدادِ ناظرین کی وہ کمی پوری ہو جائیگی۔ جو اس وقفۂ اشاعت کا
نتیجہ ہوگی۔ اور جو اگر بہ عجلت رفع نہ ہوگی۔ تو میرے لیے ایک تازہ مصیبت ثابت
ہوگی۔

یہ نمبر اگرچہ دو ماہہ ہے۔ اور اس وجہ سے اس کا حجم سو صفحے کا ہونا چاہیے تھا
لیکن چونکہ خاص نمبر ہے اور اس کے تمام مضامین ایک ہی عنوان کے ہیں اس لیے حجم کی
تخفیف قابلِ لحاظ نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ دوسرے مضامین کے اشتمال سے خاص
نمبر کی خصوصیت باقی نہ رہتی تھی۔

جن خریداروں کے ذمہ سنہ ۱۳۲۲ف کا چندہ تاحال واجب الادا ہے۔ اُن کی خدمت
خصوصاً اور باقی اصحاب کی جناب میں عموماً التماس ہے کہ اپنا اپنا چندہ ارسال
رحمت فرما کے اس وقت خاص تشکریہ کا موقع عطا فرمائینگے۔ اور رسالہ کی یک سالہ
کاہل شعاری کو اپنے لیے نظیر نہ قرار دینگے فقط

صحیفہ اور ناظرین کا خادم
محمد اکبر علی



شش جرائم متعلقہ چشم

اول دھندلی یا خفیف روشنی میں مطالعہ کرنا دوم لیٹے ہوئے یا جھکے ہوئے مطالعہ کرنا جسکی وجہ سے اعصاب پر بار پڑتا ہے اور شکل متوالی سی نظر آتی ہے سوم چلتے یا بیٹھے ہوئے خانگی گاڑی یا جہاز میں مطالعہ کرنا چہارم طلبا جبکہ درد سر ضعف بصارت شب میں دیر تک نہ پڑھ سکیں سورج کی روشنائی نہ دیکھ سکنا سوزش پلک سوزش و آشوب آنکھ یا خارش وغیرہ کی شکایت کریں تو اُن کے لیے عینک کا بہم نہ پہنچانا اور اُنکی آنکھ پر زیادہ بار پڑنے سے اعصاب کی اصلی طاقت بیجا بجانے سے ستقر ناتوان ہوجاتا ہے اور آن مرقوم الذیل امراض پنجم ترچھی نظر شکست بینائی درد سر ہونے یا ضمہ بے اختیار آنکھ دکھنا آنکھ کے گرد سیاہ حلقہ خیال نہ جما سکنا بھول آوارہ پن آزادی سستی و بیوقوفی لاحق کرتے ہیں جیسا کہ دار العلوم فن بصارت انگلستان و امریکہ سے ثبوت کیا گیا ہے ششم ہر ایک آنکھ کو علیحدہ علیحدہ ترقی یافتہ و شائستہ ممالک کے قوانین مطابق باقاعدہ سند یافتہ ماہران فن بصارت سے معاینہ کرائے بغیر عینک کا استعمال کرنا ششم دوسرے کی بنائی ہوئی عینک ان مصنوعی حکیموں اور گھڑی سازوں اور ہاکروں سے خرید کے استعمال کرنا جو اس علم سے واقف نہیں گو کہ کہتے ہیں مگر جنکا کہ فن بصارت کا علم بہ نسبت فٹبال کے چھکا ہانکنے والوں کے زیادہ نہیں ہوسکتے شیشہ خوردبینی عینک ساتھ درست نہیں بیٹھنے والے سائیڈوں کے بغیر لحاظ مصوری و مصاحتی محور وغیرہ جسکا نتیجہ آنکھ پر بوجھ ڈالنے کا ہوتا ہے دیتے ہیں جو پردہ اور آنکھ کی دوسری بیماریاں پیدا کرتا ہے اپنی آنکھ کی خلاف مجرم ہو رہی ہیں اس کا انتقام انہیں دینا ہوگا اور نہ کہ قیامت میں

مشورہ حکیم و ماہرین فن بصارت

ہارڈی اینڈ کمپنی سکندر آباد